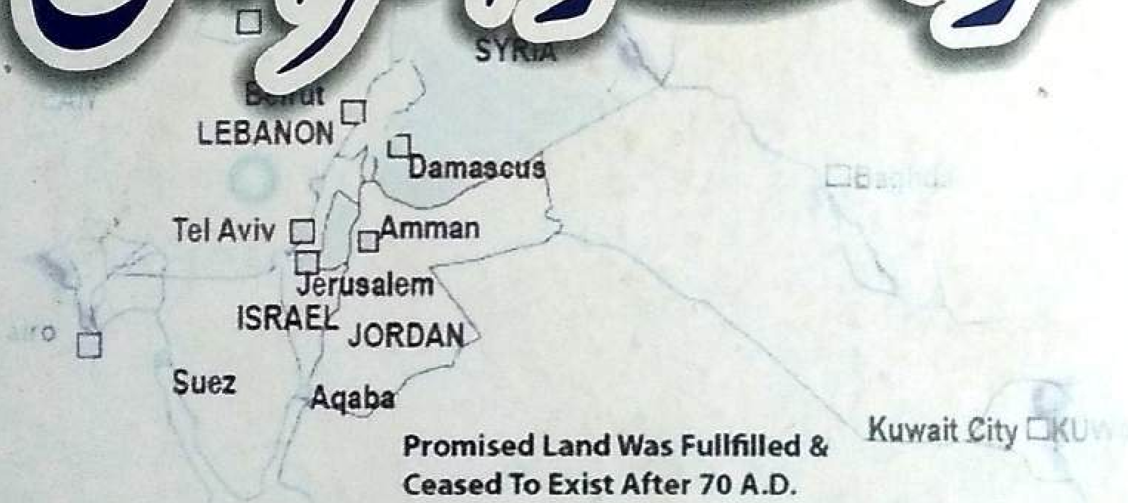






پاکستان اور عالم اسلام کی توڑ پھوڑ کی سازش

گریٹر اسرائیل



**Promised Land Was Fullfilled &
Ceased To Exist After 70 A.D.**

توصیف احمد خان

گریٹر اسرائیل

پاکستان اور عالم اسلام کی توڑ پھوڑ کی سازش

توصیف احمد خان

نگارشات

نام کتاب: گریٹر اسرائیل

مصنف: توصیف احمد خان

ناشر: آصف جاوید(0321-9414442)

برائے: نگارشات پبلشرز، میاں چیمبر 3- ٹمپل روڈ، لاہور

فون: 0092-42-36303438

مطبع: حاجی منیر پرنٹر، لاہور

سال اشاعت: 2024ء

قیمت: -/1000 روپے

فہرست

حصہ سوم

ناشکری اور گستاخ قوم

حصہ چہارم

یہود کا تعصب

حصہ پنجم

قاتل تنظیمیں

حصہ ششم

دنیا پر قبضے کا خواب

حصہ ہفتم

خوابیدہ مسلمان

حصہ ہشتم

آخری معرکہ

پہلے ایڈیشن کے بعد اضافہ

ابتدا اللہ کے پاک نام سے

☆ یہ تحریر رمضان المبارک میں رقم کی جا رہی ہے۔

☆ ایک رمضان میں شروع ہوئی اور بوجوہ دو تین رمضان گزرنے کے بعد اس کی تکمیل ہوئی۔

☆ رمضان میں اس کی ابتدا کا مقصد تھا...... کہ یہ مقدس، مبارک، محترم اور برکتوں والا مہینہ ہے۔

☆ اس ماہ کی لیلۃ القدر میں ارفع ترین کتاب یعنی قرآن حکیم کا نزول ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ہی نہیں...... تمام رسولوں کو برکتوں اور رحمتوں والے اس مہینہ میں کتب اور صحیفے عطا کیے گئے جن کی تعداد 106 بتائی جاتی ہے۔

☆ ممکن ہے مولا کریم اس پر تقدس مہینے میں میری اس تحریر میں اتنا اثر ڈال دے کہ سادہ سے انداز تحریر کے باوجود شاید آپ کے یعنی قارئین کرام کے دل میں اتر جائے اور قارئین کو ان تمام سازشوں، فتنوں اور ریشہ دوانیوں کے تانوں بانوں سے آگاہی حاصل ہو جائے جو آج کے دور میں مکڑی کے جالے کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

رب رحیم نے جس طرح غار ثور میں ایسے ہی ایک جالے کے ذریعے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت فرمائی تھی...... اسی طرح عالم اسلام اور مسلمانوں کی بھی حفاظت فرمائے گا...... وہ ہمیں مصائب و آلام کے اس دور سے نکال لے گا...... اس طرح کہ اسلام کے ازلی و ابدی دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں۔

راقم نے غزوہ ہند کے حوالے سے کتاب تحریر کی تو اس میں ''گریٹر اسرائیل'' کے بارے میں بھی ایک باب تھا۔ نگارشات کے مالک ومختار اور عزیز دوست آصف جاوید نے دیکھتے ہی کہا یہ چند صفحات کافی نہیں۔ اس پر مکمل کتاب کی شکل میں بھر پور تحریر ہونی چاہیے چنانچہ کمر ہمت باندھ لی اور اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے آپ کو یہ کاوش پسند آئے گی لیکن ساتھ ہی آپ کے ذہن میں کچھ ہو تو میری رہنمائی ضرور فرمائیں۔

اسرائیل کا ناسور اصل میں یورپ کی طرف بڑھ رہا تھا بلکہ یورپ اور امریکہ کی معیشت، معاشرت اور میڈیا تو کافی حد تک اس کے دست قاتل کی گرفت میں آ چکا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی جان بچانے اور چھڑانے کے لیے یہودی فتنہ کا رخ عالم اسلام کی جانب موڑ دیا...... اور ایک خنجر کی صورت میں یہ مسلمانوں کی پیٹھ میں گھونپ دیا گیا جبکہ سارا مغرب اس حوالے اسے شہہ ہی نہیں دے رہا۔ اس کا معاون اور مددگار بھی ہے۔ دوسری جانب ہم ہیں کہ خواب خرگوش میں مست ہیں۔ اگرچہ ہم زخم خوردہ ہیں لیکن کسی تدارک کی بجائے خود ہی اپنا لہو چاٹے جا رہے ہیں۔ باری تعالیٰ ہم پر رحم ہی نہیں ہماری رہنمائی بھی فرمائے جس میں خواب غفلت کے خاتمے کا معاملہ بھی شامل ہے ...... اور ان ''اپنوں'' کا جھنجھوڑے جانا تو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جو اپنے بچاؤ کے لیے اپنے ہی سب سے بڑے دشمن کی گود میں پناہ لے رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں...... وہ سانپ کے بل یا شیر کی کچھار میں گھسے جا رہے ہیں۔

کتاب کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ یہود اور بنی اسرائیل میں فرق کے حوالے سے ہے۔ دوسرے حصہ میں گریٹر یا عظیم تر اسرائیل کے دعوے کی تاریخی حیثیت شامل ہے۔ تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کا ذکر ہے جو اس قوم کے لیے مخصوص کر دی گئی تھیں لیکن یہ قوم ناشکری اور گستاخ ثابت ہوئی۔

اس حصہ میں اس قوم کی ناشکری اور گستاخیوں کے کچھ واقعات درج ہیں۔ چوتھے حصے میں اسلام اور نبی کریمؐ کے بارے میں ان کے تعصب اور اس کی وجوہات مندرج ہیں۔ پانچواں حصہ ان تنظیموں کے بارے میں ہے جو قاتل ہی نہیں دجالی خیالات کی حامل اور دجال

ے مشن کے سلسلے میں کوشاں ہیں۔اس میں خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں اور اس کے خاتمہ کے لیے سو سالہ معاہدہ کا بھی ذکر ہے۔اس معاہدے کے خاتمے کا سال 2023ء ہے کیونکہ یہ معاہدہ 1923ء میں ہوا تھا۔

چھٹے حصہ میں مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور پاکستان سمیت اسلامی ممالک کی توڑ پھوڑ کے منصوبوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔۔۔۔ آخری حصہ اس آخری جنگ کے بارے میں ہے جو حق اور باطل کے درمیان ہوگی۔اس میں امام مہدیؒ، حضرت عیسیٰؑ کی آمد جبکہ دجال کے خروج کے ابواب شامل ہیں۔احادیث مبارکہ کے حوالے سے یہ ذکر بھی موجود ہے کہ دجال اس وقت کہاں ہے جسے یہودی ہی نہیں ہندو بھی اپنا دوست قرار دے رہے ہیں اور اس کی آمد کے منتظر ہیں۔

''گریٹر اسرائیل'' اور راقم کی ایک دوسری کتاب ''قرآن کریم میں اسمائے رسولؐ'' میں دو تین ابواب مشترکہ طور پر شامل ہیں۔دونوں میں واقعات کی ترتیب اور موضوعات کے اعتبار سے ان کی ضرورت تھی لہٰذا انہیں کسی ردوبدل کے بغیر دونوں کتابوں میں دے دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس فتنہ عظیم اور اس طرح کے دوسرے فتنوں سے نجات دلائے لیکن ساتھ ہی ہمیں صراط مستقیم کی جانب بھی گامزن کردے (آمین)

توصیف احمد خان

Email:tausifk46@hotmail.com

حصہ اوّل

یہود اور بنی اسرائیل

یہودی کون ہیں

یہودی کون ہیں اور یہودیت کیا ہے......؟

توریت کے باب ''یہودیت'' کے ایک نوٹ کے مطابق یہودیت مقدس مریم کی علامت سمجھی جاتی ہے اور حضرت مریم کی عبادت کے دستور العمل میں توریت کی چند آیات استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی باب میں ایک بہادر یہودی عورت کے حالات بیان کیے گئے ہیں جسے ''یہودیت'' کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ بیوہ تھی اور بیوگی کے بعد تارک الدنیا ہو گئی۔ اس نے اس کتاب کو اپنی مادری زبان میں تالیف کیا تا کہ دینداری کا ایک خاص نمونہ پیش کرے۔ اسی نوٹ میں کتاب کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے تاہم ساتھ ہی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اصل متن ہمارے پاس موجود نہیں۔

یہ عورت مادیوں کے بادشاہ ارفخشد یا بنوکدنصر کے دور میں تھی۔ بنوکدنصر کے سپہ سالار الیفانا کے یہودیوں پر حملہ کے وقت یہ عورت زیب و زینت کر کے الیفانا کے پا[illegible]تی ہے اور رات کو اس کی مد[illegible]ش[illegible] کے عالم میں اس کا سر کاٹ کر لے آتی ہے جس کے نتیجے میں اس کی فوج خوف و دہشت [illegible]م میں فرار ہو جاتی ہے۔

اسی باب میں ''یہودیت'' نے خود کو عبرانیوں کی بیٹی بھی کہا ہے عبرانی اگرچہ یہودیوں کی زبان کا نام ہے مگر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بطور قوم بھی عبرانی کہلاتے تھے، تاہم اب یہودیوں کی اصل کی جانب آتے ہیں۔

سیدھے سادے لفظوں میں یہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے بارہ

بیٹے تھے اور انہی کے حوالے سے یہودیوں کے بارہ قبیلے بنے۔ حضرت اسحٰق ان کے دادا اور حضرت ابراہیمؑ پردادا تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اور توریت کے مطابق یہ نام خود اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا۔

رب کریم نے قرآن کریم میں انہیں بار بار وہ عہد یاد دلایا ہے جو ان سے لیا گیا کہ جب محمد مصطفیٰؐ تشریف لائیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم آپؐ کی ذات اور اس کتاب پر ایمان لانا۔ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے۔ تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے۔ تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکامات کے متبادل آسان دین دوں گا......لیکن اس کے برعکس ہوا کیا......؟

یہودیوں نے مجموعی طور پر نبی کریمؐ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپؐ کی زندگی میں دس سے زیادہ یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے توریت میں اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدے کو فراموش کر دیا جس کی بڑی وجہ یہی بتائی جاتی ہے کہ نبی کریمؐ حضرت اسحٰق کی بجائے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے اور یہودیوں کو یہ بات گوارا نہیں تھی۔

ایک حدیث کے مطابق ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت سے رسول کریمؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام تھا تو ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ یہ درست ہے۔ لہٰذا نبی کریمؐ نے کہا اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ واضح رہے کہ اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں۔

اب یہودیوں کی بابت بات کرتے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ لفظ یہود ہوداۃ یا پھر تہود سے ماخوذ ہے۔ ہوداۃ کے معنی دوستی جبکہ تہود توبہ کو کہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں اے اللہ۔ ہم تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔ انہیں یہود کہنے کی مذکورہ دونوں وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت یعقوبؑ کے بڑے بیٹے یہودا

کی اولاد میں سے ہیں اور اسی لیے یہود کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ یہود جب توریت پڑھتے تو یہ ہلتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود کہا گیا ہے جس کا مطلب حرکت کرنے والا بھی ہے۔

جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے تو بنی اسرائیل پر آپؑ کی نبوت کی تصدیق اور فرمان کی بجا آوری لازمی ہوئی لہٰذا جن لوگوں نے یہ تصدیق کر دی وہ نصاریٰ کہلائے کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی کچھ کا خیال ہے کہ یہ لوگ چونکہ ناصرہ یا ناصریہ بھی تھے لہٰذا انصاری کہلائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نصاریٰ نصران کی جمع ہے۔

یہ لوگ کنعان کو ارض موعود قرار دیتے ہیں لیکن خود کو کنعانی تسلیم نہیں کرتے۔ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بھی کنعانی نہیں تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہود میسو پوٹیمیا سے آکر کنعان میں آباد ہوئے تھے۔ آج یہ نام غیر معروف ہیں کیونکہ ان ممالک کا وجود ہی باقی نہیں رہا اور ان کی جگہ نئے ممالک نے لے لی ہے۔ ان کے میسو پوٹیمیا سے آنے کی بات انجیل میں کی گئی ہے۔ 1750 قبل مسیح ایک قحط پڑا تھا جس کا حضرت یوسفؑ کے قصوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی قحط سے پریشان ہو کر ان کے تمام یعنی بارہ قبیلے مصر کی جانب کوچ کر گئے۔ اس ملک میں ان کو بہت مواقع ملے۔ جس کا انہوں نے فائدہ اٹھایا کیونکہ یہ ان کی فطرت کا حصہ ہے چنانچہ یہ لوگ خوشحال ہو گئے لیکن یہ خوشحالی زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکی۔ غالباً دولت کی کثرت نے انہیں سست بنا دیا تھا۔ لہٰذا عروج سے ان کا زوال شروع ہوا اور یہ ایسا زوال تھا کہ انہیں مصریوں کی غلامی کرنا پڑی جو چار سو برس تک جاری رہے۔ اسی دوران فرعونوں نے ان سے خوب بیگار لی اور ہر منصوبے میں بغیر کچھ دیئے یہودیوں سے مشقت لی گئی، جس کے سوا اب ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔

بابل کے بادشاہ بخت نصر کی قوم اشوری کہلاتی تھی لہٰذا اسے اشوریوں کا بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کی سرکوبی کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے الیفانا کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ اس سے آگے جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ من وعن توریت کا بیان ہے۔ جس سے

یہودیوں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔توریت یا عہد نامہ عتیق کی کتاب ''یہودیت'' کے باب 5 میں اس طرح لکھا گیا ہے:

جب اشوریوں کے لشکر کے سپہ سالار الیفانا کو خبر پہنچی کہ بنی اسرائیل نے مقابلہ کرنے کی تیاری کی ہے اور پہاڑوں کے رستوں کو بند کر دیا ہے

☆ تو الیفانا بڑے غصے کی شدت سے بے خود ہو گیا اور اس نے موآب کے سب رئیسوں اور عمون کے سرداروں کو بلایا۔

☆ اور ان سے کہا مجھے بتاؤ کہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے پہاڑوں کو روک لیا ہے؟ اور ان کے شہر کون کون سے اور کیسے اور کتنے کتنے بڑے ہیں؟ اور ان کی قوت اور طاقت اور کثرت کیا ہے؟ اور ان کے لشکر کا کون سپہ سالار رہے؟

☆ اور تمام اہل مغرب کے علاوہ کیونکہ محض انہوں نے ہمیں حقیر جانا ہے اور ہمارے استقبال کو باہر نہیں نکلے تا کہ صلح سے ہماری ملاقات کرتے۔

☆ تب تمام بنی عمون کے سردار احیور نے اس سے جواب میں کہا اے میرے آقا! اگر تو عنایت کر کے میری بات سنے تو میں ان لوگوں کی بابت جو پہاڑوں میں رہتے ہیں تیرے سامنے سچ سچ کہوں گا اور ایک بھی جھوٹا لفظ میرے منہ سے نہیں نکلے گا۔

☆ یہ لوگ کلدانیوں کی نسل سے ہیں۔

☆ یہ پہلے آرام نہرائم میں رہتے تھے۔

☆ اور چونکہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے معبودوں کی جو کلدانیوں کی سرزمین میں بستے تھے پیروی کرنے سے انکار کیا۔

☆ انہوں نے اپنے باپ دادا کے دستوروں کو ترک کر دیا جو بہت معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔

☆ اور انہوں نے آسمان کے ایک ہی خدا کی عبادت کی جس نے ان کو حکم دیا کہ وہاں سے نکل جائیں اور کنعان میں جا بسیں۔ پھر جب تمام روئے زمین پر کال پڑا تو وہ

مصر کو چلے گئے اور وہاں پر چار سو برس کے عرصہ میں بہت بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ ان کا لشکر بے شمار ہو گیا۔

☆ اور جب مصر کے بادشاہ نے ان پر شدید ظلم کیا اور مٹی اور اینٹوں سے اپنے شہر بنانے میں ان سے غلامی کروائی تو وہ اپنے خداوند کے حضور چلائے۔ جس نے مصر کی تمام سرزمین کو مختلف آفتوں سے مارا۔

☆ اور جب مصریوں نے اپنے ہاں سے ان کو نکال دیا اور وبا بند ہوئی تو انہوں نے ان کو پکڑ لینے کا ارادہ کیا تا کہ اپنی غلامی میں ان کو پھر لے آئیں۔ اور جب وہ بھاگ چلے تو آسمان کے خدا نے ان کے لیے سمندر کو چیرا اور دونوں طرف پانی جم کر دیوار کی طرف ہو گیا۔ تو وہ سمندر کی تہ میں خشکی پر پار ہو گئے۔

☆ اور وہاں پر مصریوں کے لاتعداد لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ تو پانی نے ان کو چھپا لیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو آئندہ پشتوں کو خبر دے۔

☆ اور انہوں نے بحیرۂ قلزم سے نکل کر کوہ سینا کے بیابان میں ڈیرا لگایا جہاں انسان کی طاقت نہیں کہ رہے اور نہ آدم زاد کی کہ وہاں آرام کرے۔

☆ اور وہاں کڑوے پانی کے چشمے ان کے لیے میٹھے کیے گئے تا کہ وہ پئیں اور چالیس برس تک ان کو آسمان سے روٹی کھلائی گئی۔

☆ اور جہاں کہیں وہ گئے بغیر تیر کمان کے اور بغیر ڈھال تلوار کے ان کا خدا ان کے لیے لڑا اور غالب ہوا۔

☆ اور کسی نے ان لوگوں کو مغلوب نہ کیا سوائے اس وقت کے جب کہ انہوں نے خداوند اپنے خدا کی عبادت کو ترک کیا۔

☆ تو جتنی دفعہ انہوں نے اپنے خدا کی بجائے اوروں کی پرستش کی وہ لوٹ اور تلوار اور ننگ کے حوالے کیے گئے۔

☆ اور جتنی دفعہ انہوں نے اپنے خدا کی عبادت ترک کرنے سے توبہ کی آسمان کے خدا

نے ان کو مقابلہ کرنے کی طاقت دی۔

☆ سو انہوں نے اپنے سامنے کنعانیوں اور یبوسیوں اور فرزیوں اور حتیوں اور حویوں اور اموریوں کے بادشاہوں کو اور تمام جباروں کو جو حشبون میں تھے مغلوب کیا اور ان کی زمینیں اور ان کے شہروں پر قابض ہوئے۔

☆ اور جب تک وہ اپنے خدا کے سامنے خطا نہیں کرتے تھے۔ وہ اچھی حالت میں رہتے تھے۔

☆ کیونکہ ان کا خدا بدی سے نفرت کرتا ہے۔

☆ اور چند برس ہوئے کہ انہوں نے اس راہ کی مخالفت کی جس میں چلنے کے لیے ان کے خدا نے ان کو حکم دیا تھا تو وہ لڑائیوں میں بہت قوموں کے سامنے مغلوب ہوئے اور ان میں سے بہت اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جلاوطن کیے گئے۔

☆ مگر تھوڑے عرصہ سے وہ خداوند اپنے خدا کی طرف پھرے ہیں اور اپنی پراگندگی سے جہاں کہیں الگ الگ ہو گئے تھے اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اور ان تمام پہاڑوں پر چڑھے ہیں اور پھر یروشلیم پر قبضہ کر لیا ہے جہاں ان کا مقدس ہے۔

☆ اب اے میرے آقا! دیکھ کہ اگر ان لوگوں نے اپنے خدا کے حضور بدی کی ہے تو ہم ان پر چڑھ جائیں گے۔ کیونکہ ان کا خدا ان کو تیرے حوالے کر دے گا۔ اور وہ تیری طاقت کے جوئے کے نیچے خدمت کریں گے۔

☆ اور اگر ان لوگوں نے اپنے خدا کے حضور بدی نہیں کی تو ان کے خلاف ہماری کچھ طاقت نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان کا خدا ان کے لیے لڑے گا اور ہم تمام روئے زمین پر شرم زدہ ہوں گے۔

○

کیا بنی اسرائیل اور یہود ایک ہیں؟

سوال یہ ہے کہ کیا بنی اسرائیل اور یہودی ایک ہی ہیں۔اس حوالے سے ہم قرآن پاک اور تاریخ کو کھنگالتے ہیں تو حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا۔قرآن میں بھی جہاں حضرت یعقوبؑ کی نسل یعنی بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے وہاں انہیں بنی اسرائیل ہی کہا گیا ہے اور جس جگہ مذہب یہود کے پیروکاروں کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں ''الذین ھادوا'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ دراصل یہودیت کوئی مذہب نہیں اور حضرت موسیٰؑ بھی جو مذہب یا شرح لیکر آئے تھے وہ یہودیت نہیں تھی بلکہ ہر پیغمبر اسلام ہی لے کر آیا اور ہر پیغمبر کے لائے ہوئے دین پر عمل کرنے والے مسلمان ہی تھے۔ یہ کسی اور کا نہیں خود باری تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر 67 میں ہے کہ ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے۔وہ شرک کرنے والوں میں سے بھی نہیں تھے۔''

اگر حضرت ابراہیمؑ صرف اور صرف مسلمان تھے تو ان کی اولاد یہودی یا نصرانی کیسے ہوسکتی ہے یاان کے بعد آنے والے پیغمبر یہودیت یا نصرانیت لیکر کیسے آسکتے ہیں۔ وہ سب مسلمان تھے خالص مسلمان۔

جب قرآن پاک یہودیوں کو''الذین ھادوا'' کہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اے لوگو! جو صرف یہودی بن کر رہ گئے ہو۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل اور یہودیوں میں کس قدر فرق ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہودیوں میں سب بنی اسرائیلی ہی نہیں تھے

بلکہ زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے بہت بعد میں یہودیت کو قبول کیا۔ یہودیت بھی حضرت موسیٰؑ کے صدیوں بعد کی پیداوار ہے۔ یہودیوں کا حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے ''یہوواہ'' کی نسل سے سلسلہ ملتا ہے لیکن کئی ایک محققین کی تحقیق اس سے مختلف رائے کی حامل ہے۔ یہودیوں کے ذکر سے پہلے قرآن پاک کا کچھ ذکر کرلیں۔ مفسرین بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے نبی کریمؐ تک اپنے پیغمبروں پر ایک سو چار (بعض کے مطابق 106) کتب اتاری ہیں۔ جن میں چار بڑی کتب یعنی توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم ہیں۔ باقی سو کتب ان صحیفوں پر مشتمل ہیں جو نبیوںؑ پر اتاری گئیں۔ ان میں صحف آدمؑ، صحت شیثؑ، صحف نوحؑ، صحف ابراہیمؑ اور صحف موسیٰؑ کے علاوہ بہت سے دوسرے انبیاءؑ کے صحیفے شامل ہیں۔ لیکن ان میں سے آج اگر کوئی کتاب موجود بھی ہے تو قرآن پاک کے سوا وہ اپنی اصلی حالت میں نہیں۔ قرآن پاک اس لیے اصلی حالت میں ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے اور یہ لوح محفوظ پر بھی موجود ہے لہٰذا قرآن میں جو کچھ ہے وہ حرف بحرف کلام اللہ ہے جس میں زیر زبر کی بھی کوئی غلطی نہیں۔ حفاظت کی ذمہ داری بھی اس لیے لی گئی کہ یہ آخری کتاب اور رسول اللہ آخری نبیؐ ہیں۔ اگر اس کتاب کا حشر بھی پہلے آنے والی کتب جیسا ہو جاتا تو پھر لوگوں کو کیسے معلوم ہو پاتا کہ حق کیا ہے۔

قرآن پاک میں جتنا ذکر بنی اسرائیل یا یہودیوں کا آیا اتنا کسی اور امت کے بارے میں نہیں۔ بالکل ابتدا سے ہی ان کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ذکر سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 40 سے شروع ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک بنی اسرائیل اور یہودیوں کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ محض ایک دو پارے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس قوم کو دیئے گئے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ ان کی بار بار کی حکم عدولیوں کا ذکر ہے۔ ان کو دی گئی سزاؤں کا ذکر ہے اور ان کو بار بار انتباہ بھی کیا گیا ہے مگر اس قوم نے اللہ تعالیٰ کے انتباہ سے کوئی اثر نہیں لیا اور حکم عدولی کو اپنا وطیرہ بنالیا۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے بالکل ابتدا میں ہی اس قوم کو کس طرح سے مخاطب کیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں شیطان کی طرف سے حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کہ بھٹکائے جانے پھر ان کی توبہ کرنے کا ذکر کرنے اور زمین پر اتارے جانے کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا:

جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا (تو) وہ دوزخی ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ کلام آیت نمبر 39 میں ہے۔ اس کے فوری بعد اللہ تعالیٰ اپنا روئے سخن اولاد یعقوب (بنی اسرائیل) کی جانب پھیر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں:

اے بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور تم پورا کرو میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو۔ میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو۔۔ اور صرف مجھ سے ہی ڈرا کرو اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو میں نے نازل کی ہے۔ یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے۔ اور نہ بن جاؤ تم اس کا سب سے پہلے انکار کرنے والے اور نہ خریدو تم میرے آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت اور صرف مجھ سے ہی ڈرا کرو اور نہ بلایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو۔ اور صحیح ادا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والے کے ساتھ (40 تا 43)

اس کے بعد باری تعالیٰ فرماتا ہے:

اے بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) تم یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میں نے فضیلت دی تھی تمہیں سارے جہاں والوں پر اور ڈرو بس اس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی

معاوضہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے (47,48)

اس کے بعد کی آیات میں مولا کریم نے ان تمام احسانات کا ذکر کیا ہے جو اولادِ یعقوب پر کیے گئے اور پھر ان کی نافرمانیوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کا بیان بھی موجود ہے۔

تاریخ پر نظر دوڑائیں تو بنی اسرائیل حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے موجود تھے۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہونے کی نسبت سے بنی اسرائیل کے وجود اور حضرت موسیٰؑ کے دور میں صدیوں کا فرق ہے۔ ان کے عروج کا زمانہ بھی حضرت موسیٰؑ کی آمد سے بہت پہلے گزر چکا تھا جس کا ذکر خود حضرت موسیٰؑ بھی کرتے ہیں۔ ''یہوداہ کی نسل سے منسوب یہودی بھی بعد میں وجود میں آئے۔ حضرت سلیمانؑ کا دور ان کے لیے شاندار رہا اور یہی وہ دور تھا جب یہ کافی حد تک ''ارض موعود'' حاصل کر پائے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کی اولاد سلطنت کو سنبھال نہ سکی جس کے نتیجے میں حضرت سلیمانؑ کی وسیع سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کا نام ''یہودیہ'' اور دوسری کا ''سامریہ'' تھا۔ ''یہوداہ'' کی نسل کے حصے میں سلطنت یہودیہ آئی جبکہ دوسرے قبائل نے سامریہ کی حکومت سنبھال لی۔ یہ دونوں سلطنتیں بھی اس طرح برقرار نہ رہ سکیں کیونکہ ایک اور ملک ''اسیریا'' نے سامریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسیریا والوں نے سامریہ میں موجود لوگوں کا بھی قتل عام کیا ان کی تباہی و بربادی کے بعد ''یہوداہ'' اور حضرت یعقوبؑ کے ایک اور بیٹے بن یامین کی نسل رہ گئی۔ بن یامین حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی تھے جبکہ ان کے باقی بھائی سوتیلے تھے۔

اب چونکہ یہوداہ کی اولادوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور بچے کھچے بنی اسرائیلی کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے لہٰذا وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے لیے لفظ یہودی کا انتخاب کر لیا۔ صدیوں بعد اس نسل کے رہنماؤں نے مذہبی عقائد و ضوابط اور رسوم و رواج کو مرتب کیا تو اس کا نام JUDAISM رکھا گیا۔ اسی مناسبت ان کے مذہب کو یہودیت قرار دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ کاہنوں، ربیوں (یہودی علماء) اور دیگر ممتاز ہستیوں نے یہودیت کا ڈھانچہ نو سو

سال میں مرتب کیا۔ اسے چار سو سال قبل مسیح شروع کیا گیا اور یہ پانچویں صدی عیسوی میں مکمل ہوا یعنی جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے تو یہ لوگ موجود ضرور تھے مگر اس وقت تک ان کو یہودی کا نام نہیں ملا تھا۔

ایک اور روایت میں یہودیوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے کہ اس کے مطابق موجودہ یہودی دراصل حضرت نوحؑ کے پڑپوتے خزار کی اولاد ہیں۔ حضرت نوحؑ کے بیٹوں میں سام، حسام اور یافث شامل تھے۔ حسام کے بیٹے تجرمہ کے دس بیٹے تھے۔ انہی میں خزار بھی تھا۔ خزار کی اولادوں نے فلسطین کو نہیں بلکہ یورپ کو اپنا مسکن بنایا۔ اس سلسلے میں روسی بادشاہوں کے سلسلے زار (CZAR یا TZAR) اور خزار میں مشابہت کی مثال دی گئی ہے۔ خزار کوہستان کاکیسس (کوہستان برمک) میں رہتے تھے جو روس اور ترکی کے درمیان سرحد بناتا ہے۔ جب یبوسی اور اموری (کنعان کا چوتھا بیٹا) کوہستان کاکیسس سے چلے تو مغرب کی جانب پولینڈ سے ہوتے ہوئے جرمنی اور پھر وسطی یورپ کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہ تاثر غلط ہے کہ وہ فلسطین سے آئے تھے۔ وہ وحشی کافر تھے جو دین ابراہیمی پر ایمان لانے سے قبل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ خزاروں نے اپنے بچوں کو توراۃ اور تالمود کی تعلیم دینے کے لیے عراق اور مصر سے تنخواہ دار استاد رکھ لیے کیونکہ وہ خود عبرانی زبان کے درست تلفظ پر عبور نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے یدش زبان کو فروغ دیا جو عبرانی اور جرمن کا ملغوبہ ہے۔

اسرائیل، جرمنی، پولینڈ اور آسٹریلیا کے سارے یہودی حقیقی یہودیوں کی بجائے خزاروں کی اولادیں ہیں۔ کنعان کے چوتھے بیٹے اموالی کی اولادوں میں سے خزاروں کا ایک بادشاہ بیولان 740ء میں یہودی ہو گیا تھا لہٰذا اس نے یہودیت کو سرکاری مذہب قرار دیدیا۔ دسویں صدی عیسوی میں انہی یہودیوں (خزاروں) کا ایک گروہ وسطی روس چلا گیا مگر کچھ عرصہ بعد مشرق کے منگولوں اور شمال کے روسیوں نے خزاروں کو اپنے قدیم وطن سے مغرب کی جانب مار بھگایا لہٰذا ان میں سے بہت سے مشرقی یورپ میں بس گئے۔ زیادہ تر تعداد پولینڈ میں آباد ہوئی جہاں انہوں نے صنعتکاروں اور تاجروں کے طبقات قائم کر لیے۔

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خود ساختہ یہودی غیر اسرائیلی ایشیائی ہیں۔ 1981ء میں امریکہ کے پرومز براڈ کاسٹر نیوز پیپر نے لکھا کہ یہ "یہودی" اسرائیلی نہیں بلکہ منگولوں اور دیگر ایشیائی لوگوں کی اولادیں ہیں۔ انہوں نے ایک ہزار برس قبل یہودیت کو اپنے مذہب کے طور پر اپنایا تھا اور اسی حوالے سے یہ یہودی کہلانے لگے۔ ایک ممتاز یہودی مصنف آرتھر کوسٹلر نے 255 صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب کا نام THE THGUIRTEENTH TRIBE ہے۔ اور اس میں اسی نکتے کہ ثابت کیا گیا ہے کہ مشرقی یورپ کے یہودی، اسرائیلی ہیں اور نہ شامی بلکہ خزار، ہن اور منگول ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد فورڈ موٹر کمپنی کے بانی ہنری فورڈ نے امریکی شہر ڈیٹرائیٹ میں یورپی یہودیوں کے بارے میں تحقیق کے لیے ماہرین کو جمع کیا جن کو لاکھوں ڈالر فراہم کیے گئے۔ اس تحقیق کے نتیجے میں 1923ء میں "دی انٹرنیشنل جیو" کے عنوان سے نتائج شائع ہوئے جو چار جلدوں پر مشتمل تھے۔ ہنری فورڈ اس نتیجے پر پہنچے کہ خود کو یہودی کہنے والوں میں سے محض چند ہی بائبل میں مذکورہ یہودیوں (اسرائیلیوں) کی اولاد ہیں۔ فورڈ نے ثابت کیا کہ منتخب قوم کا لبادہ اوڑھ کر یہ لوگ ہر قسم کے جرائم کرتے ہیں۔ یہ تیزی سے امریکہ کا انتظامی اور سیاسی کنٹرول بھی حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

تحقیق بتاتی ہے کہ یہ یہودی دو نسلی گروہوں کی اولاد ہیں جو سفاراوی مشرقی اور اشکنازی کہلاتے ہیں سفاراوی صرف پانچ فی صد ہیں اور ان کی کل تعداد پچاس ہزار ہے۔ یہ سپین، ترکی اور مغربی یورپ کے یہودی ہیں جبکہ اشکنازی مشرقی یورپ کے خزار ہیں یہ 95 فیصد یا دو کروڑ ہیں جو جنوبی روس سے آئے ہیں۔

○

قرآن میں کیا ہے؟

گزشتہ باب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن میں جس جگہ یہود کا ذکر ہے وہاں مراد یہودی ہیں اور جس جگہ بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے وہاں بنی اسرائیل ہی مراد ہیں۔ آگے قرآن پاک سے جو کچھ دیا جا رہا ہے اس سے بات مزید واضح ہو جائے گی۔ قرآن میں یہود و نصاریٰ کو تو مشترکہ طور پر مخاطب کیا گیا ہے مگر یہود، اور بنی اسرائیل کا نام یا ذکر کسی جگہ بھی یکجا نہیں۔ یہود کا ذکر بنی اسرائیل کے مقابلے میں بہت کم آیا ہے۔ تاہم ہر جگہ ان کے بارے میں رویہ سخت ہے اور انہیں عذاب الٰہی کی خبر دی گئی ہے جبکہ بنی اسرائیل کے حوالے سے الفاظ نرم ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ انتباہ کے ساتھ ساتھ انہیں سمجھا بھی رہا ہے۔

یہود کا ذکر

سورۃ بقرہ میں پہلی بار یہود کا ذکر آیا ہے۔ اس سورۃ کی کئی ایک آیات میں ان کا تذکرہ ہے۔ سورۃ المائدہ میں چار مقامات پر یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک بار سورۃ توبہ میں نام لے کر یہودیوں کو پکارا گیا ہے۔ قرآن میں غالباً یہی وہ مقامات ہیں جہاں یہود کا نام لیا گیا ہے۔ کچھ اور مقامات پر بھی ذکر تو ہے مگر براہ راست ان سے مخاطب نہیں کیا گیا۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 111 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ...... ان کا کہنا ہے کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی خواہشات ہیں، ان سے کہو دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

آیت 113 کے مخاطب بھی یہودی اور عیسائی دونوں ہیں...... رب کریم نے فرمایا ہے کہ

یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں۔عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں۔ یہ جن اختلافات میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ قیامت کے روز کردے گا۔

آیت 120 میں بتایا گیا ہے کہ...... یہودی اور عیسائی ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔

سورۃ المائدہ میں آیت 18-51-64 اور 82 میں یہود کو تنبیہ کی گئی ہے۔آیت 18 میں یہود اور نصاریٰ کے اِس دعوے کا ذکر ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ رب رحمٰن نے فرمایا ہے کہ ان سے پوچھو پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے۔ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان پیدا کیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔

آیت 51 میں مولا کریم نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی انہیں اپنا رفیق بناتا ہے تو پھر اس کا شمار بھی انہی میں ہے۔یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کردیتا ہے۔

آیت 64 اس طرح سے ہے۔ یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں...... باندھے گئے ان کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر اس بکواس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں......اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں اور جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

آیت 82 میں فرمان ربی ہے......تم اہل ایمان کی عداوت میں یہود اور مشرکین کو سب سے زیادہ سخت پاؤ گے اور ایمان لانے والے کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار، عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 30 یہود سے متعلق ہے۔اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس دعوے کا ذکر ہے کہ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے سے پہلے کفر میں مبتلا ہونے والوں کی دیکھا دیکھی وہ اپنی زبان سے یہ بے حقیقت باتیں نکالتے ہیں۔ان پر خدا کی مار۔یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں۔انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔

بنی اسرائیل کا ذکر

بنی اسرائیل کا ذکر سورۃ البقرہ، آل عمران، المائدہ، الاعراف، یونس، بنی اسرائیل، طٰہٰ، الشعرا، السجدہ، الزخرف، الدخان اور الاحقاف وغیرہ میں ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 40 میں بنی اسرائیل کو وہ نصیحت یاد دلائی جارہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھی۔باری تعالیٰ ان سے کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو اور تمہارے ساتھ میرا جو عہد تھا وہ میں پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرو۔اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ میں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر ایمان لاؤ۔یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو تمہارے ساتھ پہلے سے موجود ہے لہٰذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ......آیت 83 میں بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یاد کرو، ہم نے اسرائیل کی اولاد سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا مگر تھوڑے سے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے...... اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔

واضح رہے کہ نبی کریمؐ کی دعوت پر جن بنی اسرائیلیوں نے ایمان کی دعوت قبول کی تھی ان کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہے۔باری تعالیٰ غالباً اسی تعداد کا ذکر کر رہا ہے۔

آگے البقرہ کی آیت 122 میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے رب کریم نے انہیں وہ نعمت یاد دلائی ہے جس سے انہیں نوازا گیا جبکہ انہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی گئی تھی تاہم انہیں اس دن سے ڈرنے کے لیے بھی کہا گیا ہے جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ کوئی سفارش کام نہیں دے گی اور مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد بھی نہیں پہنچ سکے گی۔ آیت 246 میں بنی اسرائیل کو وہ واقعہ یاد دلایا گیا ہے جب انہوں نے لڑنے کا وعدہ کیا مگر ایک قلیل تعداد کے سوا سب منہ پھیر گئے۔ اگلی آیت میں طالوت کی بادشاہت کا تذکرہ ہے۔ ان دونوں واقعات کا اگلے ابواب میں ذکر موجود ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت 93 میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے وہ ساری چیزیں حلال تھیں جو شریعت محمدیؐ کے مطابق حلال ہیں البتہ بنی اسرائیل نے نزول توراۃ سے پہلے خود پر کچھ چیزیں حرام کر لی تھیں جن کے بارے میں ان سے توراۃ سے ثبوت مانگا گیا ہے۔

المائدہ کی آیت 70 سے 72 تک بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا ذکر ہے۔ ان کی جانب رسول بھیجے گئے مگر انہوں نے کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔ سورۃ الاعراف میں بنی اسرائیل کو سمندر سے گزارنے اور پھر ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ سے اپنے لیے بھی ایک معبود بنا دینے کی خواہش کا بیان ہے۔ سورۃ یونس کی آیت 90 میں بھی بنی اسرائیل کو سمندر سے گزارنے کا ذکر ہے۔ اسی سورۃ کی آیت 93 میں رب کریم نے فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور انہیں نہایت عمدہ وسائل حیات عطا کیے پھر انہوں نے اس وقت تک باہم اختلاف نہیں کیا جبکہ ان کے پاس علم آ چکا تھا۔ یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 2 موسیٰ کو کتاب دینے اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ذریعہ ہدایت بنانے کا ذکر ہے مگر ساتھ ہی تاکید کر دی گئی ہے کہ میرے سوا کسی کو اپنا وکیل نہ بنانا۔ آیت 4 کے مطابق پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم پھیلاؤ گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آگے ان مواقع کا ذکر ہے۔

سورۃ الدخان کی آیت 30 میں فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو ہم نے سخت ذلت کے عذاب، فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں سے فی الواقع بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا۔ اگلی آیت میں انہیں دنیا کی دوسری اقوام پر ترجیح دینے کا ذکر ہے۔

اور بھی کئی ایک مقامات پر بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے تاہم یہاں محض مثالیں پیش کرنے کے لیے چند آیات کا ترجمہ یا مفہوم دیا گیا ہے تاکہ قاری کو اس سارے معاملے کا بہتر طور پر اندازہ ہو سکے۔



حصہ دوم

گریٹر اسرائیل

ارضِ موعود

ارض موعود......

PROMISED LAND

آج نہیں مگر ماضی میں یہودی اسے ہی گریٹر اسرائیل قرار دیتے تھے۔ آج ان کا نظریہ اس سے آگے یعنی تسخیر عالم سے

مگر یہ ارض موعود ہے کیا...... یہودیوں کے مطابق یہ وہ سرزمین ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا

لیکن یہ وعدہ کس نے کیا......؟

اسرائیلی یا یہودی روایات کے مطابق خدا نے یہ وعدہ حضرت ابراہیمؑ ...... بعد میں ان کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ ...... اور پھر ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ سے کیا جن کو اسرائیل کا نام دیا گیا ہے اور توریت کہتی ہے کہ یہ نام خود خدا نے دیا ہے۔

یہودی اسی بنا پر اسے مقدس سرزمین قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے بقول یہ عطیہ خداوندی ہے۔ بقول توریت خدا نے یہ وعدہ بارہ دفعہ کیا اور 55 بار اس کا اعادہ کیا۔ ان کا یہ دعویٰ توریت کے ابواب کی بنا پر ہے جس میں پیدائش، خروج اور پانچویں کتاب کے باب شامل ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ ساڑھے تین ہزار سال قبل کا وعدہ اگر خدا کا وعدہ ہے تو پھر یہ اب تک پورا کیوں نہیں ہوا......؟ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت سلمانؑ کے چالیس سالہ دور کے سوا یہودیوں کو کبھی اس سرزمین کی سرحدیں نہیں مل سکیں۔ اس

دور میں بھی یہ مکمل سرزمین ان کے قبضہ میں نہیں تھی۔ البتہ کچھ ایسے علاقوں پر بھی حضرت سلمانؑ کا قبضہ تھا جو ارض موعود کا حصہ نہیں تھے۔ یہ بحر مردار کے مشرق میں معاب، امون اور ایدم ہیں۔ یہ علاقے آج کل اردن میں شامل ہیں۔ دوسری جانب فلسطین میں شامل غزہ کا علاقہ بھی نہیں لیا گیا جو ارض موعود کا حصہ تھا۔

اگر یہی ارض موعود تھی تو اس سے پہلے صدیوں تک دربدر ہونے، جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکنے والے یہودیوں کو ایک بار پھر اسی مقدر کا شکار ہونا پڑا۔ توریت میں یہ بھی مرقوم ہے کہ ان کے ساتھ وعدہ مشروط تھا اور وہ شرط موسوی شریعت کو بروئے کار لانے کی تھی مگر یہ قوم نسل درنسل اس شرط سے روگردانی کرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی بعض کتب کے مطابق ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی بنا پر انہیں اس سرزمین سے محروم ہونا پڑا۔

آگے بڑھنے سے پہلے اس ارض موعود اور اس کے حکمرانوں کا مختصر ساذکر ہو جائے۔ یہ سرزمین کنعان تھی جس کے یہودی دعویدار رہے ہیں اور اب تک ہیں۔ قبل مسیح کا کنعان کوئی غریب ملک نہیں تھا۔ یہاں کے لوگ کھاتے پیتے تھے۔ یہاں غلہ، شہد، شراب اور روغن کا کاروبار ہوتا تھا۔ یہ ملک ان اشیا کا بڑا برآمد کنندہ تھا۔ جغرافیائی طور پر بھی اس کی اہمیت مسلم تھی۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ یہ ایشیا اور افریقہ کے سنگم پر تھا۔ یہ ملک تہذیبوں کا گہوارہ بھی تھا۔ یہ لوگ ہمسایہ ممالک شام، مصر، میسوپوٹیمیا اور فونیقیا کی تہذیبوں کو بھی خود میں سموئے ہوئے ہیں۔ موخرالذکر دونوں ممالک کا آج وجود نہیں۔ یہ اس دور کی طاقتیں تھیں۔ کنعان میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی بلکہ زیادہ تر شہری حکومتیں ہی نظام چلا رہی تھیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد کے قریباً اڑھائی ہزار سال قبل تک اس کا کوئی بھی شہر موجود نہ رہا۔ جس کی وجہ خانہ جنگیاں تھیں۔ ان میں بہت زیادہ قتل وغارت ہوئی اور لوگ تنگ آکر خود ہی شہر چھوڑ گئے۔ صرف شام ایسا ملک تھا جو شہروں کی تخریب سے متاثر نہ ہوا۔ تاہم پرانے شہر زیادہ عرصہ تک ویران نہ رہے اور دو ہزار سال قبل مسیح تک یہ پھر سے آباد ہو چکے تھے۔ تاہم ہر شہر کی اپنی انفرادیت تھی اور ان کے آپس میں بھی کوئی خاص تعلقات نہیں تھے۔

19 ویں سے 12 ویں صدی قبل مسیح کے دوران یہ علاقے مصر کے اقتصادی تسلط میں آگئے کیونکہ مصریوں نے شام تک اپنا اثر بڑھا لیا تھا اور یہ علاقے بھی اسی میں آتے تھے۔ فرعون اکثر کنعانیوں پر یلغار کرتے رہتے تھے لیکن اس کا مقصد علاقوں پر قبضہ نہیں بلکہ اقتصادی بالادستی کا حصول تھا۔ تاہم کنعانیوں کو ''غلام'' بنانے کے لیے ان کی خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی۔ 12 ویں صدی کے بعد مصر کی اقتصادی بالادستی بھی برقرار نہ رہ سکی۔ ہمسایہ میسوپوٹیمیا میں طاعون اور قحط پھیل گیا۔ یہ ریاست ختم ہو گئی اور ایک نئی فلسطینی ریاست وجود میں آگئی۔ ان کی پانچ شہری ریاستیں اسقلون، اشدود، عقران، جات اور غزہ کنعانیوں پر حکمرانی کر رہی تھیں۔ انہوں نے مصر پر بھی حملہ کر دیا مگر ''غلامی'' ان کا مقدر ٹھہری۔

گیارہویں صدی قبل مسیح کنعان کے لیے ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ اس کو اسرائیل کی بادشاہت کا سامنا کرنا پڑا جو بڑی ہی نہیں آج کی طرح اس وقت بھی جارح طاقت تھی۔ اور اسی طاقت کی وجہ سے علاقے کا مقدر بدل گیا۔

اسرائیلی دراصل میسوپوٹیمیا کے باشندے تھے۔ جو آ کر کنعان میں آباد ہو گئے لیکن قحط برداشت نہ کر سکے جو 17 ویں اور 18 ویں صدی قبل مسیح کے وسط کا واقعہ تھا۔ چنانچہ ان کے بارہ قبیلوں نے یہاں سے کوچ کیا اور مصر چلے گئے۔ جہاں انہوں نے پہلے پہل تو خوشحالی دیکھی اور آخر کار مصریوں یا قبطیوں کے غلام بن گئے۔ ان کی یہ غلامی چار صدیاں برقرار رہی۔ آخر کار 12 ویں صدی قبل مسیح کے وسط میں حضرت موسیٰؑ انہیں مصر سے نکال لائے۔ یہ بارہ قبیلے وہی ہیں جو حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کے نام سے تھے۔

ان کے قول کے مطابق خدا نے انہیں ارض موعود میں لے جانا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل اپنی مسلسل نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی بنا پر صحرائے سینا میں پھنس کر رہ گئے۔ سرسبز و شاداب ارض موعود ان کا خواب ہی رہا۔

ارض موعود کا وعدہ حضرت موسیٰؑ سے بھی تھا۔ لیکن مصر سے نکلنے کے بعد ان کے ساتھیوں کا رویہ انتہائی مایوس کن تھا لہٰذا وہ بھی اپنی باقی زندگی آرام و سکون سے نہ گزار سکے جبکہ انہیں کوئی

سلطنت بھی یسر نہ ہوئی۔ ان کی قوم یعنی یہودی یا بنی اسرائیل بھی در بدر رہے۔ جنگلوں، بیابانوں، ویرانوں اور صحراؤں میں انہوں نے چالیس برس گذارے۔ سوال یہ ہے کہ ارض موعود اگر اللہ کا وعدہ تھا تو پھر یہ کیوں پورا نہ ہوسکا......؟ اس کا جواب یہودی ہی بہتر انداز میں دے سکتے ہیں کہ صدیوں قبل کیا گیا وعدہ ابھی تک کیوں پورا نہیں ہوا......؟ ایسا لگتا ہے کہ یہ وعدہ ہی خودساختہ ہے......خدا تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے بعد ان کے ایک کمانڈر جوشوا (یشوع) نے کوشش کی اور اسرائیلیوں کو لیکر خدا کے نام اور تلوار کے زور پر یلغار کی۔ مگر وہ بھی پورے کنعان کو تسخیر نہ کر سکے۔ انہوں نے جو علاقہ فتح کیا اسے یہودیوں کے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ بارہ سو قبل مسیح میں ہونے والی ان جنگوں میں بقول انجیل زبردست خونریزی ہوئی اور جہاں تک ہوسکا مزاحمت کرنے والوں کو تلوار کی دھار پر رکھ دیا گیا۔ مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کے وقت بنیامین اور یہوداہ کو جو علاقے ملے ان میں بھی ایک شہر ایسا تھا جس پر قبضہ نہیں کیا جاسکا اور یہ شہر یروشلم یا بیت المقدس تھا۔ اس شہر پر یبوسیوں کی حکومت تھی۔ اگر توریت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اسے دشمن شہر قرار دیا گیا ہے جو بعد میں مقدس مذہبی شہر بن گیا۔

حضرت داؤدؑ کا زمانہ آتا ہے تو دوسری جانب ایک یہودی حکمران ساؤل کا نام بھی آتا ہے۔ ان دونوں حکمرانوں کی آپس میں نہ بن سکی اس زمانے میں فلسطین کے ساتھ برسرپیکار ساؤل کو اپنی ہی قوم کی آپس کی ریشہ دوانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت داؤد کے بعد حضرت سلمانؑ کا زمانہ تھا۔ یہی وہ دور ہے جو یہودیوں کے لیے سنہری تھا اور ارض موعود کے بارے میں ان کا یہ خواب کافی حد تک پورا ہو گیا۔

حضرت سلمانؑ کے بعد ان کے بیٹے نے حکمرانی سنبھالی مگر ان کی نااہلی نے پوری سلطنت کو ہی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ جبکہ خود بارہ یہودی قبیلوں کی حالت بھی ایک دوسرا مسئلہ تھا کیونکہ ان میں صرف دو قبیلے توحید پرست رہ سکے اور باقی دس نے پھر سے بت پرستی کو اپنا لیا۔ اس صورتحال میں خدا ان سے کیسے خوش ہوسکتا تھا اور انہیں کیسے پسندیدہ قوم قرار دے

سکتا تھا۔ ان کی نافرمانیاں ہی تھیں جن کی بنا پر وہ غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اور اس میں نمایاں عرصہ قبطیوں یا مصریوں کی غلامی کا تھا۔ یہ لوگ فرعونوں کے دیس میں مشقت اور بیگار کاٹتے رہے اور کہیں چار سو سال بعد حضرت موسیٰؑ انہیں مصر سے نکال کر لے گئے تو ان کا عرصہ غلامی ختم ہوا۔ لیکن اس کے بعد دوسری قسم کے مسائل اور مصائب ان کے منتظر تھے جس کی ذمہ دار یہ قوم خود تھی...... ان کی آپس کی لڑائیوں کے علاوہ انہوں نے اپنے ان محسنوں کو بھی نہ بخشا جنہوں نے اس ''مظلوم'' قوم کو پناہ دی۔

یہودیوں کی ساری پریشانیوں کی وجہ اس عہد سے روگردانی ہے جو انہوں نے خدا سے کیا تھا۔ دوسری جانب ان کی بداعمالیاں اور ریشہ دوانیاں بھی ان کے آڑے آتی رہیں۔ بزعم خود خدا کی یہ پسندیدہ قوم ہمیشہ خدا کے غضب کا شکار رہی اور آج تک ہے۔ لہٰذا ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں ارض موعود کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا جسے ان دنوں انہوں نے گریٹر اسرائیل کا نام دیدیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ ارض موعود ہے کہاں اور اس کی سرحدیں کون سی ہیں......؟

ارض موعود دراصل کنعان کی سرزمین ہے۔ 3500 سال قبل یہاں کنعانی آباد تھے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق اس علاقہ کا حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور بعد کے کچھ انبیاءؑ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ توریت میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کا جائزہ لیں تو یہ حدیں اس طرح سے بنتی ہیں:

بحیرہ احمر میں ایلات سے بحیرہ روم تک۔ بحیرہ روم ان دنوں کئی ناموں سے جانا جاتا تھا۔ توریت میں اسے بحر اعظم کہا گیا ہے جبکہ یہی غربی سمندر اور بحر فلسطین بھی تھا۔

جنوبی لائن میں دریائے مصر یا وادی مصر سے لبنان اور شام کے ذریعے شمال میں دریائے فرات تک پھر اسی سمت میں جولان کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ، جن کے دامن میں بحر گلیلی ہے جو دمشق سے آگے ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ دریائے مصر، دریائے نیل نہیں ہے بلکہ یہ دونوں مختلف دریا ہیں اور مصر کا دارالحکومت قاہرہ بھی انہی حدوں کے اندر آجاتا

ہے۔شاید یہی وجہ رہی ہو کہ حال ہی میں مصری حکومت نے دارالحکومت کی تبدیلی کا فیصلہ کیا ہےاوراس مقصد کے لیے ایک نیا شہر بسانے کا اعلان کیا ہے۔عین ممکن ہے کہ مصر کی حکومت اسرائیلی دعوؤں پر یقین کیے بیٹھی ہو۔

جولان کے جنوب میں دریائے اردن کا مشرقی کنارہ بھی ارض موعود کا حصہ ہے۔یہ دریا لبنان کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔یہاں سے یہ بحر گلیلی تک جاتا ہےاور پھر سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے بحر مردار میں جا گرتا ہے۔

توریت میں بہت سے ایسے علاقوں کے نام بھی شامل ہیں جن کے بارے میں آج کے دور میں کوئی آگاہی نہیں۔ان کے متعلق خدا ہی بہتر جانتا ہےلیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل آج تک مکمل ارض موعود حاصل نہیں کرسکااور نہ کرسکے گا۔توریت میں اس سرزمین کے علاقوں کا کئی جگہ ذکر ہےمگر ہر جگہ یہ ذکر ایک سانہیں۔اس میں بعض جگہ کچھ ردوبدل بھی موجود ہے۔

جہاں تک اس سرزمین کی بیان کی گئی حدود یا سرحدوں کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ ارض موعود بحیرہ احمر کے قریب ایلات سے شروع ہوتی ہےاور یہ اس کی جنوبی سرحد ہے جو غزہ کے جنوب میں بحیرہ روم تک جاتی ہے۔وہاں سے ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ شمال میں لبنانی علاقہ صدوم تک اس کی مغربی سرحد ہے۔شمال میں دریائے فرات کو شمالی سرحد اور دریائے اردن کے ساتھ ساتھ مشرقی سرحد قرار دی گئی ہے۔اس کی حدود میں وہ فلسطینی علاقہ بھی شامل ہے جو مغربی کنارے کے نام سے جانا جاتا ہے۔یہ علاقے جودیہ، اسمارہ اور غزہ ہیں۔

اگر خدا کا کوئی وعدہ تھا تو وہ کب کا ختم ہو چکا کیونکہ یہودیوں نے اس وعدے کی تکمیل کی شرط کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی...... یہ قوم ابھی تک اس خوش فہمی میں ہے کہ وعدۂ خداوندی برقرار ہےاور انہیں مذکورہ سرزمین یا سلطنت مل جائے گی۔اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں یہ سلطنت دیدی تھی مگر یہ نااہل ثابت ہوئے لہٰذا ان سے ملک چھین لیا گیا تاہم وہ اسے درخود اعتنا سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔اسی لیے وہ دنیا بھر سے یہودیوں کو اسرائیل لارہے ہیں۔انہوں نے ایک باقاعدہ محکمہ یا ادارہ قائم کررکھا ہے جو مختلف

ممالک کے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد ہونے کی ترغیب دیتا ہے اور انہیں سہولتیں بھی پیش کرتا ہے۔ اب تک لاکھوں یہودی لائے جا چکے ہیں جن کی آبادکاری کے لیے نئی بستیاں بسائی جا رہی ہیں۔ اس مقصد کے لیے مظلوم فلسطینیوں کی املاک اور زمین کو ہتھیایا جا رہا ہے۔ اسرائیلی رہنما بار بار کہتے ہیں کہ وہ یہ سلطنت حاصل کر لیں گے۔ اور اس پوری سرزمین میں داخل ہو جائیں گے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ دیکھتے ہیں یہ راندہ درگاہ قوم ابھی مزید کتنی صدیاں اس آس اور امید میں زندہ رہتی ہیں۔



انجیل کیا کہتی ہے؟

یہ تو تھی تاریخ اور دعوؤں کی بات......
یہ ساری بنیاد انجیل پر رکھی گئی ہے
لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ انجیل کیا کہتی ہے......؟

انجیل کے کئی ایک ابواب میں اس ''ارض موعود'' کا نام ہے۔ کہیں واضح کہیں اشارتاً اور کہیں یقین دہانیوں کی صورت میں۔ یہ سب کچھ اگر دینا چاہیں تو ہمیں اپنی تنگی دامان کا احساس ہے لہٰذا یہاں صرف دو تین ابواب کا ذکر کیا جا رہا ہے اور وہی کافی ہے۔ باقی سب اسی کی تکرار ہے۔

یہودی بنیادی طور پر عہد نامہ عتیق یعنی توریت کے تین ابواب کا ذکر کرتے ہیں، یہ تینوں ابواب پیدائش، خروج اور حزقیل ہیں کہ ان ابواب میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے وارثوں کو ایک وسیع سرزمین دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وقت انجیل ہمارے سامنے ہے لہٰذا دیکھ لیتے ہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

کتاب پیدائش کے 15 ویں باب میں لکھا گیا ہے:

☆ ابرام نے کہا اے خداوند۔ تو مجھ کو کیا دے گا؟ حالانکہ میں بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار الیعازر دمشقی ہے۔ ابرام نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا۔ اور دیکھ میرا خانہ زاد نوکر میرا وارث ہوگا......اور دیکھو خداوند اس سے ہمکلام ہوا اور کہا وہ تیرا وارث نہ ہوگا مگر جو تیری صلب

سے پیدا ہوگا۔ وہی تیرا وارث ہوگا۔ پھر وہ اس کو باہر لے گیا اور کہا کہ آسمان کی طرف نگاہ کر اور ستاروں کو گن، اگر تو انہیں گن سکے اور کہا کہ تیری اولاد ایسی ہی ہوگی اور ابرام خداوند پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیے راستی محسوب ہوا۔ تب اس نے کہا کہ میں خداوند ہوں جو تجھے کلدانیوں کی اور سے نکال لایا کہ تجھ کو یہ زمین میراث میں دوں اور اس نے کہا کہ اے خداوند! میں کیسے جانوں کہ میں اس کا وارث ہوں گا۔

آگے خداوند کے جواب میں ایک تمثیل بیان کی گئی ہے۔ آگے ابرام کا رویا یعنی خواب کے عنوان کے تحت پھر یہی معاملہ درپیش ہے۔ اسے اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

☆ اور جب آفتاب غروب ہونے لگا تو ابرام کو گہری نیند آئی اور بڑی ہولناک تاریکی اس پر چھا گئی اور اس کو کہا گیا کہ یقین جان لے تیری اولاد ایک غیر ملک میں پردیسی ہوگی اور وہ وہاں کے لوگوں کی غلام بنے گی اور وہ چار سو برس تک اس کو دکھ دیں گے۔ پھر میں اس قوم کی عدالت کروں گا جس کی وہ غلام ہوگی اور بعد اس کے وہ بڑی دولت لیکر نکلیں گے اور بڑی سلامتی سے اپنے باپ دادا میں جا ملے گا اور اچھی بوڑھی عمر میں گاڑا جائے گا مگر چوتھی پشت میں وہ پھر یہاں آئیں گے کیونکہ اموریوں کے گناہ ابھی پورے نہیں ہوئے اور جب سورج ڈوبا اور اندھیرا ہوگیا تو دیکھو۔ ایک تنور جس سے دھواں اٹھتا تھا اور ایک جلتی مشعل ان ٹکڑوں (تمثیل میں بیان کیے گئے ہیں) کے بیچ میں سے گزری اور اسی دن خدا نے ابرام سے عہد کر کے کہا کہ میں تیری اولاد کو یہ زمین دوں گا۔

مصر کے دریا سے لیکر بڑے دریا فرات تک۔ قینی اور قنیزی اور قدمونی اور حتی اور فرزی اور رفائی اور اموری اور کنعانی اور جرجاشی اور یبوسی بھی۔

باب 35 میں حضرت یعقوبؑ سے وعدے کیے جا رہے ہیں۔

☆ خدا نے اس سے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے پر آگے کو تیرا نام یعقوب نہ ہوگا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا۔ پھر خدا نے اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو برومند ہو اور بہت ہو جا۔ قوم بلکہ قوموں کے گروہ تجھ سے پیدا ہوں گے اور بادشاہ تیری صلب سے نکلیں گے۔ اور جو سرزمین میں نے ابراہیم اور اسحاق کو دی سو میں تجھے دوں گا اور تیرے بعد تیری نسل کو بھی یہی ملک دوں گا۔ تب خدا اس کے پاس سے اوپر چلا گیا اور یعقوب نے اس جگہ جہاں خدا اس سے ہمکلام ہوا تھا۔ پتھر کا ایک ستون یادگار کھڑا کر دیا۔ اور اس پر پتاون اور تیل ڈالا۔ یعقوب نے اس جگہ کا نام جہاں خدا اس سے ہمکلام ہوا تھا بیت ایل رکھا۔

آگے حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کا ذکر ہے جن کو بقول توریت ارض موعود ملنا تھی۔

☆ اور یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔ لیاہ کے بیٹے راؤبین یعقوب کا پہلوٹھا اور شمعون اور لادی اور یہودہ اور یشاکر۔ اور راخیل کے بیٹے یوسف اور بینامین اور راخیل کی لونڈی بلہہ کے بیٹے دان اور نفتالی۔ اور لیاہ کی لونڈی زلفہ کے بیٹے جاد اور آشیر۔ یعقوب کے بیٹے جو فدان ارام میں پیدا ہوئے یہی ہیں۔

حزقیال کے باب 47 اور 48 میں اس سرزمین اور اس کی تقسیم کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے باب 47 میں کچھ دوسری باتوں کے بعد لکھا گیا ہے:

مالک خداوند یوں فرماتا ہے یہ وہ سرحد ہے جس کے مطابق تم یوسف کو دو حصے دے کر اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے ملک کو میراث کے طور پر تقسیم کرو گے۔ اور تم اسے جس کی

بابت میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا کہ تمہارے باپ دادا کو دے دوں گا۔ یکساں میراث میں پاؤ گے۔ یہ ملک تمہاری میراث ہوگا۔

ملک کی حدود یہ ہیں۔ شمال کی طرف بحیرۂ اعظم سے لیکر حتلون سے ہوتی ہوئی حمات کے مدخل تک۔ صداد اور بیروتہ اور سبرائم سے (جو دمشق اور حمات کے علاقوں کے مابین ہے) حصر عینون تک (جو حوران کے علاقے کا ہے)۔ یوں سرحد سمندر سے حصر عینون تک ہوگی۔ دمشق اور حمات کی حدود شمال کی طرف۔ شمالی جانب یہی ہے۔

شرقی جانب۔ حصر عینون سے لے کر (حوران اور دمشق کے مابین) جلعاد اور اسرائیل کی سرزمین کے درمیان بحیرۂ شرق اور تامار تک اردن سرحد ہوگا۔ شرقی جانب یہی ہے۔

اور جنوب میں نجبہ کی طرف تامار سے لے کر مریبہ قادیش کے چشمے تک اور مصر کی وادی سے ہوتی ہوئی بحیرۂ اعظم تک نجبہ کی طرف جنوبی جانب یہی ہے۔

اور اسی سرحد سے لے کر حمات کے مدخل تک بحیرۂ اعظم مغربی سرحد ہوگا۔ غربی جانب یہی ہے۔

ذیل کے طریقے سے تم اسرائیل کے قبائل کے مطابق ملک کو بانٹ لو گے۔ اور تم اپنے لیے اور ان پردیسیوں کے لیے جو تمہارے درمیان بستے ہیں اور جن کی اولاد تمہارے درمیان پیدا ہوئی اس قرعہ سے تقسیم کرو گے تو وہ تمہارے لیے بنی اسرائیل میں وطنیوں کی مانند ہوں گے اور اسرائیل کے قبائل کے درمیان ان کی میراث تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور جس جس قبیلے میں کوئی پردیسی بستا ہوگا تم اسی میں اسے میراث دو گے (مالک خداوند کا فرمان یونہی ہے)۔

آگے باب 48 میں حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں اور دیگر میں میراث کی تقسیم کی تفصیل دی گئی ہے جو اس طرح ہے:

☆ اور قبائل کے نام یہی ہیں۔ انتہائی شمال پر حتلون کے رستے کے ساتھ ساتھ حمات کے مدخل سے ہوتے ہوئے حصر عینون تک (جس کے شمال میں دمشق اور حمات کے علاقے ہیں) شرق سے غرب تک دان

کے لیے ایک حصہ۔ اور دانؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک آشیرؔ کے لیے ایک حصہ اور آشیرؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک نفتالیؔ کے لیے ایک حصہ اور نفتالیؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک منسّیؔ کے لیے ایک حصہ اور منسّیؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک افرائیمؔ کے لیے ایک حصہ اور افرائیمؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرتک روبینؔ کے لیے ایک حصہ اور روبینؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک یہوداؔہ کے لیے ایک حصہ۔

اور یہودہ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک نذر کا وہ حصہ ہوگا جو تم وقف کرو گے۔ اس کا عرض پچیس ہزار اور طول شرق سے غرب تک باقی حصوں میں سے ایک کے برابر ہوگا۔ اور مقدس اس کے وسط میں ہوگا اور نذر کا وہ حصہ جو تم خداوند کے لیے وقف کرو گے۔ پچیس ہزار لمبا اور بیس ہزار چوڑا ہوگا۔ اس میں کاہنوں کے لیے مقدس نذر کا حصہ ہوگا۔ شمالاً پچیس ہزار لمبا۔ غرباً دس ہزار چوڑا۔ شرقاً دس ہزار چوڑا۔ اور جنوباً پچیس ہزار لمبا اور خداوند کا مقدس اس کے وسط میں ہوگا اور یہ بنی صادوقؔ میں سے ان مخصوص شدہ کاہنوں کے لیے ہوگا جو میری خدمت میں قائم رہے اور لاویوں کی طرح بنی اسرائیلؔ کی برگشتگی کے وقت گمراہ نہ ہوئے۔ اور ملک کی نذر میں سے لاویوں کے علاقے سے ملحق یہ ان کے لیے نذر کا حصہ ہوگا جو نہایت مقدس ٹھہرے گا۔ اور کاہنوں کے علاقے سے متصل لاویوں کا حصہ ہوگا۔ طول میں پچیس ہزار اور عرض میں دس ہزار کل لمبائی پچیس ہزار اور چوڑائی بیس ہزار ہوگی۔ اور وہ اس میں سے کچھ نہ بیچیں گے اور نہ تبدیل کریں گے اور زمین کے پہلے پھل انتقال نہیں کیے جائیں گے۔ کیونکہ وہ خداوند کے لیے مخصوص ہیں۔

اور باقی کا پانچ ہزار چوڑا جو پچیس ہزار طول میں سے رہا۔ وہ انواح شہر اور شاملات کے لیے عام جگہ ہوگا اور شہر اس کے وسط میں ہوگا۔ اور اس کے ناپ یہ ہیں شمال کی طرف چار ہزار پانچ سو۔ جنوب کی طرف چار ہزار پانچ سو۔ مشرق کی طرف چار ہزار پانچ سو اور مغرب کی طرف چار ہزار پانچ سو اور شہر کی نواحی شمال کی طرف دو سو پچاس اور جنوب کی طرف دو سو پچاس اور مشرق کی طرف دو سو پچاس اور مغرب کی طرف دو سو پچاس ہوگی اور طول میں سے باقی جو مقدس نذر کے حصے کے مقابل ہے یعنی دس ہزار مشرق کی طرف اور دس ہزار مغرب کی طرف۔ اس کا پھل شہر کے باشندوں کی خوراک ہوگا۔ اور شہر کے باشندے جو اس میں رہیں گے اسرائیل کے تمام قبائل میں سے ہوں گے۔

نذر کا پورا حصہ پچیس ہزار لمبا اور پچیس ہزار چوڑا مربع ہوگا۔ تم اسے مقدس نذر اور شہر کی ملکیت کے طور پر وقف کرو گے۔ جو باقی رہا وہ رئیس کا ہوگا۔ اور مقدس نذر کے حصے اور شہر کی ملکیت کی دونوں طرف نذر کے حصے کے پچیس ہزار کے مقابلے شرق کی طرف اور پچیس ہزار غرب کی طرف کا وہ علاقہ جو قبائل کے علاقوں سے متصل ہے وہ رئیس کا ہوگا۔ جس علاقے کی ایک طرف لاویوں اور شہر کی ملکیتیں ہیں (جو رئیس کے علاقے کے درمیان ہے) اور دوسری طرف یہوداہ اور بنیامین کے علاقے ہیں۔ وہ رئیس کا ہوگا۔

اب باقی قبائل کی بابت۔ شرق سے غرب تک بنیامین کے لیے ایک حصہ۔ اور بنیامین کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک شمعون کے لیے ایک حصہ اور شمعون کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک یساکر کے لیے ایک حصہ اور یساکر کے علاقے کے پاس شرق سے غرب

تک زبلونؔ کے لیے ایک حصہ اور زبلونؔ کے علاقے کے پاس شرق سے غرب تک جادؔ کے لیے ایک حصہ اور نجبہؔ کی طرف جنوبی سرحد جاد کے علاقے سے ملحق ہے۔ یہ تامارؔ سے لے کر مریبہؔ قادیش کے چشمے تک اور مصرؔ کی وادی سے ہوتی ہوئی بحیرۂ اعظم تک ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جس کو تم اسرائیل کے قبائل کے لیے میراث کے طور پر بانٹ لو گے اور یہ ان کے حصے ہیں۔ (مالک خداوند کا فرمان یونہی ہے)۔

اور شہر کے مخارج یہ ہیں۔ شمال کی طرف کی پیمائش ساڑھے چار ہزار (شہر کے پھاٹک اسرائیلؔ کے قبائل سے نامزد ہوں گے) تین پھاٹک شمال کی طرف یعنی روبینؔ کا پھاٹک اور یہودہؔ کا پھاٹک اور لاویؔ کا پھاٹک اور مشرق کی طرف کی پیمائش ساڑھے چار ہزار اور تین پھاٹک یعنی یوسفؔ کا پھاٹک اور بنیامینؔ کا پھاٹک اور دانؔ کا پھاٹک اور جنوب کی طرف کی پیمائش ساڑھے چار ہزار اور تین پھاٹک یعنی شمعونؔ کا پھاٹک اور یساکر کا پھاٹک اور زبلونؔ کا پھاٹک اور مغرب کی طرف کی پیمائش ساڑھے چار ہزار اور تین پھاٹک یعنی جادؔ کا پھاٹک اور آشیر کا پھاٹک اور نفتالیؔ کا پھاٹک اور اس کا کل محیط اٹھارہ ہزار۔

اور اسی دن سے شہر کا نام یہ ہو گا کہ خداوند وہاں ہے۔"

○

توراۃ اور انجیل کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت اور راستی کی راہ دکھانے کے لیے سوا لاکھ کے قریب نبی، پیغمبر اور رسول اس دنیا میں بھیجے۔ بزرگانِ دین کی روایت ایک لاکھ چوبیس ہزار اور انجیل کے مطابق انبیاء کرامؑ کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔ جن میں سے تین سو سے کچھ زائد رسول تھے اور انہی رسولوں کو صحائف اور کتب عطا کی گئیں جن میں اللہ تعالیٰ کے احکامات موجود تھے۔ روایات ہیں کہ ان کی تعداد ایک سو سے زائد ہے جن میں چار بڑی کتابیں جبکہ باقی چھوٹی کتب یا صحائف ہیں۔ چار بڑی کتابوں میں باری تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو شریعت عطا کی ہے تاکہ وہ اسے امت پر نافذ کر سکیں۔ تین کتب محدود علاقے اور محدود لوگوں کے لیے تھی لیکن نبی کریمؐ جو شریعت لے کر آئے وہ جزیرہ نما عرب کے لیے ہی نہیں بنی نوع انسان بلکہ پوری کائنات کے لیے اور زمان و مکان کی قیود سے بالاتر تھی۔ یعنی قرآن نے امت محمدیہؐ کو جو شریعت عطا کی وہ ہر مقام اور ہر انسان کے لیے نافذ کی گئی اور اس کے بعد تمام سابقہ شریعتیں منسوخ قرار پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے مذکورہ تمام کتب اور صحائف میں سے کسی کی نہیں صرف قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”ہم ہی اسے نازل کرتے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔“

صرف قرآن ہی نہیں مولا کائنات نے صاحبِ قرآن کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ اس فرمانِ ربی سے پہلے صحابہ کرامؓ مسجد نبویؐ میں رسول اللہ کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا کرتے تھے۔ یہ حکم آنے پر انہوں نے پہرے اور حفاظت کی بجا آوری ترک کر دی کیونکہ اب تو روئے

زمین پر کسی طرف سے کسی خطرے کا ذرہ بھر امکان نہیں تھا۔ حفاظت کا یہ سلسلہ حیات نبویؐ میں ہی نہیں اس کے بعد بھی جاری رہا۔ جس طرح آپؐ کی نبوت اور شریعت رہتی دنیا تک ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن اور حامل قرآن کی حفاظت کا معاملہ بھی تا ابد ہے۔ اس طرح یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں روضہ رسولؐ کو نقصان پہنچانے کی تمام کوششیں نا کام و نامراد ہو گئیں اور اسی قسم کی سازش کرنے والوں کو بدترین انجام سے دو چار ہونا پڑا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کی پانچ سازشوں کا ذکر ملتا ہے جبکہ چھٹی سازش تو عصر حاضر میں ہی ہماری آنکھوں کے ساتھ نا کام ہوئی۔ یہ سازش 2016ء میں ہوئی لیکن تمام سازشی روضہ پاک یا مسجد نبویؐ تک پہنچے سے پہلے ہی جہنم واصل ہو گئے...... آخر ایسا کیوں نہ ہوتا۔ مولا کریم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اللہ کا یہ وعدہ ہی ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت اور شکل میں موجود ہے جبکہ باقی کتب یا تو اپنا وجود کھو چکی ہیں اور جو موجود بھی ہیں وہ اپنی اصلی حالت میں نہیں ملیں گی۔

آگے بڑھنے سے قبل یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

عالم اسلام کی ممتاز شخصیت ڈاکٹر حمید اللہ خان (مرحوم) نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں 1400ھ میں کچھ لیکچر دیئے۔ پہلا لیکچر ''تاریخ قرآن مجید'' پر تھا جس کے اختتام پر وہ بتاتے ہیں کہ کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے جرمنی میں عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں آرامی زبان میں جو انجیل تھی، وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی ہی سے ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ یونانی زبان میں انجیل کے جتنے نسخے دنیا میں پائے جاتے تھے وہ کامل ہوں کہ جزوی، ان سب کو جمع کیا گیا اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ (COLLATION) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے لفظ یہ ہیں ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں، اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے کہ ان میں سے 1/8 اہم ہیں۔

یہ ہے انجیل کا قصہ۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ غالباً رپورٹ کے بعد کچھ

لوگوں کو قرآن کے بارے میں حسد پیدا ہوا۔ جرمنی ہی میں میونک یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ۔'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر، فوٹو لیکر، جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ جب میں 1933ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریسٹل (PRETZL) پیرس آیا تا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں، اس کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے مجھ سے شخصاً بیان کیا کہ اس وقت (یہ 1933ء کی بات ہے) ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت میں اس کا کتب خانہ اور عملہ، سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے سے پہلے ہی ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافات روایات ایک بھی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہو گی وہ دوسرے نسخوں میں نہیں ہو گی۔

تو قارئین آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی تھی، اسے کس طرح پورا کیا ہے۔

صحیفے یا کتاب نازل ہونے کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے نبی کریمؐ تک چلا ہے اور صرف آخری کتاب یعنی قرآن مجید ہی موجود و محفوظ ہے۔ باقی رسولوں کی کتب یا صحیفے موجود نہیں اور اگر موجود ہیں تو اصلی شکل میں نہیں۔ یہی حال انجیل کا ہے۔ انجیل دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(1) عہد نامہ عتیق OLD TESTAMENT اسے خمسہ موسیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

(2) عہد نامہ جدید NEW TESTAMENT

عہد نامہ عتیق توراۃ اور عہد نامہ جدید انجیل پر مشتمل ہے۔ یہاں ہم ان دونوں ''الہامی''

کتب کی صحت کا جائزہ لیتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے......؟ اور یہ کتابیں واقعی اپنی اصلی حیثیت میں موجود بھی ہیں یا نہیں......؟

انجیل سے پہلے نازل ہونے والی کتاب توراۃ ہے۔ انجیل کی ابتدائی پانچ کتب توراۃ پر مبنی ہیں۔ ان پانچوں میں ارض موعود اور اس کی تلاش پر بہت زور دیا گیا ہے۔ توراۃ کے معنی ''قانون'' یا شریعت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل کتاب نہیں بلکہ اصل کتاب کا ایک حصہ ہے۔ تاہم یہ بھی بحث طلب ہے۔ توراۃ کی ان پانچوں کتابوں میں ایک پیدائش اور دوسری ''خروج'' ہے جو بنیادی طور پر یہودیوں کے اس دور کے حالات پر مشتمل ہے جو سینکڑوں سالہ غلامی کے بعد مصر سے نکلنے پر پیش آئے۔ تیسری کتاب کو ''قانون'' جبکہ چوتھی کو ''اعداد وشمار'' قرار دیا گیا ہے۔ اس نام کی وجہ حضرت موسیٰ کا وہ حکم تھا کہ تمام یہودی قبیلوں کی علیحدہ علیحدہ مردم شماری کی جائے۔ اس میں چالیس برس میں پیش آنے والے بعض واقعات بھی ہیں۔ پانچویں کتاب میں چونکہ انہی چار کتب کو دہرایا گیا ہے لہٰذا اس کا نام ''شینہ'' رکھا گیا۔ اس میں شرع کی کتاب میں قوانین کی تشریح اور انہیں موجودہ حالات کے مطابق ڈھالنا جبکہ یہ قوانین کا اختصار وتجدید بھی ہے۔

پانچویں کتاب کا قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے دنیا سے رخصت ہونے کے چھ سو سال بعد ایک شخص بادشاہ کے پاس کتاب لایا اور بتایا کہ یہ مجھے ایک غار سے ملی ہے۔ بادشاہ نے اسے نبوت کی دعویدار ایک عورت کے حوالے کر دیا۔ ہلڈا نام کی اس عورت نے فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ حضرت موسیٰ کی کتاب ہے۔ ان کتابوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آٹھویں صدی قبل مسیح میں منظر عام پر آئیں۔ لیکن بعد کی تحقیق اس دعوے پر پوری طرح یقین نہیں رکھتی۔ یہ تحقیق کہتی ہے کہ یہ چھٹی صدی قبل مسیح کی تحریر کردہ ہے۔ تاہم ایک بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے بارے میں یا ان کے حوالے سے بیان کیے گئے قصے کہانیاں ان کی زندگی کے ایک ہزار سال بعد تحریر ہوئے۔

یہ کتب اصل میں پیغمبروں کی داستان حیات ہے۔ جن میں حضرت موسیٰ کی وفات اور

تدفین تک کا ذکر ہے۔ اگر یہ حضرت موسیٰؑ پر اتری تھی تو ان کی وفات کے حالات کیسے اس کا حصہ بن گئے۔ کچھ ابواب میں بعض دوسرے ابواب کے حوالے دیئے گئے ہیں مگر وہ ان کتب میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ توراۃ میں ہی حضرت داؤدؑ پر اتاری گئی کتاب زبور کے بھی کچھ حصے ہیں مگر ان میں شریعت کا ذکر نام کو بھی نہیں۔ حالانکہ کسی رسولؑ پر نئی شریعت دینے کے لیے کتاب اتاری جاتی تھی۔ اس میں صرف خدا کی حمد موجود ہے اور وہ بھی منظوم شکل میں۔

اب ذرا اس کا بھی جائزہ لے لیں کہ توراۃ کا حشر کیا ہوا۔ اصل میں یہودیوں نے فلسطین کا کچھ علاقہ فتح کر لیا تھا۔ ظاہر ہے پھر وہاں انہی کی حکومت ہوگی۔ ان پر پہلا بڑا حملہ عراق کے غیر یہودی بادشاہ بخت نصر نے کیا۔ اس نے نہ صرف انہیں تاخت و تاراج کیا بلکہ ہزاروں (بعض روایات 70 ہزار) یہودیوں کو غلام بنا کر لے گیا اور ایک طویل عرصے تک غلامی کی حالت میں رکھا حتیٰ کہ ان کی اگلی نسلیں بھی جوان ہو گئیں۔ بخت نصر نے یہودیوں اور ان کے دین کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا نہ صرف آبادیوں کو کھنڈرات میں بدل دیا بلکہ توراۃ اور دوسری مذہبی کتب کے تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے آگ کے حوالے کر دیا۔ اس کے ایک سو سال بعد حضرت عزیرؑ نے توراۃ لکھوائی جو انہیں زبانی یاد تھی۔ یہودی حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دیتے ہیں۔

ایک رومن حکمران کو بھی یہودی ایک آنکھ نہ بھائے۔ چنانچہ اس نے اپنے سپہ سالار انیتوکس کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے بھی نہ صرف یہودیوں کی قتل و غارت کی اور ان کی آبادیاں کھنڈر بنا دیں بلکہ ان کی تمام کتابوں کو جمع کیا اور بخت نصر کی طرح کے انجام سے دوچار کر دیا۔ اس پر بس نہیں ہوا۔ اور بادشاہوں نے بھی یہودیوں کو نشانہ بنایا۔ ”روم ہی کے ایک بادشاہ نے فلسطین پر حملہ کیا اور انسانوں اور شہروں کے علاوہ مذہبی کتب کو بھی نابود کر دیا۔ ایسی صورت میں کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ توراۃ کے نام سے انجیل میں جو ”عہد نامہ عتیق“ شامل ہے وہ اپنی اصل حالت میں ہے۔

توراۃ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہونے والے احکامات کا مجموعہ ہے۔ انہی میں وہ دس

احکامات بھی تھے جو پتھر پر کندہ کر کے ان کے سپرد کیے گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے غیر تحریر شدہ احکامات کی بارہ نقول تیار کرائیں اور وہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے سپرد کر دی گئیں۔ ان احکامات کی ذمہ داری بنی لادی کے سپرد کی گئی۔ پتھر کی لوحوں اور تحریر شدہ احکامات کو ایک صندوق میں بند کر کے رکھ دیا گیا۔ روایات بتاتی ہیں کہ بیت المقدس کی پہلی تباہی تک یہ سب کچھ محفوظ تھا لیکن بعد میں اسے فراموش کر دیا گیا۔ پھر یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ کا دور آیا تو ہیکل سلیمانی کی مرمت کی گئی۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ بڑے کاہن کو اس دوران ''توراۃ'' رکھی ہوئی مل گئی۔ اس کاہن خلقیاہ کے لیے یہ ایک عجوبے سے کم نہیں تھی۔ اس نے یہ ''عجوبہ'' شاہی منشی کے حوالے کر دیا جس نے اسے بادشاہ کو پیش کیا۔ یہ نسخہ ان سب کے لیے ایک انکشاف تھا۔

اس وقت ''عہد نامہ عتیق'' کی شکل میں جو توراۃ ہمارے سامنے ہے وہ سب کی سب اصل پر مشتمل نہیں۔ کچھ بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگرچہ اصل اس کے اندر موجود ہے مگر آنے والے وقتوں میں اس کے ساتھ بہت کچھ شامل کر دیا گیا اور فرمان موسوی اس میں چھپ کر رہ گئے ہیں۔ یہی صورتحال انجیل کے ساتھ ہے۔

باری تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر ایک انجیل نازل کی تھی لیکن اب ان کی تعداد چار ہے۔ یعنی چار افراد نے اپنے اپنے نقطہ نظر (VERSION) کو بیان کیا ہے۔ انجیل یونانی لفظ ہے جس کا مطلب خوشخبری ہے۔ آج مسیحیوں کے پاس ایک نہیں چار ''خوشخبریاں'' ہیں جبکہ پہلے پہل ان ''خوشخبریوں'' کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے۔ یہ ستر سے چار کیسے ہوئیں اس کا بعد میں ذکر کریں گے۔ چار کتابیں اس طرح سے ہیں۔

1- متی (MATTHEW) کی انجیل

2- مرقس (MARK) کی انجیل

3- لوقا (LUKE) کی انجیل

4- یوحنا (JOHN) کی انجیل

مسیحی ان انجیلوں کو الہامی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں یہ حضرت عیسیٰؑ کی سوانح

حیات ہیں۔

پہلی تین اناجیل بہت ملتی جلتی ہیں لہٰذا انہیں ''اناجیل موافق'' کہا جاتا ہے۔ان کا بیان ہے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے 31 برس بعد یعنی 62ء سے پہلے لکھی گئیں۔جبکہ یوحنا کی انجیل پہلی صدی کے اختتام سے پہلے لکھی گئی۔متی کی انجیل آرامی اور باقی تین یونانی زبان میں تحریر کی گئیں۔عیسائی متی اور یوحنا کو رسول بھی قرار دیتے ہیں۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ باری تعالیٰ نے کتاب تو حضرت عیسیٰؑ پر نازل کی مگر اسے تحریر کسی اور نے کیا۔خود حضرت عیسیٰؑ کی تحریر کردہ یا تحریر کرائی گئی کوئی کتاب موجود نہیں۔بعد میں بہت سے لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی کی طرز پر کتابیں لکھیں اور ان کتابوں کو ہی ''خوشخبری'' قرار دے دیا گیا۔کہا گیا کہ یہ وہ بشارتیں ہیں جو حضرت عیسیٰؑ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔وقت کے ساتھ ساتھ کئی لوگوں نے کتابیں لکھیں اور انہیں انجیل کا نام دیدیا۔ان میں لکھنے والوں کے اپنے خیالات بھی واضح طور پر موجود ہیں۔یہ احساس بھی موجود رہتا ہے کہ ''اناجیل'' انہیں کسی نے رقم نہیں کرائیں بلکہ ان کی اپنی تصنیف کردہ ہیں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ابتدائی تین سوا تین سو سال تک عیسائیت کا کوئی شہرہ نہیں تھا۔بلکہ اکثر مقامات پر عیسائی روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے۔قرآن پاک میں جن اصحاب کہف کا ذکر ہے وہ بھی غالباً اسی دین سے تعلق رکھتے ہوں گے جو تین سو سال تک غار میں سوئے رہے۔عیسائیت کے عروج کا دور اس وقت شروع ہوا جب رومن شہنشاہ کانسٹنٹائن نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔تثلیث کا عقیدہ بھی قریباً اسی زمانہ میں مقبول ہوا۔

چار انجیلوں پر اتفاق کیسے ہوا......؟

ظاہر ہے یہ انتخاب کلیسا نے کیا۔لیکن کب، کہاں اور کیسے......؟ اس کے بارے میں شواہد موجود نہیں۔محض روایات ہیں کہ اناجیل اور عیسائی فرقوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے کلیسا کو پریشان کردیا لہٰذا تعداد میں کمی کا فیصلہ کیا گیا۔روایات بتاتی ہیں کہ کلیسا نے جو طرز انتخاب اختیار کیا وہ بڑا دلچسپ تھا۔اس روایت کے مطابق تمام کتابوں کی فہرست مرتب کرکے قرعہ

اندازی کی گئی۔ جس میں مذکورہ چار نام سامنے آگئے۔ لیکن سامنے آنے والا دوسرا طریقہ اس سے بھی دلچسپ ہے۔ اس طریقے کا راوی فرانس کا ماضی کا ایک مورخ ''والٹیئر'' ہے۔ والٹیئر لکھتا ہے کہ ایک بار کلیسا کو یہ معاملہ درپیش تھا کہ اناجیل کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ ان میں بہت سی اختلافی باتیں اور اختلافات موجود ہیں۔ لہٰذا ان میں سے قابل بھروسہ انجیلوں کا انتخاب کیا جائے۔ انتخاب کا جو طریقہ طے ہوا اس کے مطابق ساری انجیلوں کو عبادت گاہ میں ایک میز پر رکھ دیا گیا۔ پھر اس میز کو ہلایا گیا۔ میز سے جو کتابیں نیچے گر گئیں انہیں مسترد کر دیا گیا اور جو میز پر پڑی رہ گئیں وہ قابل اعتماد قرار پائیں۔ اگر والٹیئر کا بیان درست ہے تو پھر اس دلچسپ طریقہ سے مذکورہ چار کتب ہی میز پر رہ گئی ہوں گی لہٰذا ان کا انتخاب کر لیا گیا۔ عیسائیوں کے بقول اس نے جھوٹ بولا تاہم ہمارے پاس اس کے ''جھوٹ'' کی تصدیق یا تردید کا کوئی ذریعہ نہیں۔ عیسائی ہی بتادیں کہ پھر کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

تو یہ ہے انجیل کی حقیقت ...... اس میں کیا اصل ہے اور کیا نقل آپ کچھ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عیسیٰؑ کے زندگی کے آخری حصہ یعنی آسمانوں پر اٹھائے جانے کے دو اڑھائی سال کے اندر آپؑ کے فرمودات کو باقاعدہ محفوظ کرنے کی کوئی روایت نہیں ملتی۔

بعض روایات ہیں کہ مذکورہ چاروں انجیلوں کے انتخاب تک برناباس کی انجیل ہی معتبر قرار پاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ 365ء تک یہی انجیل رائج تھی جبکہ منتخب کی جانے والی چاروں انجیلیں حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اٹھا لیے جانے کے کئی عشرے بعد تحریر کی گئیں۔ ان چاروں کے تحریر کنندگان نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا اور نہ وہ ان کے دور سے آشنا تھے۔ یہ لوگ وہ زبان تک نہیں جانتے تھے جو حضرت عیسیٰؑ کے دور میں رائج تھی۔ ان چاروں مصنفوں نے کہیں ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے تمام واقعات کہاں اور کس سے سنے اور ان کی کس طرح سے تصدیق کی۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے جو جی میں آیا وہ لکھتے چلے گئے جن میں سنی سنائی غیر مصدقہ باتیں شامل ہیں۔

قرآن کی تو بات ہی اور ہے ہمارے ہاں تو محدثوں نے احادیث مبارکہ لکھنے میں انتہائی

احتیاط سے کام لیا ہے۔ انہیں جہاں کہیں ہلکا سا شک ہوتا تو وہ اس بات کو ترک کر دینا بہتر جانتے تھے اور پھر احادیث مبارکہ میں روایات کا باقاعدہ سلسلہ موجود ہے جن میں معتبر اور قابل بھروسہ افراد شامل ہیں۔ دوسری جانب انجیلوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں روایت کا سلسلہ تو کجا اشارہ تک نہیں جبکہ ان میں سے کوئی انجیل حضرت عیسیٰؑ کے بعد کم از کم ستر برس تک موجود نہیں تھی۔ اگر یہ سریانی زبان میں لکھی گئی تھیں تو آج تک کسی کو ان کے سریانی نسخے نہیں مل سکے تاکہ تراجم کا اصل سے موازنہ کیا جا سکے۔

آخر میں ان اناجیل کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا اقتباس:

> اس کی متعین تاریخ اور معرض وجود میں آنے کا اصل مقام غیر یقینی ہے لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری برسوں سے ہے۔ ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں کہ یہ چار انجیلیں کب کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں۔



صحیح کیا ہے......؟

یہاں بڑا اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ توراۃ اور انجیل اپنی اصل شکل میں موجود نہیں تو پھر اصل کتابوں کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کتب کہاں گئیں اور ان میں کس طرح سے تحریف یا ردو بدل کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا سوال بھی ہے کہ اصل اور صحیح کو کہاں اور کیسے تلاش کیا جائے۔

یہ بڑے پیچیدہ اور اہم سوالات ہیں اور ان کے جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں تاریخ میں گم ہونا پڑے گا کہ دونوں کتابیں کیسے نازل ہوئیں، ان کو کس شکل میں متعلقہ امت تک پہنچایا گیا۔ پھر کہاں کہاں اور کس طرح سے ان کا حلیہ بدلا گیا اور اس سارے عمل میں کس کا کردار کیا ہے۔ ہم ماضی سے ہوتے ہوئے حال کی جانب آئیں گے تو ہمیں حقیقت تک پہنچنے میں بڑی آسانی رہے گی۔

انجیل حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی لہٰذا ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے اس دور کی جانب جاتے ہیں جب اللہ کے یہ برگزیدہ رسول خود اس دنیا میں موجود تھے۔ یہ ان کی دنیا میں اولین موجودگی تھی جس کے بعد انہیں آسمانوں پر اٹھالیا گیا لیکن انہوں نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا جبکہ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے لازمی موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ اس کے لیے ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کا انتظار کرنا ہوگا۔ آپؑ آسمانوں سے پھر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے حکمرانی کا فریضہ انجام دیں گے۔ آپؑ کی شادی ہوگی، بچے ہوں گے اور جب انتقال ہوگا تو ایک حدیث پاک کے مطابق آپؑ کو روضہ رسول والے حجرے میں ہی دفن

کیا جائے گا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس حجرے میں موجود تین قبول مبارکہ کے ساتھ ایک قبر کی جگہ ابھی خالی ہے۔

تو اب ہم حضرت عیسیٰؑ کے دور میں چلتے ہیں تا کہ مذکورہ سوالات کے حوالے سے کچھ کھوج لگایا جا سکے۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حواریوں کو ہم آپؑ کے صحابہ بھی کہہ سکتے ہیں جن کی تعداد محض بارہ بتائی گئی ہے۔ آپؑ نے ان میں سے ایک حواری کی جانب رخ کیا اور ان سے مخاطب ہوئے کہ تم دنیا کو بتانا میرے ساتھ کیا ہوا۔ اس حواری نے یقیناً آپؑ کے حکم کی تعمیل کا وعدہ کیا ہوگا۔ یہ حواری برناباس تھے جن کا اصل وطن قبرص تھا انہوں نے ابتدا میں ہی یہودیت کو ترک کر دیا اور دین عیسوی قبول کر کے اس شریعت کو اپنا لیا جو حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے۔

گزشتہ باب میں ستر (70) میں سے چار اناجیل کے انتخاب کا ذکر موجود ہے۔ ان ستر میں جناب برناباس کی انجیل بھی شامل تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ یہ انجیل انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ہدایت پر ہی لکھی تھی لیکن کلیسا نے اس انجیل کی بجائے دوسری چار اناجیل کو کیوں ترجیح دی۔ اس کی بھی ایک داستان ہے اور داستان یہ ہے کہ اس انجیل کا انتخاب کر لیا جاتا تو اس دین کی بنیادیں تک ہل جاتیں جو کلیسا نے حضرت عیسیٰؑ کے نام پر متعارف کرایا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ جو کچھ لے آئے تھے وہ یہ دین ہرگز نہیں تھا جو کلیسا اور حکمرانوں کی ملی بھگت سے متعارف کرا دیا گیا تھا لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ برناباس کی انجیل کو قبول کر لیتے جس میں دین مسیحی کے حقیقی خدوخال موجود تھے۔

اس انجیل کی موجودگی میں چرچ یا کلیسا ایک قسم کی پریشانی سے دوچار تھا۔ اس وقت ہی نہیں وہ آج بھی پریشان ہے کہ ان کا پول نہ کھل جائے جبکہ رسول اللہؐ کی آمد کے بعد تو ان کا جھوٹ اور دھوکہ پوری طرح سے بے نقاب ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ وہ نہیں لے کر آئے تھے جو ان کے نام پر کلیسا نے رائج اور نافذ کر دیا تھا۔ آپؑ کی تعلیمات اس سے یکسر مختلف تھیں۔ اس کی بنیاد برناباس کی انجیل میں موجود تھی۔ انہوں نے عیسوی کی شریعت کے حقیقی خدوخال کو

واضح کیا تھا برناباس نے اپنی انجیل میں جو کچھ لکھا اس کے مطابق:

☆ حضرت عیسیٰ خدا نہیں۔ اللہ کے نبی ہیں

☆ تثلیث کا بھی کوئی وجود نہیں...... یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس

☆ یسوع کو مصلوب نہیں کیا گیا بلکہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور ان کا ایک غدار حواری صلیب پر چڑھایا گیا

☆ حضرت عیسیٰؑ نے محمدؐ کی آمد کی پیشگوئی ان کا نام لے کر کی تھی

☆ قربانی کے لیے حضرت اسحاقؑ کو نہیں حضرت اسماعیلؑ کو منتخب کیا گیا

اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن یہ بنیادی امور ہیں جو عیسائیت کے لیے زہر قاتل ہیں۔ مذکورہ امور کی تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری ہوگا کہ برناباس کی انجیل کی اب تک تاریخ بیان کر دی جائے۔

اس انجیل کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اٹھا لیے جانے کے بعد ہی اس کو تحریر کر دیا گیا تھا کیونکہ تحریر کرنے والا آپؐ کا حواری اور ہم عصر بھی تھا۔ لہٰذا وہ کتنی دیر جیا ہوگا...... اس نے یہ کام موت سے قبل ہی مکمل کیا ہوگا کیونکہ جو کچھ لکھا گیا وہی اس کا شاہد بھی تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا میں دونوں طرح کی اناجیل تھیں۔ کچھ میں حضرت عیسیٰؑ کو توبہ نعوذ باللہ خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا تھا۔ کچھ اس کی نفی کرتی تھیں اور آپؐ کو صرف اللہ کا نبی قرار دیتی تھیں جو حقیقت پر مبنی امر ہے...... انہی میں برناباس کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔

چوتھی صدی میں جب 70 میں سے 4 اناجیل کو سرکاری طور پر قبول کر لیا گیا تو دیگر کے ساتھ برناباس کی انجیل بھی مسترد کر دی گئی۔ یہ وہ دور تھا جب چرچ مضبوط ہو رہا تھا اور اپنے پاؤں پھیلا رہا تھا۔ چرچ کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے 467ء سے میں پاپائے روم کلاسیس اول نے ایک فتویٰ یا فرمان جاری کر دیا اور کئی ایک کتابوں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ ان کتابوں میں مذکورہ انجیل بھی تھی۔ بات یہی تک محدود نہیں رہی۔ پوپ نے اس کتاب کو پاس

رکھنا جرم قرار دیدیا اور تمام عیسائیوں سے کہا کہ وہ اس کی پابندی کریں۔ پھر صدیاں گزر گئیں اور لوگ اس کتاب کو فراموش کر بیٹھے۔ غالباً اب اس کا وجود بھی نہیں رہا تھا۔

لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سولہویں صدی کے آخر میں سیکٹن پوپ تھا اور اس کے کتب خانے میں برناباس کی ایک انجیل موجود تھی۔ اس کے ایک ادیب دوست فرماریو نے کسی طرح سے یہ کتاب حاصل کر لی۔ اس نے کتاب کا اطالوی زبان میں ترجمہ کیا اور اسے ایک بار پھر منظر عام پر لے آیا۔ اٹھارہویں صدی میں یہ نسخہ شاہی خاندان کے ہاتھ آ گیا اور سیوائے کے پرنس یوجین کی لائبریری تک پہنچ گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ نسخہ ابھی تک ویانا کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس زمانے میں ہسپانوی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کر دیا گیا۔ 1784ء میں آکسفورڈ کے کوئینز کالج کے رکن ڈاکٹر منک نے اسے انگریزی میں منتقل کیا۔ مگر یہ جلد ہی منظر عام سے غائب ہو گیا۔ قریباً سوا سو سال بعد (1907ء) میں ایک پادری مسٹر ریگ اور ان کی اہلیہ نے کتاب کو دوبارہ انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مگر معلوم نہیں یہ ترجمہ بھی کہاں چلا گیا۔ اس سے اگلے برس ایک مصری مسیحی عالم نے انگریزی ترجمے کو عربی زبان دی۔ اسی دور میں کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا۔

اردو ترجمے کے بعد عیسائیوں نے اسے مسلمانوں کی تصنیف قرار دیدیا۔ حالانکہ یہ کتاب بزبان خود تردید کر رہی ہے کہ اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب اسے لکھا گیا۔ اس وقت اسلام موجود ہی نہیں تھا۔

اس کے قدیم نسخے کہاں ہیں......؟

وہ موجود ہیں بھی کہ نہیں......؟

لیکن چند سال قبل ترکی میں ایک نسخہ منظر عام پر آ گیا جو پندرہ سو برس قدیم بتایا جاتا ہے۔ یعنی قریباً اسی دور کا ہے جس دور میں کتاب کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ یہ نسخہ دراصل ایک کارروائی کے دوران سمگلروں سے ملا جو نوادرات کی سمگلنگ کرتے تھے۔ ترک حکام نے بحیرہ روم میں اس کارروائی کے دوران یہ نسخہ پکڑا جو اب وہاں ایک عجائب گھر میں ہے اور اس کی حفاظت کے لیے پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ اب معلوم نہیں اس کی کیا صورتحال ہے۔

سیاہ چمڑے پر یہ نسخہ سونے کے پانی سے لکھا گیا ہے اور آرامی زبان میں ہے۔ کیونکہ یسوع مسیحؑ کی یہی زبان تھی جو اب متروک ہو چکی ہے اور صرف دمشق کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں بولی جاتی ہے۔ نسخہ ملنے کی خبریں منظر عام پر آنے سے ویٹی کن پریشان ہو گیا۔ اس نے جائزہ کے لیے اسے مانگا بھی ہے مگر ظاہر ہے یہ اس کے حوالے نہیں کیا گیا۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ کتاب کی فوٹو کاپیاں ہی بیس لاکھ ڈالر میں فروخت ہوئی ہیں۔

مولانا مودودی کی ایک تحریر میں ہے اس کتاب سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب دین عیسوی ہر گز نہیں۔ یہ سینٹ پال کا تصنیف کیا گیا ہے لہذا اسے عیسوی کی بجائے پولوسی مذہب کہنا بجا ہوگا۔ یہ کتاب جب بھی منظر عام پر آتی ہے تو مسیحی محقق اور اہل علم اسے جعلی ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ان کے پاس قیاس آرائیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اب ہم اس جانب آتے ہیں کہ عیسائیت برناباس کی انجیل سے پریشان کیوں ہے۔ یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ کتاب حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتی ہے نہ خدا کا بیٹا اور یہ کہ حضرت عیسیٰؑ نے رسول کریم حضرت محمدؐ کی آمد کا نام لیکر ذکر کیا ہے۔ جبکہ انہیں نہیں بلکہ ان کے ایک حواری یہوداہ (JUDA) کو مصلوب کیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔ ان امور کے ثبوت میں کتاب سے اقتباسات دیئے جا رہے ہیں۔ برناباس نے اپنی انجیل کی ابتدا میں ہی اسے لکھنے کا مقصد بیان کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

> میں وہ سچائی لکھ رہا ہوں جو میں نے دیکھی اور سنی، اس گفتگو میں جو یسوع سے میں نے کی تاکہ تم سلامت رہو اور شیطان سے فریب کھا کر خدا کے فیصلے سے ہلاک نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا خبردار رہو ہر اس عقیدے سے جو تمہیں نئے عقیدے ان سے مختلف سکھائے جو میں لکھ رہا ہوں۔ تاکہ تم ابد تک سلامت رہو۔

حضرت عیسیٰؑ کے نائبین کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

نائبین میں اتنا اختلاف ہوا کہ کچھ نے کہا وہ ہمارا خدا ہے جو ہم سے ملنے آیا ہے۔ اوروں نے کہا خدا تو غیب ہے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے خادم موسیٰ نے بھی نہیں۔ پس وہ خدا نہیں اس کا بیٹا ہے۔ کچھ اور نے کہا وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا کیونکہ خدا کا جسم نہیں کہ اس کے اولاد ہو۔ پر وہ خدا کا ایک نبی ہے۔

حضرت عیسیٰ نے قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کیا اور اس کی منظر کشی کی۔ جس کے بعد:

یہ کہہ کر یسوع نے اپنے منہ پر دو ہتڑ مارا اور پھر زمین پر سر دے ٹپکا۔ پھر سر اٹھا کر اس نے کہا۔ ملعون ہو وہ جو میرے کلام میں یہ داخل کرے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ ان الفاظ پر شاگرد مردوں کی طرح زمین پر گر پڑے جس پر یسوع نے انہیں یہ کہہ کر اٹھایا ہمیں اب خدا سے ڈرنا چاہیے اگر ہم اس دن (قیامت) سے ڈرنا نہیں چاہتے۔

ایک اور جگہ لکھا گیا ہے کہ جہاں یسوع نے نبی کریم کا ذکر نام لیکر کیا۔ یہ ذکر ایک بھیڑ (ہجوم) کے سامنے ہوا...... برناباس کا کہنا ہے:

> اور یہ کہہ کر بھیڑ کاہن کے ساتھ اور حاکم ہیروڈس کے ساتھ، یسوع اور اس کے دین کے بارے میں بڑے اختلافات لیے رخصت ہوئے۔ جس پر کاہن نے حاکم سے منت کی کہ روم میں سنات کو سارا معاملہ لکھ بھیجے۔ حاکم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ سنات کو اسرائیل پر ترس آیا اور اس نے فرمان جاری کیا کہ یسوع ناصری، یہودیوں کے نبی کو کوئی خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہے، ورنہ موت کی سزا پائے گا۔ یہ فرمان تانبے پر کندہ کر کے ہیکل میں لگا دیا گیا۔

برناباس کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مصلوب نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کے ایک غدار حواری یہوداہ کو یسوع کی شکل اور آواز دیدی گئی اور اسی کو مصلوب کیا گیا۔ یہوداہ کی غداری اور انجام تک پہنچنے کے کئی ایک واقعات دیئے گئے ہیں، یہاں ان میں سے چند ایک بیان کیے جا رہے

ہیں۔لکھتا ہے:

☆ تب سارے شاگرد خدا کی مشیت سے دمشق میں آ گئے اور اسی دن یہوداہ غدار نے ہر کسی سے بڑھ کر یسوع کی ناموجودگی پر غمگین ہونے کا اظہار کیا، جس پر یسوع نے کہا ہر کوئی اس سے خبردار رہے جو بے موقع تجھے محبت کی نشانیاں دینے کی زحمت کرتا ہے۔

اب یسوع کی گرفتاری کے لیے جانے کا منظر دیا گیا ہے جب یہوداہ غدار نے انہیں گرفتار کرانے کے لیے حاکم سے رقم وصول کر لی۔

☆ تب سردار کاہن نے فی الفور اسے رقم گن دی اور ایک فریسی حاکم کے پاس اور ہیروڈس کے سپاہی لانے بھیجا اور انہوں نے ان کا ایک دستہ ساتھ کر دیا۔ چونکہ وہ لوگوں سے ڈرتے تھے، سو انہوں نے اپنے ہتھیار لیے اور ڈنڈوں پر مشعلیں اور قندیلیں لیے یروشلم سے نکلے۔

جب یہوداہ کے ساتھ سپاہی اسی مقام سے قریب آ پہنچے جہاں یسوع تھا تو یسوع نے بہت سے لوگوں کی آمد سنی۔ سو وہ خوف سے گھر کے اندر جا رہا۔ اور وہ گیارہ (حواری) سو رہے تھے۔ تب خدا نے اپنے خادم کا خطرہ دیکھ کر اپنے کارگزاروں، جبرائیل، میکائیل، رفائیل، اوریئل کو حکم دیا کہ یسوع کو دنیا سے نکال لائیں۔ مقدس فرشتے آئے اور اس کھڑکی میں سے جو دکھن کو کھلتی ہے یسوع کو نکال لے گئے۔ انہوں نے اسے تیسرے آسمان میں لا بٹھایا۔ ان فرشتوں کی صحبت میں جو ابد تک خدا کی حمد کرتے ہیں۔

یہوداہ جھپٹ کر سب سے پہلے اس حجرے میں داخل ہوا جہاں سے یسوع اٹھا لیا گیا تھا اور شاگرد سو رہے تھے۔ اس پر حیرت انگیز خدا نے حیرت انگیز کام کیا۔ وہ یہ کہ یہوداہ بدل کر بول چال اور چہرے میں ایسا

یسوع کی مانند ہو گیا کہ ہم (حواری) اسے یسوع ہی سمجھے اور وہ ہمیں جگا کر دریافت کرنے لگا کہ استاد کہاں ہے۔ اس پر ہم نے تعجب کیا اور جواب دیا کہ آقا تو ہی تو ہمارا استاد ہے...... ؟ کیا تو اب ہمیں بھول گیا...... ؟

اور وہ مسکرا کر بولا بھلا تم احمق ہو کہ مجھے یہوداہ اسکریوتی نہیں سمجھتے۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ سپاہ اندر داخل ہوئی اور یہوداہ پر ہاتھ ڈال دیا۔ وہ ہر طرح سے یسوع جیسا تھا۔

☆ سپاہیوں نے یہوداہ کو پکڑ کر باندھا اور مذاق بھی اڑایا کیونکہ اس نے یسوع ہونے سے انکار کیا تھا۔ سپاہیوں نے اس سے ٹھٹھا کرتے ہوئے کہا۔ صاحب ڈر نہیں ہم تو تجھے اسرائیل کا بادشاہ بنانے آئے ہیں۔ ہم نے تجھے باندھا اس لیے ہے کہ ہمیں معلوم ہے تمہیں بادشاہت منظور نہیں۔

یہوداہ نے جواب دیا بھلا تمہارے حواس جاتے رہے ہیں تم تو ناصرہ کے یسوع کو ہتھیار اور قندیلیں لے کر پکڑنے آئے تھے جیسے کسی ڈاکو (کو) اور تم نے باندھ مجھے لیا ہے جس نے تمہاری رہنمائی کی کہ مجھے بادشاہ بناؤ۔ تب سپاہیوں کا صبر جواب دے گیا اور وہ یہوداہ کی لاتوں اور گھونسوں سے تواضع کرنے لگے اور طیش کے ساتھ اسے یروشلم لے گئے۔

یہوداہ کے آخری وقت کو بیان کرتے ہوئے اس انجیل میں لکھا گیا ہے کہ:

بڑے کاہنوں نے فقیہوں اور فریسیوں سمیت یہ دیکھ کر کہ یہوداہ کوڑے لگنے سے نہیں مرا اور اس ڈر سے کہ کہیں پیلاطس اسے رہا نہ کر دے، حاکم کو تحفے میں ایک رقم دی جسے قبول کر کے یہوداہ کو موت کا سزاوار

قرار دیا اور اسے فریسیوں اور فقیہوں کے حوالے کر دیا۔ اس پر انہوں نے اس کے ساتھ دو ڈاکوؤں کو بھی صلیب کی موت کی سزا دی۔

سو وہ اسے کوہ کالوری پر لے گئے جہاں وہ مجرموں کو پھانسی دیتے تھے اور وہاں انہوں نے اسے زیادہ نصیحت کی خاطر ننگا کر کے مصلوب کیا۔

یہوداہ نے اور کچھ نہ کیا بلکہ چیخ اٹھا۔ خدایا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا کہ مجرم تو بچ نکلا اور میں مظلوم مرتا ہوں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ یہوداہ کی آواز، چہرہ اور ڈیل یسوع سے اتنا ملتا تھا کہ شاگرد اور ایمان لانے والے یہی سمجھتے رہے کہ وہ یسوع ہے۔

اب ہم اس معاملے کا ذکر کرتے ہیں جو برناباس کی انجیل کے زیر عتاب آنے کی وجہ بنا۔ بہت سے دیگر امور کے علاوہ اس انجیل میں آخری نبی جناب رسول کریمؐ کا نام نامی بڑے صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے جس کو کلیسا نے اپنی اناجیل سے مٹانے کی ناکام کوششیں کیں۔ اس کا ذکر اگلے باب میں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ جناب رسول کریمؐ کی آمد کی کن الفاظ میں خبر دیتے ہیں اور آپؐ کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ نے کیا فرمایا تھا جس کی خبر باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ الصّف میں بھی دی ہے۔ اس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آپؐ کی آمد کی خبر دیتے ہوئے بتایا تھا کہ آنے والے نبی کا اسم مبارک احمد ہوگا۔

○

پابندی کی اصل وجہ

حضرت عیسیٰؑ کے حواری جناب برناباس نے اپنی انجیل میں بہت سے مقامات پر بڑے صاف اور واضح الفاظ میں آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ؐ کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ آپ ؐ کے بارے میں اور آپ ؐ کی آمد کے حوالے سے یہ ذکر محض اشاراتی یا علامتی نہیں بلکہ نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس باب میں ہم جائزہ لیتے ہیں کہ برناباس نے نبی کریم ؐ کے بارے میں وہ کیا لکھا ہے جس کا اعلان خود حضرت عیسیٰ کر گئے تھے۔

اپنے ایک حواری کے سوال کرنے پر حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

☆ نبیوں کے ہاں بہت سی تمثیلیں لکھی ہیں۔ سو تو لفظ پر نہ جا بلکہ مفہوم پر دھیان کر۔ کیونکہ تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنہیں خدا نے دنیا میں بھیجا۔ پردے میں بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی باتوں کو، جو نبیوں نے کیں، واضح کرے گا۔ کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔

تخلیق آدمؑ کا ذکر کرتے ہوئے انجیل میں لکھا گیا ہے:

☆ جب آدم اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ہوا میں ایک تحریر دیکھی جو سورج کی طرح چمکتی تھی کہ ''خدا ایک ہی ہے اور محمد ؐ خدا کا رسول ہے۔'' اس پر آدم نے اپنا منہ کھولا اور کہا، اے خداوند میرے خدا میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے میری تخلیق کی تدبیر فرمائی مگر میں منت کرتا ہوں مجھے بتا،

ان الفاظ کا مطلب کیا ''محمدؐ خدا کا رسول ہے''۔ کیا مجھ سے پہلے اور انسان بھی ہوئے ہیں۔

تب خدا نے کہا مرحبا اے میرے بندے آدم! میں تجھے بتاتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جسے میں نے پیدا کیا اور جسے تو نے (مندرج) دیکھا ہے۔ تیرا بیٹا ہے۔ جو دنیا میں اب سے بہت سال بعد آئے گا اور میرا رسول ہوگا۔ جس کے لیے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ جو آئے گا تو دنیا کو نور بخشے گا جس کی روح میرے ہر چیز پیدا کرنے سے ساٹھ ہزار سال پہلے ملکوتی شان میں رکھی گئی تھی۔

آدم نے خدا کی منت کی کہ خداوند یہ تحریر میری انگلیوں کے ناخنوں پر تحریر کردے۔ تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر یہ تحریر درج کردی۔ دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا ''خدا ایک ہی ہے۔'' اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا ''محمدؐ خدا کا رسول ہے۔'' تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے یہ الفاظ چومے اور اپنی آنکھیں ملیں اور کہا مبارک ہو وہ دن جب تو دنیا میں آئے گا۔

ایک اور جگہ تحریر ہے:

☆ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا تو خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لیے لایا ہے اور اس لیے ان کا کلام نہ پھیلا، سوائے ان لوگوں تک کے جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول جب وہ آئے گا تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کردے گا کہ وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لیے، جو اس کا دین قبول کریں گی، نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بت پرستی مٹا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ شیطان کو مبہوت کردے گا کیونکہ خدا نے ابراہامؑ سے یہی وعدہ کیا تھا کہ دیکھ تیری نسل میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا۔ اور جس طرح اے ابراہامؑ تو نے بت پاش پاش کیے،

اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔

یسوع اور کاہنوں میں آنے والے نبی کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ اور حاصل کلام یہ ہے:


تب کاہن نے کہا وہ مسیح کیا کہلایا جائے گا اور کس نشان سے اس کا آنا ظاہر ہوگا

یسوع نے جواب دیا۔ اس مسیح کا نام قابل تعریف ہے کیونکہ خود خدا نے اس کا یہ نام رکھا ہے جب اس نے اس کی روح پیدا کی۔ اور اسے ملکوتی شان میں رکھا۔ خدا نے کہا محمد انتظار کر کیونکہ میں تیری خاطر بہشت، دنیا اور بڑی تعداد میں مخلوق پیدا کیا چاہتا ہوں، جسے میں تجھے تحفے میں دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ جو تجھے مبارک کہے گا، مبارک ہوگا اور جو تجھے کوسے گا لعنتی ہوگا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا رسول نجات بنا کر بھیجوں گا۔ اور تیرا کلام سچا ہوگا۔ یہاں تک کہ زمین اور آسمان ٹل جائیں گے، پر تیرا دین نہ ٹلے گا۔ سو اس کا پاک نام محمدؐ ہے۔

تب ہجوم نے اپنی آوازیں بلند کر کے کہا: اے خدا ہمیں اپنا رسول بھیج۔ اے محمد! دنیا کی نجات کے لیے جلد آ۔

ایک جگہ یسوع اور ایک فقیہہ کا مکالمہ درج ہے اور اس کا حاصل کلام یہ ہے:

☆ اس پر فقیہ نے کہا میں نے ایک پرانی کتاب خدا کے خادموں اور نبیوں موسیٰ اور یشوع کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے (وہی یشوع جس نے سورج روک دیا تھا، جیسا تو نے کیا ہے) جو موسیٰ کی اصلی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسماعیل مسیح کا باپ ہے اور اضحاق مسیح کے رسول کا باپ اور وہ کتاب یوں کہتی ہے کہ موسیٰ نے کہا: خداوند، اسرائیل کے خدا، قوی و رحیم، اپنے خادم پر اپنی کبریائی شان ظاہر فرما۔ جس پر خدا

نے اسے اپنا رسول اسماعیلؑ کی گود میں اور اسماعیل کو ابراہامؑ کی گود میں دکھایا۔ اسماعیلؑ کے قریب اضحاقؑ کھڑا تھا جس کی گود میں ایک بچہ تھا جو خدا کے رسول کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے کہہ رہا تھا: یہ ہے وہ جس کے لیے خدا نے سب چیزیں پیدا کیں۔

اس پر موسیٰ خوشی سے پکار اٹھا، اے اسماعیل تیری گردنیں ساری دنیا اور بہشت ہے۔ مجھ، خدا کے خادم کا خیال رکھیو کہ میں تیرے بیٹے کے ذریعے، جس کے لیے خدا نے سب کچھ بنایا ہے، خدا کی نظر میں وقعت پا سکوں۔

ایک اور جگہ یسوع کے یہ الفاظ دیئے گئے ہیں:

☆ خداوند کریم و رحمت مآب، اپنے خادم کو عدالت کے دن اپنے رسول کی جماعت میں ہونے کی سعادت بخش اور مجھ کو نہیں بلکہ ہر ایک کو جسے تو نے مجھے دیا ہے۔ ان سب سمیت جو ان کی تبلیغ کے وسیلے سے مجھ پر ایمان لائیں اور خداوند ایسا اپنی ہی خاطر کر کہ ابلیس تیرے مقابل شیخی نہ مارے خداوند۔

خداوند جو اپنے فضل سے اپنی قوم اسرائیل کو تمام ضروری چیزوں سے نوازتا ہے، زمین کے تمام قبیلوں کا خیال رکھیو۔ جسے تو نے اپنے اس رسول کی معرفت برکت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس کے لیے تو نے دنیا پیدا کی۔ دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج تا کہ ابلیس، تیرے دشمن کی سلطنت چھن جائے۔ اور یہ کہہ کہ یسوع نے تین بار کہا ''ایسا ہی ہو خداوند عظیم و رحیم۔''

اب ایک مختصر تحریر ''ذبح عظیم''، یعنی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے بارے میں، یہودی اور عیسائی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے آ رہے ہیں کہ حضرت اسحٰقؑ بڑے تھے اور انہی کی قربانی

ہوئی۔مگر برناباس نے یسوع کے حوالے سے ان الفاظ کے ذریعے اس کی واضح تردید کردی ہے:

☆ فرشتے نے کہا، ابراہامؑ، ساری دنیا جان لے گی کہ خدا تجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ پر دنیا یہ کیونکر جانے کہ تجھے خدا سے کتنی محبت ہے۔یقیناً یہ ضروری ہے کہ تو خدا کی محبت کے لیے کچھ کر۔ ابراہامؑ نے جواب دیا ''دیکھو خدا کا بندہ جو کچھ خدا کی مرضی ہو کرنے کو تیار ہے۔''

تب خدا نے ابراہام سے فرمایا۔ اپنا بیٹا، اپنا پہلوٹھا، اسماعیل لے اور پہاڑ پر آکر اس کی قربانی دے: اضحاق پہلوٹھا کیونکر ہوا کہ جب اضحاق پیدا ہوا تو اسماعیل سات سال کا تھا۔

کتاب کے باب نمبر 42 میں ہے...... فریسیوں اور لادیوں نے کہا اگر تو نہ مسیح ہے، نہ الیاس اور نہ کوئی اور نبی کیوں تو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے باپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے......؟ یسوع نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے ورنہ در حقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کیے جانے کے قابل قرار نہیں دیتا۔ جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ میں تو خدا کے اس رسول کے موزے کے بند یا اس کے جوتے کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو۔ جو مجھ سے پہلے بنایا گیا اور جو میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا تا کہ اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔

باب نمبر 44 میں رسول اللہؐ کا ذکر اس طرح سے کیا گیا ہے:

اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی کیونکہ وہ فہیم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور داغ کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی اور رحمت، عدل اور تقویٰ کی شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے جو اس نے خدا سے ان چیزوں کی نسبت

تین گنا پائی ہے جن کو خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔

کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو، میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے۔ ان کی روح کو دیکھنے سے ہی خدا نے ان کو نبوت دی اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینت سے بھر گئی یہ کہتے ہوئے کہ اے محمد! خدا تمہارے ساتھ ہو اور وہ مجھے تمہارے جوتے کے تسمے باندھنے کے قابل بنا دے۔ کیونکہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔

باب نمبر 83 میں برناباس یوں لکھتے ہیں:

خدا کا عہد یروشلم میں معبد سلیمانی کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا۔ پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی اور اللہ ہر جگہ سچی نماز کو قبول فرمائے گا...... میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مگر میرے بعد مسیح آئے گا۔ خدا کا بھیجا ہوا، تمام دنیا کی طرف، جس کے لیے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے۔ اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اس کی رحمت نازل ہوگی۔

اس انجیل کے باب نمبر 96 میں بتایا گیا ہے:

(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا دنیا کی تمام قومیں انتظار کر رہی ہیں جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیمؑ سے یہ کہہ کر

کیا تھا کہ ''تیری نسل کے وسیلے سے دنیا کی تمام قومیں برکت پائیں گی۔'' مگر جب خدا مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں۔ اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ بمشکل تیس صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لیے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں۔ جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا۔ جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کیا ہے۔ وہ ان لوگوں کی نجات کے لیے خدائی رحمت اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔

باب نمبر 97 کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں سے چند باتیں شامل کرتے ہیں:

سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس نبیؑ کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے۔ یسوع نے جواب دیا کہ اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلوں کی وجہ سے انہیں اٹھائے گا اور وہ اپنے آپ کو میری انجیل کے پردے میں چھپائیں گے۔

سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کون سی نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی۔ یسوع نے جواب دیا اس کا نام ''قابل تعریف'' ہے۔ کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس

وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا۔ اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا کہ اے محمد انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا۔ یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تمہیں اپنے پیامبر نجات کے طور پر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا۔ سو اس کا مبارک نام محمدؐ ہے۔

تو قارئین! یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر چرچ یا مسیحیت نے برناباس کی انجیل کو قبول اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کو تسلیم کرنے کا مطلب ان کے خود ساختہ نظریات کی موت تھی لیکن یہ موت اس دن تو یقیناً واقعہ ہو جائے گی جس دن حضرت عیسیٰؑ آسمانوں سے اتر کر دنیا میں واپس تشریف لائیں گے اور تمام باطل نظریات و عقائد کی نفی کر دیں گے۔

یہاں ایک اعتراض یا شبہہ پیدا ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک میں تو باری تعالیٰ نے آپؐ کا نام نامی احمد فرمایا ہے جس سے حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا مگر برناباس کی انجیل میں اے محمدؐ لکھا گیا ہے۔ اصل میں مذکورہ انجیل کئی نشیب و فراز سے گزری۔ اسے متعدد بار سرے سے نابود کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس کا کوئی نسخہ بھی باقی نہ بچے لیکن یہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی اور مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ برناباس نے جب یہ انجیل تحریر کی تو اِس وقت سریانی زبان رائج تھی۔ یہ انجیل

بھی یقیناً اسی زبان میں ہوگی۔ کئی بار مٹائے جانے کی کوششوں اور باقی بچ رہنے والے نسخوں کے کئی زبانوں میں تراجم کیے گئے۔ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اصل نسخے میں نام نامی احمد ہی درج ہوگا۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے لفظ منحمنا بھی استعمال کیا تھا لہٰذا عین ممکن ہے کہ بعد میں مترجم حضرات نے اسی سے لفظ محمد اخذ کرلیا ہو کیونکہ یہ لفظ محمد ہی کے ہم معنی ہے۔

○

یہود کی یاوہ گوئی

توراۃ کی صحت کے بارے میں بات ہو رہی تھی کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ بزرگوں کے مطابق علمائے یہود نے اتنا کچھ غلط ملط کر دیا ہے کہ کچھ اصلی ہے تو وہ بھی نقلی کی نذر ہو گیا یا اس میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس میں ایسی یاوہ گوئیاں موجود ہیں جو کسی نبی کے شایان شان نہیں ہو سکتیں اور باری تعالیٰ جو حکیم و خبیر ہے، ایسا کلام کیونکر نازل کرے گا۔ یہاں موجودہ توراۃ میں سے ایک مثال پیش کی جا رہی ہے اس سے اندازہ لگا لیں کہ اس میں کیا کچھ شامل کر دیا گیا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کا ایک نام اسرائیل بھی تھا اور بنی اسرائیل انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اللہ کے اس برگزیدہ نبیؑ کے بارے میں توراۃ میں یہ تک موجود ہے کہ (توبہ نعوذ باللہ) انہوں نے فرشتے اور خود اللہ تعالیٰ سے کشتی لڑی جو ساری رات جاری رہی اور یہود کے بقول آخرکار اللہ تعالیٰ کو درخواست کر کے یہ لڑائی رکوانا پڑی۔ جبکہ فرشتے میں کشتی سے حضرت یعقوبؑ غالب آ گئے۔ یہ خود ساختہ قصہ پیدائش اور ہوشیع کے باب میں موجود ہے۔

حضرت ہوشیع کے باب 12 میں لکھا گیا ہے کہ خداوند کا اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) کے ساتھ جھگڑا ہے۔ وہ یعقوب کو اس کی روش کے مطابق سزا دے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو بدلہ دے گا۔ اس نے رحم میں اپنے بھائی کی ایڑی پکڑی اور شہزوری کے ایام میں خدا سے کشتی لڑا۔ ہاں وہ فرشتے سے کشتی لڑا اور غالب آیا۔ پھر رو کر اس کی منت کی۔ بیت ایل میں اس نے اس کو پایا (آیت 3 تا 5)

کتاب پیدائش کے باب 32 میں خدا کے ساتھ کشتی کی ہانکی گئی ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ:

اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے تک ایک آدمی اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہ ہوا تو اس کی ران کی نس کو چھوا جو فوراً سکڑ گئی۔ تب وہ بولا کہ مجھے جانے دے۔ پو پھٹتی ہے وہ بولا کہ تجھے جانے نہ دوں گا جب تک کہ تو مجھے برکت نہیں دے گا۔ تب اس نے اسے کہا تیرا نام کیا ہے۔ وہ بولا کہ یعقوب۔ اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا کہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ لڑائی لڑی اور غالب آیا۔ تب یعقوب نے پوچھا اور کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں اپنا نام بتا۔ وہ بولا۔ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنوئیل رکھا اور جب وہ فنوئیل سے گزرتا تھا تو آفتاب اس پر طلوع ہوا۔ اور وہ اپنی ران سے لنگڑاتا تھا۔ اسی سبب سے بنی اسرائیل اس نس کو جو یعقوب کی ران میں سکڑ گئی تھی۔ آج تک نہیں کھاتے کیونکہ اس نے یعقوب کی ران کی نس کو چھوا تھا۔ (آیت 24 تا 32)

واضح رہے کہ اسرائیل کا لفظی مطلب ہی ''خدا سے کشتی کرنے والا'' ہے۔ اور یہ مطلب کہیں اور سے اخذ نہیں کیا گیا بلکہ خود یہود نے مقدس کتابوں کے جدید ترین ترجمہ میں دیا ہے۔ یہ ترجمہ 1954ء میں امریکہ میں یہودیوں کی پبلی کیشنز سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔ ترجمہ کے حاشیہ میں اس کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں انگریزی میں موجود ہے کہ HE WHO STRIVETH WITH GOD۔ اس کا اردو میں مطلب خدا سے زور آزمائی کرنے والے کے ہیں۔ مسیحی علما نے بھی ملتا جلتا ترجمہ دیا ہے۔ انہوں نے انجیل سے متعلقہ لٹریچر کے انسائیکلوپیڈیا میں اسرائیل کا جو ترجمہ دیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ

WRESTLER WITH GOD خدا کے ساتھ کشتی لڑنے والا۔ عبرانی میں اسرائیل کے انگریزی ہجے YISRAEL ہیں جبکہ عام انگریزی میں اسے ISRAEL لکھا جاتا ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی الہامی کتاب یا اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس نوعیت کی باتیں شامل ہو سکتی ہیں جن کو محض یاوہ گوئی یا بیہودگی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے دینا اسے خدا کی نازل کردہ وہ اصل کتاب بھی تسلیم نہیں کرتی جو باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اتاری۔ اوپر آپ نے توراۃ کے چودہ اقتباسات پڑھے ہیں۔ وہ بجائے خود مضحکہ خیز ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اور اس کی رضا کے بغیر پتا تک نہیں ہل سکتا۔ حضرت یعقوبؑ کے ساتھ کشتی لڑتا ہے اور فتحیاب نہیں ہوسکتا۔ یہود کے بیان کردہ اس خدا کو ہم اپنا رب تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور پھر ان کے خدا کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ کشتی کر رہا ہے۔ اسے تو اپنے مقابل کا نام تک معلوم نہیں۔ آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس کو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

○

حضرت موسیٰؑ کا پیغام

حضرت عیسیٰؑ ہی نہیں، ان سے پہلے حضرت موسیٰؑ نے بھی بنی اسرائیل کو آخری نبی کی آمد کی خبر دی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے پیش رو یعنی حضرت موسیٰؑ کا ہی مشن لے کر آئے تھے تا کہ گمراہ ہو جانے والے بنی اسرائیل کو راہ راست پر ڈالا جائے۔ آپؑ اس میں کس حد تک کامیاب رہے......؟ یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہمارا موضوع نبی کریمؐ کی آمد کی خبر ہے۔ آپؐ حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو سال اور حضرت موسیٰؑ سے تو اس سے بھی صدیوں بعد تشریف لائے۔ مذکورہ دونوں پیغمبروں نے آپؐ کی آمد کی ہی خبر دی تھی۔ بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے باری تعالیٰ سے اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا کہ انہیں اس نبیؐ کا امتی ہی بنا دیا جائے۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ یعنی باری تعالیٰ سے براہ راست کلام کرنے والے تھے انہوں نے یہ خواہش خود مولا کریم سے کی جو قبول نہیں کی گئی۔ نبی کریمؐ تشریف لائے تو توراۃ و انجیل اصلی حالت میں موجود نہیں تھیں بلکہ ان میں بے پناہ تحریف کی گئی تھی۔ اس تحریف کے بعد اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب نظر نہیں آتی بلکہ ایک طرح سے حضرت عیسیٰؑ کی سوانح حیات اور ان کے خطبات کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔ یہی صورتحال حضرت موسیٰؑ پر اترنے والی توراۃ کی ہے۔ لیکن تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کا موقف ہے کہ قرآن میں جس جگہ انجیل کا ذکر آیا ہے اس سے مراد وہی تحریف شدہ انجیل ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھی۔ اس بارے میں مولا کریم ہی بہتر جانتا ہے۔

اس تحریف شدہ انجیل سے نبی کریمؐ کا نام نامی یعنی احمدؐ حذف کر دیا گیا لیکن اس میں لفظ

فارقلیط موجود ہے جو عبرانی لفظ ہے اور اس کا مطلب احمد ہی ہے۔

سورۃ الصّف میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت عیسیٰؑ کی بات یاد دلائی ہے۔ آپؑ نے فرمایا تھا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے موجود ہے...... بزرگان دین کے مطابق حضرت عیسیٰؑ فرمارہے ہیں میں بھی وہی دین لے کر آیا ہوں جو مجھ سے پہلے موسیٰؑ لے کر آئے تھے۔ آپؑ نے نہ صرف حضرت موسیٰؑ بلکہ ان پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ کی بھی تصدیق کی۔ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے بارے میں توراۃ میں بشارتیں موجود تھیں اور آپؑ انہی بشارتوں کے مطابق تشریف لائے۔ وہ اپنے بعد آنے والے آخری نبیﷺ کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سابقہ انبیاء نے میری آمد کی خبر بھی دی ہے لہٰذا تمہیں میری مخالفت کی بجائے میرا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ پھر توراۃ میں حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی ہی نہیں بلکہ اس نبی کی آمد کی بھی خبر ہے جن کا نام نامی احمد ہوگا اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ قرآن کے مطابق وہ فرماتے ہیں کہ میں بشارت دینے والا ہوں ایک رسولﷺ کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا۔

حضرت موسیٰؑ نے بھی جناب رسول مقبولﷺ کی آمد کی واضح خبر دی تھی۔ آپؑ سے پہلے انبیاءؑ بھی آخری نبیﷺ کی خبر دیتے رہے ہیں۔ ہم تحریف شدہ توراۃ کو بھی دیکھیں تو ہمیں یہ امر واضح طور پر مل جاتا ہے۔ توراۃ کی کتاب استثنا کے باب 18 میں اپنی قوم سے حضرت موسیٰؑ کا خطاب دیا گیا ہے۔ اللہ کے یہ نبیؑ فرماتے ہیں:

> خداوند تیرا خدا، تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے، یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کو سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند، اپنے خدا کی آواز پھر سننا پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھ سے جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان

میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا۔ نہ سنے تو میں ان کا اس سے حساب لوں گا (آیت 15 تا 19)

حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو اس نبی کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی جس کا ذکر توراۃ اور پھر انجیل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس سے مراد یقیناً ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلہ ہے۔ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسماعیلؑ بھائی تھے۔ دونوں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ حضرت موسیٰؑ اگر حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے تھے تو رسول کریمؐ ان کے دوسرے بھائی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں لہٰذا یہ بات طے ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور رسول کریمؐ میں نسبی رشتہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد اگرچہ بنی اسرائیل میں کئی ایک نبی آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی نئی شریعت کا حامل نہیں تھا بلکہ وہ سب اسی شریعت پر کاربند تھے جو حضرت موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی۔ ان آیات میں آنے والے نبیؐ کے بارے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ کتاب اور شریعت لے کر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس شریعت سے لوگوں کو آگاہ کریں گے۔ ان کے لائے ہوئے احکامات پر عمل کرنے والوں کے لیے انعامات کا وعدہ ہے جبکہ نہ ماننے والے سزا کے مستحق ہوں گے۔

مذکورہ آیاتِ کے مطابق بنی اسرائیل نے اس نوعیت کی درخواست حورب کے مقام پر کی تھی۔ حورب اس پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں بنی اسرائیل کو شریعت عطا ہوئی۔ انہیں جن حالات میں شریعت ملی وہ اچھے حالات نہیں تھے۔ بنی اسرائیل کی درخواست کا مقصد اور مطلب تھا کہ آئندہ کوئی شریعت دی جائے تو اس قسم کے حالات میں نہ دی جائے جو شریعت موسوی کے نزول کے وقت تھے۔ ان حالات کا خود قرآن پاک میں بھی ذکر ہے۔

مفسرین نے بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین ہستیوں کے منتظر تھے۔ اس کا ذکر یوحنا کی انجیل میں موجود ہے۔ ان تین ہستیوں میں حضرت عیسیٰؑ،

حضرت ایلیاہ یعنی حضرت الیاس کی آمد ثانی۔ (تاریخ بتاتی ہے کہ وہ زندہ آسمان پر پہنچے تھے)۔
تیسرے ''وہ نبی'' جن کی آمد کی خبر خود حضرت مسیح اور ان سے پہلے کے انبیاء نے اپنی امتوں کو دی اور ان کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ انجیل یوحنا کے پہلے ہی باب میں ہے:

اور یوحنا (حضرت یحییٰؑ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لادی یہ پوچھنے کے لیے اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور نہ انکار بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ (الیاس) ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں۔ تو کیا تو وہ ''نبی'' ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا کہ پھر تو ہے کون؟...... اس نے کہا میں بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ تو مسیح ہے۔ نہ ایلیاہ اور نہ ''وہ نبی'' تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے (آیت 19 تا 25)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل انجیل کے نزول سے قبل بھی اس نبی کی آمد کے منتظر تھے جس کی خبر انہیں یقیناً حضرت موسیٰؑ اور توراۃ نے دی تھی۔ اس نبی یا وہ نبی سے ان کی واضح طور پر مراد حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والے نبی تھے جو شریعت کے حامل ہوں گے۔ اس سے یہ بھی مراد لی جاتی ہے کہ وہ آخری نبی ہوں گے کیونکہ ان کے بعد وہ کسی اور نبی کے منتظر نہیں تھے۔

تفہیم القرآن میں انجیل یوحنا کی کچھ دوسری پیش گوئیاں بھی دی گئی ہیں۔ جو اس کے باب نمبر 14 سے 16 تک موجود ہیں۔ اس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

☆ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا

کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی
کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ
تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے (باب 14 آیت 17,16)
☆ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی
روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب باتیں
سکھائے گا اور جو کچھ میں نے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا (آیت
26,25)

☆ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ
میں اس کا کچھ نہیں (آیت 30)

☆ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف
سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے صادر ہوتا ہے تو
وہ میری گواہی دے گا (باب 15 آیت 26)
☆ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے
کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر
جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (باب 16 آیت 7)
☆ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت
نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی
کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ
سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر
کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔
جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ سے

ہی حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا (باب 16 آیت 12 تا 15)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے بارے میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ وہ وہی کہتے ہیں جو ہم انہیں بتاتے ہیں یعنی حضورؐ جو کچھ لے کر آئے یعنی جو شریعت انہوں نے نافذ کی اور جو کتاب ان کے ذریعے آئی وہ سب احکامات الٰہی ہیں۔

انجیل کے ان بیانات میں بہت سے ابہام موجود ہیں۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے زمانے میں اس علاقے میں سریانی زبان بولی جاتی تھی۔ جو چاروں اناجیل رائج ہوئیں ان کے لکھنے والے حضرت عیسیٰؑ کی حیات میں عالم وجود میں نہیں آئے تھے۔ ان کی پیدائش بہت بعد کی ہے۔ انہوں نے یہ سب کچھ دوسروں سے سن کر لکھا۔ یہ چاروں یونانی بولنے والے تھے۔ انہوں نے جو کچھ سنا اسے اپنی زبان یعنی یونانی میں لکھا اور ہر زبان کے پیچھے، بولی اور محاوروں میں فرق ہوتا ہے۔ ہمیں جو ابہام نظر آرہے ہیں وہ بھی اسی وجہ سے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے بتادیں کہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کیا گیا ہے کچھ آیات قرآنی ایسی بھی ہیں جن میں خطاب کرنے والے خود اللہ کے یہ دونوں نبیؐ ہیں جن پر توراۃ اور انجیل اتاری گئی۔ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ یہ دونوں برحق کتابیں ہیں۔ قرآن پاک میں کسی بھی مقام پر ایسا کوئی ذکر نہیں جس سے ان کتابوں کے بارے میں کوئی شبہ پیدا ہوسکے بلکہ باری تعالیٰ نے تو ان کو نور قرار دیا ہے۔ مسلمان ان دونوں کتب کو مانتے ہیں۔ ان کو تسلیم کیے بغیر ہمارے ایمان کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ نبی کریمؐ کی پیدائش سے 570 سال قبل تھا۔ جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اس زمانے کو 610 برس گزر چکے تھے۔ وہ سینکڑوں برس قبل بنی اسرائیل کو ایک نبی کی آمد کی خبر دے رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ ان کا نام نامی احمدؐ ہوگا لہٰذا اس میں شک کی کوئی

گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انجیل میں ذکر مصطفیٰ موجود ہے۔ یہی صورتحال توراۃ کے ساتھ ہے۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل سے حضرت عیسیٰؑ کے خطاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور میں بنی اسرائیل محض یہودیوں پر مشتمل نہیں تھے بلکہ یہود و نصاریٰ دونوں بنی اسرائیل تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے امتی بنی اسرائیل میں سے ہی تھے۔ ان لوگوں نے یہودیت ترک کر کے دین عیسوی قبول کرلیا اور حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر کاربند رہنے کا عہد کیا تھا تاہم اس سے موسوی شریعت کی نفی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضرت موسیٰؑ کو دیا دین عیسوی پر کاربند رہنے والوں کے لیے بھی اسے قبول کرنا لازم تھا۔



حصہ سوئم

ظہورِ مہدیؒ، خروجِ دجال اور آمدِ عیسیٰؑ

امام مہدیؒ تشریف لاتے ہیں

غزوہ ہند مکمل ہو چکا ہے۔قدرت کاملا نے مسلمانوں کوعظیم فتح عطا کر دی ہے۔ مجاہدین جنت کی خوشخبری کے ساتھ واپس جا رہے ہیں۔ادھر دوسری جانب امام مہدیؒ تشریف لے آتے ہیں اور پھر حضرت عیسیٰؑ کا بھی آسمانوں سے نزول ہوتا ہے لیکن پہلے امام مہدیؒ، حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ترتیب کے اعتبار سے اگلے باب میں کیا جائے گا۔امام مہدیؒ کے دور کی ابتدااس شعر سے ۔

ناگاہ بہ موسم حج مہدی عیاں باشد
ایں شہرت عیانش مشہور در جہانہ

اچانک ایامِ حج میں امام مہدیؒ کا ظہور ہوتا ہے اوران کی آمد کی شہرت پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

امام مہدیؒ اچانک کیسے تشریف لاتے ہیں اور پوری دنیا میں یہ شہرت کیسے پھیل جاتی ہے۔اس پر احادیث مبارکہ کی روشنی میں ذرا تفصیل کے ساتھ بات ہوگی اور اس سلسلے میں جو حدیث دی جا رہی ہے ان کے راوی کوئی اور نہیں خود امہات المومنینؓ ہیں۔ چار امہات المومنین نے مختلف انداز میں اس کی روایت کی ہے۔ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت صفیہؓ شامل ہیں۔ پوری احادیث سے پہلے ان کا لب لباب بیان کر دیں کہ ایک شخص مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں چھپ جائے گا۔اس کے پیچھے ایک لشکر جائے گا جو سارا کا سارا دھنس جائے گا۔مکہ میں لوگوں کو اس ہستی کے بارے میں خبر ہو جائے گی۔وہ

رکن (حجرِ اسود والا کونہ) اور مقامِ ابراہیمؑ کے درمیان ہوں گے کہ لوگ ان کی بیعت شروع کر دیں گے۔ یہ شخصیت یقیناً امام مہدیؒ کی ہے کیونکہ احادیث میں ان کی بیعت کا یہی مقام بتایا گیا ہے۔

یہ شخصیت مدینہ سے کیوں بھاگی اور مکہ پھر مکہ میں کیوں پناہ لی......؟

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر فوج کشی کرے گا جب یہ مقام بیداء (مدینہ سے چند کلومیٹر دور شاہراہ ہجرہ پر مکہ کی طرف) پر پہنچے گا تو اسے شروع سے آخر تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! شروع سے آخر تک کیوں دھنسا دیا جائے گا جب کہ وہاں پر بازار بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی جو ان لشکریوں میں سے نہیں ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! شروع سے آخر تک دھنسا دیا جائے گا پھر اپنی نیتوں کے مطابق ان کا حشر ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ لشکر کس کا ہوگا اور یہ کعبہ پر فوج کشی کیوں کرنے جائے گا......؟ اس کی وضاحت کچھ دوسری احادیث سے ہوتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت وقت قوم اختلاف کا شکار ہو جائے گی۔ ایک آدمی بھاگ کر مدینہ سے مکہ چلا جائے گا۔ اس کے بعد مکہ کے کچھ لوگ اس کو زبردستی (غلاف کعبہ کے پیچھے سے) باہر نکال کر رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان اس سے بیعت کر لیں گے۔ حضرت ام سلمہؓ کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پناہ لینے والا بیت اللہ کی پناہ لے گا۔ اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ ابھی وہ وہیں ہوں گے کہ لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔

پناہ لینے والی یہ شخصیت یقینی طور پر امام مہدی ہوں گے۔ لوگ انھیں رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق پہچان لیں گے اور ان کو اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیں گے۔ اس وقت وہ بے سروسامان ہوں گے اور ان کی طرف جانے والا لشکر بھی مسلمانوں کا ہی ہوگا

لیکن وہ مدینہ سے نہیں بلکہ شام سے جائے گا۔ اس وقت شام پر ابوسفیانؓ کی اولادوں میں سے ایک شخص حکمران ہوگا جو سادات کا دشمن ہوگا۔ امام مہدی کی آمد کی خبر پا کر وہ آپؓ کے خلاف لشکر بھیجے گا لیکن اس کا وہ لشکر بدترین انجام سے دوچار ہو جائے گا۔ بیعت کے بعد امام مہدیؑ حکومت بنائیں گے اور فتوحات حاصل کریں گے۔

مسلم کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نیند میں اپنے ہاتھ پاؤں کو ہلایا تو ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے نیند میں وہ عمل فرمایا ہے جو پہلے نہیں کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تعجب ہے میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ کا ارادہ کریں گے۔ قریش کے ایک آدمی کو پکڑنے کے لیے جس نے بیت اللہ میں پناہ لی ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ جب ایک ہموار میدان (بیداء) میں پہنچیں گے تو انھیں دھنسا دیا جائے گا۔ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے میں تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! ان میں بااختیار مجبور اور مسافر بھی ہوں گے جو ایک ہی دفعہ ہلاک ہو جائیں گے اور مختلف طریقوں سے نکلیں گے اور (قیامت کے دن) اللہ انھیں ان کی نیتوں پر اٹھائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت صفیہؓ بھی اسی طرح کی حدیث کی راوی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ زمین کے ہموار میدان میں ہوں گے تو ان کے درمیانی لشکر کو دھنسا دیا جائے گا۔ ان کے آگے والے پیچھے والوں کو پکاریں گے۔ پھر انھیں بھی دھنسا دیا جائے گا سوائے ایک آدمی کے جو بھاگ کر ان کے بارے میں اطلاع دے گا، کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ امام مہدیؑ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوں گے کہ لوگ انھیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ ان کے پاس کوئی فوج یا ساز و سامان نہیں ہوگا۔ ان سے لڑنے کے لیے (شام سے) مسلمانوں کا ہی ایک لشکر مکہ کا رخ کرے گا لیکن مدینہ سے کچھ فاصلے پر ذوالحلیفہ پر یہ لشکر زمین میں دھنس جائے گا جو ایک دو لوگ باقی بچیں گے وہ لوگوں کو اس کی خبر دیں گے۔ ذوالحلیفہ بیداء سے پہلے آتا ہے اور یہ میقات بھی ہے۔ مدینہ والے حج

اور عمرے کا احرام یہیں سے باندھتے ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور مہدیؑ کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ ان سے لڑنے کے لیے فوج آئے جو راستے میں ہی زمین میں دھنس جائے گی۔ لگتا ہے کہ کوئی خوفناک زلزلہ آئے گا جو سارے لشکر کو تہہِ زمین میں لے جائے گا۔

شعر کے دوسرے مصرع کے مطابق یہ خبر یعنی ظہور مہدیؒ کی خبر پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔ اسی حوالے سے بتایا گیا ہے۔ لوگوں کو علم ہوگا تو وہ گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں آ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ شام کے ابدال، عراق کے اولیاء اور نیک لوگوں کی جماعتیں بیعت کے لیے آئیں گی جب کہ ہر شخص پر ان کی بیعت واجب ہوگی۔

تا سال بہتری از کان زھوقا آید
مہدی عروج سازد از مہد مہدیانہ

پھر زھوقا والا بہترین سال آ جائے گا اور امام مہدیؒ مہدیانہ ہدایت کے ساتھ اپنے عروج پر آ جائیں گے۔

یعنی امام مہدیؒ کا عروج اسلام کا بھی عروج ہوگا۔ احادیث مبارکہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ مشرقی ملک کی فوجوں کی مدد سے عرب میں ایک طاقتور اور مضبوط حکومت قائم کریں گے۔ احادیث میں ان کی حکومت کی مدت سات برس بتائی گئی ہے جس کے بعد وہ انتقال کر جائیں گے۔ ابوداؤد کے مطابق حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ قریش کا ایک شخص بنی کلب کا بھانجا ان کی طرف لشکر کشی کے لیے بھیجا جائے گا۔ وہ اس لشکر کو مغلوب کر لیں گے۔ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کریں گے اور اسلام اپنی گردن زمین پر لگا دے گا (غالب آ جائے گا) وہ سات برس رہ کر وصال پا جائیں گے۔ لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خراسان کے علاقے سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں گے۔ انھیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی یہاں

تک کہ وہ ایلیا (بیت المقدس) میں نصب کر دیے جائیں۔اس لشکر کے قائد کا نام منصور بتایا جاتا ہے۔

یہاں جس خراسان کا ذکر ہے وہ آج کا خراسان نہیں، ماضی میں یہ افغانستان اور اس سے ملحقہ کئی ممالک کے علاقوں پر مشتمل تھا۔ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن حارثؓ کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق کی جانب سے ایسے لوگ برآمد ہوں گے جو علاقوں پہ علاقے فتح کرتے ہوئے امام مہدیؒ کی مدد کو پہنچیں گے۔واضح رہے کہ عرب کے مشرق میں پاکستان،ایران اور افغانستان واقع ہے۔

نائب مہدی آشکار شود
بلکہ من آشکار مے بینم
قائم شرع و آل پیغمبرؐ
در جہاں آشکار مے بینم

نائب مہدی اس دنیا میں تشریف لائیں گے بلکہ میں تو انھیں آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔میں دنیا میں پیغمبرؐ کی شرع قائم کرنے والے کو صاف دیکھ رہا ہوں۔

یہ اشعار بھی احادیث مبارکہ کے مطابق ہیں۔ترمذی کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینا اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہلِ بیت سے تعلق رکھنے والا اعرب کا فرمانروا نہ ہو۔جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں مہدی پیدا ہوں گے۔اگر وہ دنیا میں بہت کم رہے (حکومت کی) تو سات برس رہیں گے ورنہ نو برس ضرور رہیں گے۔ان سے میری امت اس قدر خوش ہوگی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔زمین کا اس کے زمانے میں یہ حال ہوگا کہ اس میں پھل پیدا کرنے کی جس قدر صلاحیت ہے سب پیدا کرے گی۔پھل کا کچھ حصہ بھی باقی نہ رہے گا۔مال کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ ان کے سامنے ڈھیر لگا ہوگا۔لوگ ان سے کہیں گے کہ مہدی ہمیں مال دو۔وہ

جواب دیں گے جتنا چاہے لے لو۔ ایک دوسری روایت ہے کہ ایک شخص اگر کہے گا اے مہدی مجھے دیجئے۔ وہ اس کے کپڑوں پر اتنا مال وزر ڈال دیں گے جس قدر وہ اٹھا سکے۔ اس شعر میں ان کی خوبصورتی کا ذکر کیا گیا ہے۔

صورت یمنہ ہمہ خورشید
بنظر آشکار ے بینم

میں اس کی جو صورت دیکھ رہا ہوں وہ دوپہر میں چمکنے والے سورج کی مانند ہے۔

ابوداؤد میں ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ایک حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی مجھ سے ہے۔ وہ وسیع پیشانی اور اونچے ناک والا ہوگا اور زمین کو عدل وانصاف سے چمکا دے گا جب وہ ظلم وستم سے بھر گئی ہوگی۔ وہ سات برس فرمانروائی کرے گا۔

امام مہدیؒ کے بارے میں چند مزید احادیث مبارکہ بیان کرنے سے پہلے ایک جنگ کا ذکر کر دیں جو انجیل میں ہے۔ یہ جنگ ہرمجدہ یا ہرمجدون کے مقام پر لڑی جائے گی جس میں ایک جانب حق اور دوسری جانب باطل کی قوتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مقام اسرائیل میں موجود ہے اور احادیث پاک سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک لڑائی میں مسلمان اور عیسائی یکجا ہو کر لڑیں گے۔ فتح کے حصول کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا جس کے بعد یہ باہم جنگ آزما ہو جائیں گے۔ پھر مدینہ سے ایک بہترین لشکر لڑنے کے لیے جائے گا۔ اسلامی لشکر کے ایک تہائی لوگ بھاگ جائیں گے۔ ایک تہائی شہید ہوں گے اور باقی ایک تہائی فتح حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بھاگنے والوں کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔ شہید ہونے والے افضل شہدا میں ہوں گے اور فتح حاصل کرنے والوں کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اس لشکر کی قیادت امام مہدی کر رہے ہوں گے یہودیوں کے ساتھ لڑائی کے بارے میں بھی ایک حدیث ہے۔ اس لڑائی میں دو تہائی یہودی مارے جائیں گے۔ درخت اور پتھر تک بتائیں گے کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ صرف غرقد (جنگلی کیکر) کا درخت خاموش رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہمارا دشمن درخت ہے۔ یہ احادیث کافی طویل ہیں مگر یہاں انھیں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

کچھ اور احادیث بیان کرتے ہیں۔ حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے ایک خزانے کے پاس تین خلفا کے بیٹے قتل کیے جائیں گے لیکن کسی کو وہ خزانہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ نشان نمودار ہوں گے وہ تمھیں ایسا قتل کریں گے کہ پہلے کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے کچھ اور کہا جسے میں یاد نہ رکھ سکا۔ جس کے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا خلیفہ مہدی ظاہر ہوگا۔ جب تم اسے ظاہر ہوتا دیکھو تو گھٹنوں کے بل برف پر گھسٹ کر بھی جانا پڑے تو اس کی بیعت کر لینا کیونکہ وہ مہدی خدا کا خلیفہ ہوگا۔ (ابن ماجہ۔ جلد دوم)

یہی حدیث حضرت عبداللہؓ نے اس طرح بیان کی ہے ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ چند ہاشمی نوجوان آئے۔ انھیں دیکھ کر حضور ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ! ہم آپ ﷺ میں کوئی نہ کوئی بات ضرور دیکھتے ہیں جس سے ہمیں دکھ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بدلے عزت عطا کی۔ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے کہ میرے اہلِ بیت بہت سختی اور تکلیف میں ہوں گے۔ ان پر بڑی مصیبتیں آئیں گی۔ حتیٰ کہ مشرق اور مغرب سے کچھ لوگ آئیں گے جن کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہوں گے۔ ان کا مقصد دنیا کے خزانوں پر قبضہ کرنا ہوگا لیکن یہ لوگ انھیں روکیں گے۔ وہ لوگوں سے جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں فتح عطا فرمائے گا۔ جس کام کا وہ ارادہ کریں گے وہ پورا ہوگا۔ اس وقت یہ لوگ حکومت کو پسند نہ کریں گے۔ بلکہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو اپنا سردار مقرر کریں گے۔ وہ شخص زمین کو عدل سے اس طرح بھر دے گا جس طرح لوگوں نے اسے ظلم سے بھر دیا تھا۔ تم میں سے جو شخص اس زمانے کو پائے وہ ان لوگوں میں شریک ہو جائے۔ اگرچہ اسے گھٹنوں کے بل زمین پر کیوں نہ چلنا پڑے۔ (ابن ماجہ)

امام مہدی کے حوالے سے بہت سی احادیث مبارکہ ہیں مگر موضوعات کے اعتبار سے اس جگہ تفصیل کی گنجائش نہیں لہٰذا انھی احادیث پر اکتفا کیا جا رہا ہے جو بزرگ کے شعروں کی مناسبت سے احادیث کی کتب میں موجود ہیں۔ بیان کردہ احادیث پاک کے حوالے سے ہی چند اور اشعار دیے جا رہے ہیں۔

میم و حا و میم و دال خوانم

نام آں نامدار مے بینم

میں اس کا اسم گرامی محمد (م، ح، م، د) دیکھ رہا ہوں اور پڑھ بھی رہا ہوں۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ اس (مہدی) کا نام میرے نام پر ہوگا۔ بعض روایات کے مطابق مہدی کا تعلق امام حسنؓ کی اولادوں میں سے ہوگا۔ یہ شعر بھی اسی حوالے سے ہے۔

بعد از خود امام خواہد بود

پس جہاں را مدار مے بینم

اس کے بعد وہ خود ہی امام ہوگا۔ پس میں دنیا کو ایک مرکز میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ اصل میں غلبۂ اسلام کی نوید ہے۔ اس بارے میں اوپر احادیث مبارکہ بھی دی جا چکی ہے۔

دین و دنیا از و شود معمور

خلق ذو بختیار مے بینم

دین اور دنیا اس کی وجہ سے آباد ہو جائے گی میں خلق یعنی لوگوں کو خوش قسمت دیکھ رہا ہوں۔ اس بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ ہر طرف انصاف ہوگا اور لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔ اس سلسلے کا یہ شعر ہے۔

گنج کسریٰ و نقد سکندر

ہمہ بر روئے کار مے بینم

میں کسریٰ کے خزانے اور سکندر کے نقد یعنی مال کو کام میں لگا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کے دور میں مال کی فراوانی ہوگی اور دوسرا مطلب یہ ہے جن علاقوں پر کسریٰ اور سکندر کی حکمرانی تھی وہ اب مہدیؒ کی عملداری میں ہوں گے۔

ایں جہاں گر چو مصر مے نگرم

او را مثل حصار مے بینم

میں اس جہاں کو ایک شہر اور اس ہستی کو ایک قلعہ کی مانند دیکھ رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ مہدیؒ کی حکمرانی نہ صرف وسیع علاقے پر ہوگی بلکہ وہ مضبوط اور مستحکم حکومت کے مالک بھی ہوں گے۔

بر کفِ دستِ ساقی وحدت

بادہ خوشگوار مے بینم

ساقی وحدت کے ہاتھ میں میں خوشگوار شراب دیکھ رہا ہوں۔ یہاں باری تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ شراب وہ نہیں جو اس دنیا میں نشہ کے لیے استعمال ہو رہی ہے اور حرام ہے۔ شراب کو یہاں ایک استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مراد پاک شراب ہے ویسی ہی شراب جو جنت میں اللہ کے نیک بندوں کو پیش کی جائے گی اور جس میں نشہ نام کی کسی شے کا عمل دخل نہیں ہوگا۔

تیغ ایں دلانِ زنگ زدہ

کندو بے اعتبار مے بینم

میں زنگ زدہ دلوں کی فولادی تلوار کو نہ صرف کند بلکہ بے اعتبار بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر سیاہی جم چکی ہے اور اس سیاہی نے ان کے دلوں کو کند یعنی ناکارہ کر دیا ہے جن پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

گرگ با میش شیر با آہو

در چرا با قرار مے بینم

میں بھیڑ کو بھیڑیے اور ہرن کو شیر کے ساتھ ایک ہی چراگاہ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس زمانے میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے یعنی انصاف کا دور دورہ ہوگا اور کوئی کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

مہدی وقت و عیسیٰؑ دوراں

ہر دو شہسوار مے بینم

میں وقت کے مہدیؓ اور زمانے کے عیسیٰؑ کو شاہسوار دیکھ رہا ہوں یعنی دونوں ہستیاں اپنی حکمرانی کے عروج پر ہوں گی۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ حکمرانی کریں گے۔

○

دجّال کا خروج

اب دجالِ لعین کے خروج کی جانب آتے ہیں۔ اصل میں قربِ قیامت کے بہت سے معاملات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں حضرت امام مہدیؑ کی آمد اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمانوں سے اتر کر زمین پر آنا بھی شامل ہیں۔ خصوصاً یہ تینوں معاملات ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں اور یکے بعد وقوع پذیر ہونے والے ان واقعات کا وقت بھی قریباً ایک ہی ہے۔ دجال کا خروج امام مہدیؑ کے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے پہلے ہوگا اور یہ امر صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

زیں بعد از اصفہان دجال ہم در آید
عیسیٰؑ در قتلش آید ز آسمانہ

اس کے بعد یعنی امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد اصفہان سے دجال آئے گا اور اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے۔ اس شعر کی مزید تشریح تو حضرت عیسیٰؑ کے باب میں کی جائے گی تاہم دجال کے بارے میں یہ شعر فرمانِ رسول اللہ ﷺ کے عین مطابق ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بھی دجال کے خروج کے لیے مشرق کی جانب اشارہ کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مشرق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ دجال کا ادھر سے خروج ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کی ایک آنکھ ہوگی۔ وہ پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا اور اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا۔

دجال کے خروج کے بارے میں مختلف تھیوریاں پیش کی گئی ہیں۔ مختلف مذاہب کی

مختلف تھیوریاں ہیں۔ بعض کے مطابق یہ برامودا جزیرے میں قید ہے۔ یہ جزیرہ پراسرار حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اب تک کئی ہوائی جہاز، بحری جہاز اور کشتیاں وغیرہ غرق ہو چکی ہیں اور کوئی یہ بتانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ انتہائی طاقتور مقناطیسی لہریں ہیں جو آن واحد میں ہر شے کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں۔

یہ تھیوری اس لیے درست نہیں کہ برامودا کی مثلث بحر اکاہل میں ہے جب کہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا۔ ایسے میں نعمت اللہ شاہ ولیؒ نے اس کے اصفہان سے خروج کی بات کی ہے جو قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ احادیث میں اس حوالے سے کیا کہا گیا ہے..... ان کی جانب آنے سے پہلے بزرگ کے مزید اشعار کا جائزہ لے لیا جائے۔

سمت مشرق زیں طلوع کنند

ظہور دجال زار مے بینم

میں دجال کو مشرق کی جانب سے طلوع ہوتے ہوئے یعنی اس کا خروج ہوتے دیکھ رہا ہوں اور بزرگ نے احادیث پاک کے مطابق بات کی ہے کیونکہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا مقام ہی اور ہے کوئی عام مسلمان بھی فرمانِ رسول ﷺ کے منافی سوچ تک نہیں سکتا۔

رنگش یک چشم او بچشمِ کبود

خرے بر خر سوار مے بینم

اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی ہوگی اور گدھا ایک گدھے پر سوار ہوگا۔ یہ بات بھی حدیث میں موجود ہے۔ البتہ انھوں نے یہ اچھی اصطلاح استعمال کی ہے کہ ایک گدھا گدھے پر سوار ہوگا۔

لشکر او بود اصفہان

ہم یہود و نصاریٰ مے بینم

اس (دجال) کا لشکر اصفہان میں ہوگا۔ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو اس کے

ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ بتایا گیا ہے کہ دجال یہودی ہے اور اس کے ساتھ لشکر میں 70 ہزار یہودی ہوں گے۔

یہودیوں کے ساتھ بزرگ نے ہندوؤں کا نہیں عیسائیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ ذکر غالباً اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس علاقے میں ہندو موجود ہی نہیں۔ ہندوؤں کا واحد مسکن بھارت ہے وہ اس علاقے میں معمولی تعداد میں ہی ہو سکتے ہیں البتہ بزرگ نے عیسائیوں کا عنصر شامل کیا ہے۔ ہمیں جہاں تک علم ہے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ انھیں آسمانوں پر لے جائیں گے اور انھیں قیامت کی سختیاں برداشت نہیں کرنا پڑیں گی۔

ہم مسیح از سماء فرود آید !!
پس کوفہ غبار مے بینم

حضرت مسیحؑ بھی آسمان سے اتر آئیں گے اور میں کوفہ میں گرد و غبار دیکھ رہا ہوں۔

جی ہاں! حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ دجال انھیں دیکھتے ہی اس طرح پگھلے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے لیکن حضرت عیسیٰ انھیں اپنے نیزے سے قتل کریں گے اور اس کا خون دکھائیں گے۔ کوفہ میں گرد و غبار اڑنے کا مطلب تو تباہی و بربادی ہی ہے اور اگلا شعر اس کی تصدیق کرتا ہے۔

کوفیاں تمام کشتہ شوند
با ہزاروں سوار مے بینم

سارے کوفی مارے جائیں گے میں مسیحؑ کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں سوار (مجاہد) دیکھ رہا ہوں۔

ان کوفیوں کو دجال مارے گا یا پھر یہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدیؒ کے لشکر کا نشانہ بنیں گے......؟ فی الحال اس حوالے سے کوئی وضاحت موجود نہیں تاہم مذکورہ دونوں اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ میں کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ دوسرے مصرع میں حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہزاروں

مجاہدین کی موجودگی کا ذکر ہے جب کہ پہلے مصرع میں سارے کوفیوں کے مارے جانے کی خبر دی گئی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت مسیحؑ کے لشکر کے ہاتھوں فنا ہوں گے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ کوفی دجال کا ساتھ دیں گے۔

اب حدیث مبارک کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ دجال کہاں ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت سے مسلم کی ایک حدیث دو حصوں میں دی جارہی ہے۔ جس کا آخری حصہ پہلے درج ہے۔اس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آگاہ رہو! دجال شام یا یمن کے سمندر میں نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف ہے...... وہ مشرق کی طرف ہے اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔ اب پہلے حصہ کی طرف آتے ہیں۔ دراصل یہ ایک طویل حدیث ہے۔ جس میں سے صرف دجال کے بارے میں ذکر کیا جارہا ہے اور یہ دجال کے حوالے سے جسے اختصار کے ساتھ دیا جارہا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمیم داری نصرانی آدمی تھے۔ پس وہ آئے۔ اسلام پر بیعت کی مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی۔ جو اس خبر کے موافق ہے جو میں تمھیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ انھوں نے مجھے خبر دی کہ وہ بنولخم اور بنو جزام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے۔ میں انھیں ایک ماہ تک بحری موجیں دھکیلتی رہیں۔ پھر وہ سمندر میں ایک جزیرہ تک پہنچے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے۔ انھیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے وہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ نہ پہچان سکے تو انھوں نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا اے قوم! اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو کیونکہ وہ تمھاری خبر کے بارے میں بہت شوق رکھتا ہے۔ پس جب اس نے ہمارا نام لیا تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں وہ جن ہی نہ ہو۔ پس ہم جلدی جلدی چلے اور گرجے میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا انسان تھا کہ اس سے پہلے ہم نے کوئی اتنا بڑا انسان اتنی سختی سے بندھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھا ہوا

تھا اور گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا تم میری خبر معلوم کرنے پر قادر ہو ہی گئے تو تم بتاؤ کہ تم کون ہو......؟ انھوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں ہم دریائی جہاز میں سوار ہوئے تو سمندر کو جوش میں پایا۔ پس موجیں ایک مہینہ تک ہم سے کھیلتی رہیں پھر ہمیں تمھارے اس جزیرے تک پہنچا دیا تو ہمیں بہت موٹے اور گھنے بالوں والا ایک جانور ملا۔ ہمارے پوچھنے پر اس نے کہا میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا جساسہ (جاسوس) کیا ہوتا ہے۔ اس نے ہمیں تمھاری طرف بھیج دیا۔ اس نے کہا مجھے بیسان کے باغ کے بارے میں خبر دو۔ میں اس میں کھجوروں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہم نے کہا ہاں (پھل آتا ہے) اس نے کہا عنقریب زمانہ آنے والا ہے کہ وہ درخت، پھل نہ دیں گے۔ پھر اس نے کہا مجھے بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ۔ ہم نے کہا اس میں پانی کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ اس نے کہا عنقریب اس کا سارا پانی ختم ہو جائے گا۔ اس نے کہا مجھے زغر کے چشمہ کے بارے میں بتاؤ۔ ہم نے کہا ہاں! یہ کثیر پانی والا ہے اور لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا مجھے امیوں کے نبی ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ انھوں نے کیا کیا......؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکلے اور یثرب یعنی مدینہ میں اترے ہیں۔ اس نے کہا کیا راستے میں عرب نے جنگ کی ہے۔ ہم نے کہا ہاں! اس نے کہا انھوں نے اہل عرب کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم نے اسے خبر دی کہ وہ اپنی ملحقہ حدود کے عربوں پر غالب آ گئے اور انھوں نے اطاعت کی۔ اس نے کہا کیا ایسا ہو چکا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ ہاں! اس نے کہا ان کے حق میں یہ بات بہتر ہے کہ وہ ان کے تابعدار ہو جائیں۔ اور میں تمھیں اپنے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ میں مسیح (دجال) ہوں۔ عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ پس میں نکلوں گا تو میں زمین میں چکر لگاؤں گا اور چالیس راتوں میں ہر ہر بستی میں اتروں گا مگر مکہ اور طیبہ (مدینہ) کے سوا کیونکہ اس دونوں میں داخل ہونا میرے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ جب میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو فرشتہ برہنہ تلوار لے کر سامنے آ جائے گا۔ اس کی ہر گھاٹی پر فرشتے پہرہ دار ہوں گے۔

حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی کو منبر پر چھویا اور فرمایا یہ طیبہ ہے۔ یہ طیبہ ہے۔ یہ طیبہ ہے (یعنی مدینہ ہے) کیا میں نے یہ باتیں تمہیں پہلے ہی بیان نہ کر دی تھیں؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر فرمایا بے شک! مجھے تمیم کی اس خبر سے خوشی ہوئی کہ وہ اس حدیث سے موافق ہے جو میں نے تمہیں دجال اور مدینہ و مکہ کے بارے میں بیان کی تھی۔

اس کے بعد وہ حصہ ہے جو اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

دجال کے حوالے سے ایک اور شعر

سالہا چوں سیزدہ می بگذارد فرمان او
شورش و غوغا اختلافش در مردماں پیدا شود

تیرہ برس گذر جائیں گے (دجال کے خروج کو) تو لوگوں میں اس کے خلاف شورش و ہنگامہ ہی نہیں اختلاف بھی پیدا ہو جائے گا۔

یہ تیرہ برس کیسے ہوں گے جب کہ خود دجال نے دنیا بھر میں جانے یا پھرنے کو چالیس راتوں کا عرصہ قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں ہم احادیث رسول ﷺ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ نبی کریمؐ کا فرمان ہے کہ دجال دنیا میں چالیس دن قیام کرے گا۔ اس سلسلے میں ایک طویل حدیث کا متعلقہ حصہ دیا جا رہا ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے۔ آپؐ کے مطابق صحابۂ کرامؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! وہ (دجال) زمین میں کتنا عرصہ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ چالیس دن اور اس کا ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینہ کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا اس میں ایک دن کی نماز پڑھ لینا کافی ہوگا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا۔

معلوم نہیں ایک سال، مہینے یا ہفتے کی کیا صورت ہوگی لیکن دنوں کے موجودہ نظام کے مطابق حدیث پاک سے دجال کے دنیا میں قیام کی مدت ایک سال دو ماہ اور دو ہفتے بنتی ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔

سب لوگ بندر بنا دیئے گئے ہیں۔ اس نے سب مسلمانوں کو خبر دی۔ وہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں۔ یہ خود تو کسی کو پہچان نہ سکے لیکن وہ پہچان گئے اور ہر بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگا تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کررہے تھے لیکن تم نے مانا ہی نہیں۔ وہ سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں برباد کیا ہے۔

سورۃ بقرۃ کی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام صاحب نے واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہاں اسے مختصراً دیا جارہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم ضروری کی گئی تھی اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں انہوں نے مکاری کی۔ گڑھے کھود لیے۔ رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ یہاں پھنس جاتیں تو اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا جاتا اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی گئی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور قرآن کے ظاہر الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جوان لوگ بندر بن گئے اور بوڑھے سور بنا دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں یہ تمام مرد اور عورتیں دم والے بندر بنا دیئے گئے آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکروحیلہ سے روکتے تھے وہ آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ بندر جواب ہیں اور جو اس وقت بھی تھے یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح

کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ اپنے غضب وغصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذات سے نجات دے آمین)

امام صاحب لکھتے ہیں کہ مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی۔ایک دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لیے۔ایک مدت اسی طرح گزر گئی ایک دن صبح مسلمان جاگے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ لوگ متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ جب زیادہ دیر گزر گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا۔وہاں عجب منظر نظر آیا۔تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے تھے۔ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریا بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے۔خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں شاہد ہیں کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ان کی ظاہری صورتیں بھی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔واللہ اعلم۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر "ضیاء القرآن" میں لکھتے ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ ان کی شکلیں بھی بندروں کی سی ہو گئی تھیں اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے اور یہ کوئی امر محال نہیں۔جو بد بخت اس کے تشریعی قانون کو مسلسل توڑتے رہے ہوں، اگر اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی قانون میں ان کو سزا دینے کے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر دے تو اس میں کیسا استحالہ ہے؟

نیز جو تخلیق آدم کے بارے میں ڈارون کے نظریہ ارتقا پر ایمان لا چکے ہیں، ان کے لیے تو سرے سے اس میں اچنبے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ بھی تو سلسلہ ارتقاء کی ایک کڑی ہے۔ مستقیم نہ سہی ارتقاء معکوس سہی۔ بہر حال ہے تو ارتقاء ہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ جن کو حکومت اور قانون سازی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، وہ لوگ ان آیات کو بار بار پڑھیں۔ اس واقعہ کا ذکر پروردگار نے صرف ہماری عبرت پذیری کے لیے کیا ہے۔ داستان سرائی قرآن کا مقصود نہیں۔



طالوت کی بادشاہت اور اس کے بعد

قرآن نے بنی اسرائیل کی ناشکری کی ایک اور داستان بیان کی ہے جس کا سورۃ بقرہ میں تفصیل سے ذکر ہے۔

بنی اسرائیل نے اپنے بنیؑ سے مطالبہ کیا کہ ان پر ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی قیادت میں جہاد کریں۔ بنیؑ نے فرمایا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ممکن ہے تم وہ نہ کر سکو مگر یہود کا جواب تھا کہ ہمیں گھر سے بے گھر کر دیا گیا لہٰذا ہم جہاد کیوں نہ کریں گے چنانچہ بنیؑ نے حکم ربی کے تحت حضرت طالوت کو ان پر بادشاہ مقرر کر دیا تو وہ اپنے قول سے پھر گئے کیونکہ طالوت ان میں سے نہیں تھے اور کسی مالدار گھرانے سے بھی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اس کے بعد یہود کا رویہ کیسا تھا......؟ یہ جاننے سے پہلے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے بنیؑ تھے جن سے بادشاہ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

کچھ بزرگوں نے یوشع بن نون کا نام لیا ہے لیکن حضرت یوشعؑ اور حضرت موسیٰؑ کا زمانہ قریباً ایک ہی ہے اور یہ واقعہ بہت بعد کا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ حضرت داؤدؑ کے دور کا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ میں قریباً ایک ہزار سال کا فرق ہے۔ ان کے مطابق یہ جناب شمائیل یا شمعونؑ ہیں۔ حضرت موسیٰ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد یہود پھر سرکشی پر اتر آئے تو باری تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ حالانکہ ان پر بڑی تعداد میں انبیاءؑ مبعوث ہوئے۔ انہیں توراۃ اور تابوت سکینہ کی برکت کے باعث غلبہ حاصل تھا مگر باری تعالیٰ نے ان سے یہ نعمتیں چھین لیں جبکہ نبیوںؑ کی آمد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ لاوی کے جس خاندان میں

نبی پیدا ہوتے تھے اس کے سب افراد جنگوں وغیرہ میں کام آ گئے۔ ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو وقت آنے پر اسے نبوت عطا کر دی گئی اور یہی جناب شمعونؑ تھے جن سے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

طالوت کو بادشاہ مقرر کرنے کے ساتھ ہی جہاد بھی فرض کر دیا گیا۔ اس پر یہود بہت سٹپٹائے۔ جب انہیں جہاد میں بادشاہ کا ساتھ دینے کے لیے کہا گیا تو اکثریت نے منہ پھیر لیا۔ محض چند لوگ تھے جو جہاد پر آمادہ ہوئے۔ طاعوت ایک مفلس شخص تھے۔ کسی شاہی خاندان میں سے نہیں تھے۔ نہ ہی مالدار گھرانے سے تھے۔ سب سے بڑی بات کہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے بھی نہ تھا...... انہی وجوہات پر یہود نے بادشاہت پر اپنا حق جتایا تو نبی شمعونؑ کا جواب تھا کہ یہ میرا فیصلہ نہیں۔ یہ حکم ربی ہے۔ یہ عالم ہیں، طاقتور ہیں اور فنون حرب سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں۔

قرآن کے مطابق نبیؑ نے انہیں طالوت کی بادشاہت کی علامتیں بتائیں کہ تمہیں کھویا ہوا تابوت سکینہ واپس مل جائے گا جس میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے تبرکات ہیں۔ یہ تابوت کیسا تھا......؟ اس کے بارے میں بھی کئی ایک روایات ہیں کہ یہ سونے کا طشت تھا جس میں انبیاءؑ کے دل دھوئے جاتے تھے۔ یہ حضرت موسیٰؑ کو ملا تو آپؑ نے اس میں توراۃ کی تختیاں رکھ دیں۔ کچھ لوگوں نے اس سے مختلف شکل بیان کی ہے تاہم جو بھی صورت ہو یہ ایک مقدس چیز تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کفار نے یہود پر غلبہ حاصل کیا تو وہ ان سے یہ تابوت چھین کر لے گئے اور اسے اپنے بت کے نیچے رکھ دیا مگر بار بار کی کوشش کے باوجود وہ کامیاب نہ ہوئے اور تابوت بت کے اوپر آ جاتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ طالوت بادشاہ بنے تو فرشتے تابوت کو زمین اور آسمان کے درمیان اٹھائے ہوئے لائے اور جناب طالوت کو پیش کر دیا۔ اس حوالے سے اور روایات بھی ہیں مگر حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مقابلے میں ان کی اہمیت نہیں ہے۔ تابوت کی واپسی کے بعد یہود کو یقین آ گیا کہ شمعونؑ واقعی نبی اور طالوت بادشاہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جناب

شمعونؑ نے بھی اپنی نبوت اور طالوت کی باد شاہت کی یہی دلیل دی تھی کہ تابوت فرشتے لیکر آئیں گے۔

مذکورہ امر تسلیم کر لینے کے بعد یہ لوگ 80 ہزار کی تعداد میں جہاد کے لیے طالوت کے ساتھ ہو گئے۔ راستے میں اردن اور فلسطین کے درمیان الشریعہ نام کی ایک نہر تھی۔ جناب طالوت نے انہیں خبردار کیا کہ اس نہر کا پانی نہ پیا جائے مگر انہوں نے پروانہ کی اور چند کے سوا تمام نے پیٹ بھر کر پانی پیا تو وہ جہاد کے قابل ہی نہ رہے۔ کہا گیا ہے کہ اسی ہزار میں سے صرف چار ہزار ایسے تھے جنہوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ قصہ یوں ہے کہ نہر پار کر کے جب دشمن کے لشکر پر نظر پڑی تو پانی پینے والوں کی بزدلی سامنے آ گئی اور انہوں نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ تاہم مولا کریم نے طالوت کے مٹھی بھر لشکر کو دشمن پر فتح عطا کر دی۔ جس لشکر پر فتح عطا کی گئی وہ جالوت کا تھا۔

قرآن اس بارے میں بیان کرتا ہے کہ جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے۔ ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا۔ جالوت حضرت داوٗدؑ کے ہاتھوں قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داوٗدؑ کو مملکت، حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔ (بقرہ:251-250)

اس سارے معاملے میں حضرت داوٗدؑ کا کیا کردار ہے جبکہ بادشاہ طالوت اور نبی حضرت شمعونؑ تھے۔ پھر بادشاہت اور نبوت حضرت داوٗدؑ کے حصے میں کس طرح آ گئیں......؟

روایات میں ہے کہ حضرت داوٗدؑ طالوت کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اس لڑائی میں ان کے مٹھی بھر لشکر کا جالود کے ٹڈی دل لشکر سے مقابلہ تھا۔ 80 میں سے 76 ہزار بنی اسرائیلی لڑائی سے منہ موڑ چکے تھے۔ ایسے میں صورتحال بڑی نازک تھی۔ مسلمانوں کی مختصر جماعت نے رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ یہاں یہ واضح کر دیں کہ ہر بتی کے ماننے

والے اور سچے پیروکار مسلمان تھے۔ حضرت آدمؑ سے نبی کریمؐ تک کی تمام امتیں مسلمان ہی کہلاتی ہیں اور یہ مولا کریم کا فیصلہ ہے۔

مسلمانوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! اس لشکر کے مقابلے میں ہمیں صبر و استقامت اور ہمت وشجاعت کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی ہو تو ہم منہ پھیر کر بھاگنے والوں میں سے نہ ہوں بلکہ قدم جما کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ مولا کریم تو ہمیں دشمن پر غالب کر دینا اور فتح نصیب فرمانا۔ اور پھر مولا کریم نے ان کی دعائیں قبول کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوگئی۔ یہ مختصر سا لشکر دشمن کے لشکر جرار پر چھا گیا اور اسے تہس نہس کر دیا۔

حضرت داؤدؑ کے کردار کے بارے میں اسرائیلی روایات بتاتی ہیں کہ جناب طالوت نے حضرت داؤدؑ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ جالوت کو قتل کر دیں تو میں اپنی بیٹی کی تمہارے ساتھ شادی کرنے کے علاوہ تمہیں اپنی آدھی دولت اور سلطنت دے دوں گا۔ حضرت داؤدؑ نے ایک فلاخن (اس دور کا ہتھیار) میں پتھر رکھا اور تاک کر جالوت کو نشانہ بنایا۔ یہ پتھر سیدھا جالوت کو لگا اور وہ مارا گیا۔ طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت داؤدؑ کو حکومت میں شریک کرلیا۔ آخر کار نہ صرف ساری سلطنت بلکہ نبوت بھی حضرت داؤدؑ کے حصے میں آگئی۔ بعد میں حضرت داؤدؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ نے ان علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی جو ابھی تک بنی اسرائیل کے لیے محض خواب کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یہ معاملہ صرف حضرت سلیمانؑ کے دور تک رہا۔

طالوت کی بادشاہت سے پہلے بیت المقدس کے علاوہ مجدہ، دور، حیدا، صور، جزر، بیت شان اور کئی دوسرے علاقے ان قوموں کے قبضے میں تھے جو خدائے واحد کی بجائے دیوی دیوتاؤں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے۔ جبکہ موآبیوں، فلیتوں، عمونیوں اور ادومیوں وغیرہ کی سلطنتیں بھی موجود تھیں جنہوں نے بہت زیادہ طاقت حاصل کرلی تھی۔ انہی قوموں نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر بنی اسرائیل کے زیر قبضہ کئی علاقے ان سے چھین لیے اور وہ بے بسی کی زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد حکومت ان کے بیٹے کو ملی جو نااہل ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل بھی آپس میں دست و گریباں تھے۔ اسی صورت حال میں متحدہ کی بجائے انہوں نے دو علیحدہ ریاستیں قائم کرلیں ان میں ایک سلطنت یہود اور دوسری اسرائیل تھی۔ یہود کا دارالحکومت یروشلم (بیت المقدس) تھا اور اس کے پاس جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے تھے۔ اسرائیل کا دارالحکومت سامریہ یہ مشرقی اردن تھا اور شمالی فلسطین پر مشتمل تھی۔ ان میں خصوصاً اسرائیل کے باشندوں میں برائیاں اور مشرکانہ عقائد عروج پر تھے۔ ایسے میں آشوریوں نے ان دونوں سلطنتوں کو اپنے نشانے پر رکھ لیا۔ ان کے خلاف آشوریوں کی پنجہ آزمائی نویں صدی قبل مسیح شروع ہوئی۔ 720 قبل مسیح میں انہوں نے اسرائیل کو ختم کیا اور یہود کے علاقوں میں تباہی و بربادی پھیلانے کے بعد ان سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔

بخت نصر کا معاملہ آشوریوں کے بعد آتا ہے جو بابل کا مشرک حکمران تھا۔ اس سے 587 قبل مسیح میں زوردار حملہ کر کے دوسری سلطنت یعنی یہودیہ کو تہس نہس کر دیا۔ حتیٰ کہ ہیکل سلیمانی تک کو زمین بوس کر دیا۔ یہودیوں کا قتل عام کیا اور بڑی تعداد کو غلام بنا کر ساتھ لے گیا۔ جن کو نصف صدی بعد سائرس نے آزادی دلائی۔ سائرس نے 539 قبل مسیح میں بابل کو فتح کیا تھا۔ اسی فتح کے نتیجے میں یہودی بابل کی غلامی سے نجات پا سکے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت عزیرؑ نے اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ یہ ذکر پہلے بھی آ چکا ہے کہ بخت نصر نے توراۃ کا نشان تک مٹا دیا تھا۔ حضرت عزیرؑ نے اسے دوبارہ مرتب کیا۔ یہودیوں کو مشرکانہ عقائد سے باز رکھا جس کے بعد اس قوم میں ایک بار پھر جان پڑ گئی۔ اس سے پہلے حضرت زکریاؑ، حضرت حجیؑ اور دیگر کی کوششوں سے ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ یہ معاملہ اس وقت ہوا جب سلطنت یہود کے آخری بادشاہ کے پوتے کو 522 قبل مسیح میں دارا اول نے گورنر مقرر کیا۔

یہودیوں پر ابتلا کی یہ مکمل داستان نہیں، وہ ہر دور میں مصائب کا شکار ہوتے رہے۔ جس کی وجہ کوئی اور نہیں وہ خود تھے۔ اس حوالے سے واقعات کا مختلف مقامات پر ذکر موجود ہے۔

○

موسیٰؑ اور اس کا خدا لڑیں

قرآن حکیم اس قوم کی سرکشی اور نافرمانی سے بھرا پڑا ہے۔ ان کی نافرمانی کے بارے میں یہ واقعہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہے جب ان کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ نے حکم ربی کے تحت یہود کو مقدس سرزمین (بیت المقدس) کی جانب جانے یعنی وہاں کے لوگوں سے لڑائی اور اس مقام پر قبضے کے لیے کہا تو وہ وہاں کے لوگوں کے ڈیل ڈول اور قوت سے اس حد تک خائف ہو گئے کہ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور جواب میں حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم تو نہیں جاتے، آپؑ اور آپؑ کا خدا ان سے لڑائی کر لیں۔ اسی نافرمانی کی بنا پر باری تعالیٰ نے انہیں سزا دی اور چالیس سال تک زمین ان پر حرام کر دی یعنی کسی جگہ ٹک کر زندگی گزارنے کی بجائے انہیں خانہ بدوشی پر مجبور کر دیا۔ اس کا ذکر سورۃ مائدہ میں ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:

> یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم والو اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگرانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور اور سرکش لوگ ہیں۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہیں جائیں گے۔ ہاں! اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم بخوشی چلے جائیں گے۔ دو افراد نے جو خدا ترس

لوگوں میں سے تھے اور جن پر اللہ کا فضل تھا، کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ۔ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آجاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں نہیں جائیں گے۔ تو تم اور تیرا پروردگار جا کر ان سے لڑائی کرو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں موسیٰ کہنے لگے کہ اے اللہ! مجھے تو اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کردے۔ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال کے لیے حرام کردی گئی ہے۔ یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں رہیں گے۔ سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔ (آیت 20 تا 26)

ان آیات کی ابتدا میں ان پر اللہ کے احسان اور نعمتوں کا ذکر ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں وہ کچھ دیا گیا جو کل روئے زمین پر کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ یعنی پوری دنیا کے مقابلے میں ان پر نوازشات کی گئیں۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بھی قوم یہود اللہ کی رحمتوں سے مستفید ہوتی رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی اسے انعامات سے نوازا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے ان رحمتوں اور نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ نوازشات اس وقت بھی جاری رہیں جب حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انہیں قبط یعنی مصر سے نکال لائے۔ اس سے پہلے بھی یہ تمام قوموں سے برتر اور افضل تسلیم کیے جاتے تھے حالانکہ یونانی، رومی اور قبطی بھی خاصے ترقی یافتہ تھے مگر یہود کو ان سب پر فوقیت حاصل تھی۔ دولت، عزت، شہرت، بادشاہت، اولاد...... سب کچھ انہیں حاصل تھا۔ ماضی کے اس زعم میں یہ قوم آج تک خود کو انعام یافتہ سمجھتی ہے حالانکہ بڑے تسلسل کے ساتھ یہ ذلت و رسوائی کا شکار بھی ہوتی آئی ہے۔

قرآن میں جس دور کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس دور میں وہاں عمالقہ آباد تھے۔ یہ قوت والے اور قد آور تھے۔ عمالقہ ایک شخص عمالیق کی اولاد میں سے تھے جس کا شجرہ نسب حضرت نوحؑ سے

ملتا تھا۔اسی کی اولاد نے یثرب یعنی مدینہ طیبہ آباد کیا۔ یہود کوانہی عمالقہ سے جنگ کے لیے کہا گیا مگر وہ بزدلی دکھاتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔انہوں نے اپنے نبیؑ سے یہاں تک کہہ دیا کہ تم اور تمہارا خدا ان سے جنگ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ شہر ان کے لیے لکھ دیا تھا یعنی وہ اس جنگ میں فتح حاصل کرتے۔ان کے انکار کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی تو وہ تیہ کی وادی یا میدان میں ہی سرگرداں رہے۔وہ چالیس برس تک اسی وادی سے نکلنے کی کوشش کرتے رہے مگر انہیں کوئی راہ نہ مل سکی۔وہ گھوم پھر کر پھر وہیں آجاتے جہاں سے چلتے تھے......

مفسرین کے مطابق اسی میدان میں ان پر من وسلویٰ اتارا گیا۔بادل کا سایہ کیا گیا۔ پتھر سے ان کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری کیے گئے۔یہیں ان پر توراۃ نازل ہوئی اور دیگر احکامات بھی اتارے گئے۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود اسی جگہ تھے کہ حضرت ہارونؑ کا انتقال ہوا اور پھر اس کے تین برس بعد حضرت موسیٰؑ بھی اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔بعض روایات میں ہے کہ حضرت ہارونؑ کا انتقال اس وقت کوہ احد پر ہوا جب دونوں بھائی بڑی تعداد میں یہود کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔انہیں احد پر ہی دفن کر دیا گیا پھر حضرت یوشعؑ بن نون کو نبوت عطا کی گئی۔اسی دوران چالیس برس کا عرصہ بھی پورا ہو چکا تھا لہٰذا حضرت یوشعؑ اس وقت موجود یہود کو لے کر نکلے اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔یہ جمعہ کا دن تھا۔اگلا دن ہفتہ یعنی یوم سبت تھا جس میں یہود جنگ نہیں کر سکتے تھے لہٰذا حضرت یوشعؑ کی دعا پر باری تعالیٰ نے سورج کو کچھ دیر کے لیے روک دیا اور انہیں فتح عطا کر دی۔ایک روایت میں ہے انہوں نے اس قدر مال غنیمت حاصل کیا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا مال نہیں دیکھا تھا۔

بنی اسرائیل کی جنگ سے انکار کی وجہ کیا تھی؟ اس حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث ہے کہ ان کے بارہ قبیلوں میں سے بارہ جاسوس بھیجے گئے تا کہ وہ شہر اور اسکے لوگوں کا حال معلوم کرسکیں۔یہ جاسوس گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔یہ سب ایک باغ میں تھے کہ باغ کا مالک پھل توڑنے کے لیے آگیا۔وہ ان کے قدموں کے نشانات پر

چلا۔ ان کے پاس پہنچا تو انہیں بھی گٹھری میں پھلوں کے ساتھ ہی باندھ لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پیش کر دیا۔ بادشاہ نے انہیں کہا کہ اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے۔ میں تمہیں قتل نہیں کرتا تم جا کر اپنے لوگوں کو ہماری قوت سے آگاہ کرو۔

ایک دوسری روایت میں انہیں بادشاہ کی بجائے لوگوں کے سامنے ڈالنے کی بات کی گئی ہے۔ اس کے مطابق لوگوں نے انہیں ایک انار دیا جو بہت بڑا تھا اور ایک شخص کے لیے کافی تھا۔ انہوں نے کہا یہ لے جا کر اپنے آدمیوں کو دکھاؤ اور کہو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔ انہی وجوہات پر بنی اسرائیلی رعب میں آ گئے اور لڑنے سے انکار کر دیا۔ بہر حال! یہ اسرائیلی روایات ہی ہیں۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 59 میں اس جنگ کا ذکر ہے جو تیّہ کی وادی سے نکلنے کے بعد ہوئی۔ اس آیت میں کہا گیا ہے "ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے حطۃ کہو۔ ہم تمہاری تمام خطائیں معاف کر دیں گے اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا۔ ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق اور نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔

یہاں بستی سے مراد عمومی طور پر بیت المقدس لیا جاتا ہے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ بستی میں موجود عمالیق سے جہاد کرو مگر حکم ماننے کی بجائے یہاں بھی اس قوم نے نامردی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس بزدلی کی بنا پر انہیں تیّہ کی وادی میں ڈال دیا گیا مگر درست یہ ہے کہ تیّہ سے نکلنے کے بعد ایسی صورتحال پیش آئی۔ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلے دریائے اریحہ پار کر کے اردن کا شہر فتح کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بستی یا شہر پر جمعہ کے دن غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے فتح عطا کی تھی اور یہ بھی روایت ہے کہ ان کی فتح کے لیے سورج کو کچھ دیر کے لیے غروب ہونے سے روک لیا گیا تھا۔ انہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا مگر انہوں نے اس کا مذاق اڑایا کہ رانوں کے بل

اور کروٹ کے بل اندر داخل ہونے لگے۔ انہوں نے سروں کو جھکانے کی بجائے اور اونچا کرلیا۔ لفظ حطہ کا مطلب بھی کچھ نے بخشش، کچھ نے گناہوں کا اقرار اور کچھ نے لا الہ الا اللہ پڑھنا قرار دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ سے بخشش اور مغفرت طلب کی اور نہ اس کی نعمتوں کا اقرار کیا بلکہ مذاق اڑانے والا رویہ اپنایا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے۔ جہاں انہیں سجدہ کرتے اور حطہ کہتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔

ان کی اس حکم عدولی بلکہ مذاق اڑانے والی صورتحال پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب سے دوچار کیا۔ یہ آسمانی عذاب ان کے فسق کی وجہ سے تھا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ طاعون کا عذاب تھا۔ ایک حدیث ہے کہ طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔

یہاں یہ واضح کردیں کہ بنی اسرائیلی جب تیہ کی وادی میں محصور ہو چکے تھے تو ان کی مقامی آبادیوں سے سے لڑائی بھڑائی کا معاملہ جاری رہتا تھا۔ ان لوگوں میں عمالقہ، اموری ادومی، ندیانی اور موآری شامل تھے۔ حضرت ہارونؑ چالیس سال پورے ہونے سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ یہ عرصہ پورا ہونے پر حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کولیکر موآب کے علاقے میں آئے۔ اس علاقے کو لڑائی کے بعد فتح کرلیا گیا جس کے بعد جسون اور شیطم کے علاقوں تک رسائی حاصل کی گئی۔ تاہم یہی وہ وقت تھا جب حضرت موسیٰؑ انتقال فرما گئے۔ آپؑ کا انتقال کوہ عبادیم پر ہوا۔ آپؑ کے بعد حضرت یوشع بن نون ان کے خلیفہ بنے اور فلسطین کو فتح کرلیا۔ یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ پہلے بیت المقدس فتح ہوا یا اریحہ۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں شہروں سمیت پورا فلسطین فتح کرلیا گیا تھا۔

تاریخ میں حضرت موسیٰؑ کی طرف سے شام اور یثرب پر فوج کشی کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی آخری عمر میں یہ مہمات روانہ فرمائیں۔ شام میں بنی

اسرائیل کے لشکر نے کنعانیوں کو شکست دی جبکہ یثرب میں ان کے مدمقابل عمالقہ تھے۔انہی عمالقہ کے ساتھ انہوں نے بیت المقدس میں لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

توراۃ میں حضرت موسیٰؑ کی حیات میں ہی عمالقہ کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک لڑائی کا ذکر ہے جو افیدیم میں لڑی گئی۔کتاب خروج کے باب 17 میں اس کا ذکر ہے جسے مختصراً دیا جارہا ہے۔

جب عمالقہ کے ساتھ لڑائی ہوئی تو موسیٰ نے یوشع سے کہا کہ ہمارے لیے مرد چن اور عمالیق کے ساتھ لڑائی کے لیے نکل اور کل میں خداوند کا عصا ہاتھ میں لیکر پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں گا۔تو یوشع نے عمالیق کے ساتھ لڑائی لڑی اور موسیٰ اور ہارون اور حور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے جب موسیٰ ہاتھ اوپر اٹھاتا تو اسرائیل غالب ہوتا۔جب ہاتھ نیچے کرتا تو عمالیق غالب ہوتے۔قصہ کوتاہ ان کے ہاتھ سورج غروب ہونے تک قائم رہے اور یوشع نے عمالیق اور اس کے لوگوں کو تلوار کی دھار سے شکست دی ...... خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں عمالیق کا ذکر آسمان کے نیچے سے مٹادوں گا غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے یثرب میں عمالقہ کے ساتھ لڑنے کے لیے لشکر بھیجا۔اس لشکر نے فتح حاصل کی اور دین موسوی قبول نہ کرنے والوں کا قتل عام کیا جن میں ان کا بادشاہ بھی شامل تھا۔

O

عذاب الٰہی کے حقدار

باری تعالیٰ نے یہود پر بے پناہ احسانات کیے۔ انہیں بار بار اپنی رحمتوں سے نوازا۔ لیکن اس احسان ناشناس قوم نے ہر احسان کو فراموش کر دیا۔ ہر رحمت کو جھٹلا دیا۔ یہ اللہ کی منتخب کردہ قوم کے زعم اور تکبر میں مبتلا رہی۔ ماضی میں ہی نہیں، آج بھی اس کی یہی صورتحال ہے۔ یہ خود کو اللہ تعالیٰ کی انعام یافتہ قوم سمجھتے ہیں حالانکہ مولا کریم بارہا ان کو ذلیل و رسوا کر چکا ہے۔ ان کو اکثر عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑا مگر پھر بھی اس معاملے میں عقل اور سمجھ ان سے دور ہی رہی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نوازشات کے حوالے سے سب کچھ کا احاطہ تو ممکن نہیں تاہم کچھ ذکر ضرور کیا جائے گا تاکہ قارئین کو آگاہی حاصل ہو سکے۔

سورۃ بقرہ کی آیت 57 میں ہے کہ ”ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو۔ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔“

آیت نمبر 60 میں ہے موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا ہم نے کہا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

یہ اس وقت کے احسانات کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰؑ قوم یہود کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر لائے تھے اور یہ سب تیہ کے میدان میں مقیم تھے۔ یہاں ان پر ایک بادل کے سایہ، کھانے کے لیے من و سلویٰ اتارنے اور پینے کی غرض سے پانی کی نعمت عطا کرنے کا ذکر ہے۔

ان پر جو بادل اتارا گیا وہ سفید رنگ کا بتایا جاتا ہے یہ ان کے سروں پر سایہ کیے رہتا اور انہیں موسم کی سختیوں سے محفوظ رکھتا تھا۔ بزرگوں کے اقوال ہیں کہ یہ عام بادلوں سے بہت ٹھنڈا تھا۔ مجاہدؒ اور ابو حذیفہؒ کا قول ہے کہ یہی بادل ہے جس میں باری تعالیٰ روز قیامت تشریف لائیں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسی بادل میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہؐ کے لشکر کی مدد کرتے ہوئے کفار مکہ کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

ان پر من وسلویٰ کی نعمت اتارنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ من کے بارے میں بزرگوں کے کئی ایک قول ہیں جبکہ سلویٰ چھوٹے پرندے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بٹیر اور بعض کے نزدیک کبوتر جتنے تھے۔ من کے بارے میں بزرگ کہتے ہیں کہ یہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ لوگ صبح جاتے اور اسے جمع کر کے کھالیا کرتے تھے۔ دونوں چیزیں ایک دن کے لیے ہی جمع کرنے کی اجازت تھی صرف سبت یعنی ہفتہ کے دن کے لیے دو دن کی خوراک اکٹھی کی جاسکتی تھی۔ اگر کوئی ضرورت سے زیادہ خوراک جمع کر لیتا تو وہ اس کے کام نہیں آسکتی تھی بلکہ خراب ہو جاتی تھی۔

من کے بارے میں اقوال کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کی کئی ایک صورتیں سامنے آئی ہیں۔ کچھ نے کہا یہ گوند کی طرح تھا۔ کچھ اسے شبنم جیسا قرار دیتے ہیں اور کچھ کے نزدیک یہ اولوں کی طرح ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ یہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک اترتا رہتا اور ہر شخص اسے اپنی ضرورت کے مطابق حاصل کر لیتا۔ یہ جو چیز بھی تھی، ان کے کھانے کے کام آتی تھی۔ اسے کھایا جائے تو کھانے کی چیز تھی پانی میں ملا لیا جائے تو پینے کی چیز تھی۔ غرض جس چیز کے ساتھ ملا لیں وہ اسی کے ساتھ کوئی دوسری شے بن جاتی لیکن ایک حدیث میں من کو کھمبی قرار دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔''

من کے درخت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے بھی اقوال ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اس کا درخت زمین کے اوپر ہوتا ہے مگر اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ کچھ نے اسے کھمبی قرار دیا ہے۔

سلویٰ کے بارے میں بھی روایات موجود ہیں۔ یہ سرخی مائل رنگ کا پرندہ تھا۔ جنوب کی سمت سے آنے والی ہوائیں ان پرندوں کو تیہ کے میدان میں لے آتیں۔ بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں لے لیتے اور پھر ذبح کر کے پکا لیتے۔ ایک قول ہے کہ یہ پرندے ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں جمع ہوتے تھے۔ وہاں ان کا ڈھیر لگ جاتا تھا جو ایک نیزے کے برابر بلند ہوتا تھا۔ اسے آج کے حساب سے ہم پانچ چھ فٹ قرار دے سکتے ہیں۔ ان پرندوں کی وجہ سے یہود کو شکار وغیرہ نہیں کرنا پڑتا تھا کیونکہ شکار کی وجہ سے وہ پوری طرح اور یکسوئی سے عبادت نہیں کر سکتے تھے۔

تیہ کی وادی میں من وسلویٰ کی وجہ سے کھانے کا مسئلہ تو حل ہو گیا تھا تاہم پانی کا مسئلہ برقرار تھا۔ یہود نے حضرت موسیٰؑ سے اپنی یہ ضرورت بیان کی تو پیغمبرؑ نے باری تعالیٰ سے عرض کی جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی لکڑی (عصا) اس پتھر پر مارو۔ یہ پتھر اسی جگہ موجود تھا۔ اللہ کے نبیؑ نے حکم ربی کی تعمیل میں ایسا ہی کیا جس پر اس پتھر سے بارہ چشمے یا نہریں جاری ہو گئیں جو یہود کے قبیلوں کی تعداد کے برابر تھیں۔ چنانچہ ہر قبیلے کو ایک ایک نہر یا چشمہ دیدیا گیا تاکہ وہ اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھا سکیں اور دوسری ضروریات بھی پوری کر لیں اللہ تعالیٰ نے انہی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے انہی محنت کیے بغیر روزی فراہم کرنے اور اپنی عبادت میں مصروف رہنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس پتھر سے چشمے جاری ہوئے وہ چوکور تھا۔ اور اس کے چاروں سمتوں سے تین تین چشمے نکلے۔ پتھر بیل کے سر کے برابر تھا اور کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے بیل پر ہی لادا جاتا تھا۔ عصا مارنے سے نہریں جاری ہو جاتیں اور کوچ کے وقت پانی نکلنا بند ہو جاتا۔ تاہم پتھر کے سائز کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور آخر کار حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ پتھر اور عصا انہوں نے ہی حضرت موسیٰؑ کو دیئے تھے جو ان کے داماد بھی تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ پتھر کوہ طور کا تھا۔

یہود کے لیے لباس کی نعمت کا بھی ذکر ہے۔ جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے اللہ کی قدرت سے وہی ان کے لیے مستقل کر دیا گیا یعنی ان کا قد بڑھنے یا جسمانی ساخت میں تبدیلی کے ساتھ یہ لباس بھی اسی کے مطابق ہو جاتا۔ مثلاً بچے نے ایک لباس پہنا ہوا ہے تو بچے کا قد بڑھنے کے ساتھ لباس بھی خود بخود بڑا ہو جاتا۔ اس لباس میں اور خوبیاں بھی تھیں خراب ہوتا تھا اور نہ پھٹتا تھا حتیٰ کہ میلا بھی نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس قوم نے اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے ناشکری کا رویہ اختیار کیا۔

اسی سورۃ کی آیت 61 میں ہے کہ ''ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوںؑ کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے!!

یہ ان پر نازل ہونے والے اللہ تعالیٰ کے غضب کا بیان ہے۔ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنادی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ فاقہ کشی اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ جس کی وجہ ان کا تکبر، حق کو قبول کرنے سے انکار اور انبیاءؑ کو بلاوجہ اور بلا جواز قتل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر بھی ان کا ایک بہت بڑا جرم تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیلی تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے اور پھر بازاروں میں جا کر اپنے کاروبار اور لین دین میں مصروف ہو جاتے۔ یعنی پریشانی یا پشیمانی تو دور کی بات ہے انہیں اس کی پرواتک نہ ہوتی کہ انہوں نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ دنیا میں تو انہوں نے ذلت و رسوائی کا مزہ چکھ لیا مگر ان کے لیے آخرت کا عذاب بھی ہے جو انتہائی خوفناک ہوگا۔ کسی نبیؑ کو ناحق قتل کر دینے کی کبھی معافی بھی نہیں ہوگی۔ ایک حدیث پاک ہے: رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ روز قیامت اس شخص کیلئے سب سے سخت عذاب ہوگا جس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا امام تصویریں بنانے والا یعنی مصور ہوگا۔

آیت نمبر 63 ہے کہ ''اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور طور پہاڑ لا کھڑا کیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم

نقصان اٹھانے والے ہو جاتے۔"

یہ آیت بھی یہودیوں کی عہد شکنی کی داستان بیان کر رہی ہے۔ انہیں یاد دلایا جا چکا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت اور اپنے نبی کی اطاعت کا وعدہ لے چکا ہوں۔ اسی وعدے کے پیش نظر میں نے طور کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ یہ پہاڑ سائبان کی طرح ان کے سروں پر آ گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ یہ ابھی ان پر گرنے والا ہے جس کے بعد وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ یہاں مخصوص کوہ طور کا ذکر ہے تاہم طور اس پہاڑ کو بھی کہتے ہیں جس پر سبزہ اگتا ہو۔ اس وقت باری تعالیٰ نے یہود کو ان کا وعدہ یاد دلایا تھا اور ان سے فرمایا کہ ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو، اسی میں تمہاری بچت اور عافیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس فضل اور رحمت کا ذکر کیا ہے وہ یہ تھی کہ ان کے سجدے سے انکار کے باعث پہاڑ ان کے سروں پر آ گیا مگر جب انہوں نے ہلاکت کو سامنے دیکھا تو فوراً سجدے میں گر پڑے تو مولا کریم نے پہاڑ کو ان پر سے ہٹا لیا۔



وطن مل گیا، رویہ نہ بدلا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فلسطین عطا کردیا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ نے انہیں خبردار کردیا تھا کہ اپنے رب کی ناشکری نہ کریں۔ اس کے احکامات کی حکم عدولی نہ کریں اور ان ہدایات پر عمل کریں جو توراۃ کے ذریعے ان تک پہنچائی گئی ہیں لیکن یہ قوم ہمیشہ سے نافرمان رہی ہے اور یہاں بھی نافرمانی اور ناشکری کا وطیرہ اپنایا۔ فلسطین میں مختلف اقوام آباد تھیں جو بت پرستی جیسی لعنت میں مبتلا تھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی بنی اسرائیل بھی مختلف قسم کی برائیوں اور فتنوں میں مبتلا ہوگئے اور اللہ کی راہ سے ایک بار پھر بھٹک گئے۔ توراۃ کی ہدایات کے مطابق حضرت موسیٰ نے انہیں بتا دیا تھا کہ فلسطین میں بسنے والی قومیں جس کفر اور شرک کا شکار ہو چکی ہیں، ان کو اس سے ہٹانا ممکن نہیں رہا۔ یہ اقوام اب اصلاح کے قابل نہیں۔ ان قوموں میں عمالقہ، کنعان، اموری، فلستی، یبوسی، حتی، فرزی، حوی اور دیگر شامل تھیں۔ ان کے اخلاق کا جنازہ نکل چکا تھا۔ دیوی، دیوتاؤں سے ذلیل ترین حرکتیں منسوب کردی گئی تھیں اور عبادت خانے زناکاری کے اڈے بن چکے تھے۔ جبکہ داسیوں کو طوائفیں بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ نے انہیں خبردار کردیا تھا کہ وہ اخلاقی بے راہ روی کے قریب بھی نہ جائیں۔ حضرت موسیٰ کی اس حوالے سے جو وصیت منظر عام پر آئی وہ کتاب استثنا میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن مجید میں بھی ایسا ہی انتباہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں فرمایا ہے کہ:

اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کردیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں

تم پر اور نوازشات کروں گا۔ اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بہت سخت

ہے۔

حضرت موسیٰ کی وصیت میں بھی فرمایا گیا تھا کہ:

اگر تو خدا کی بات کو خلوص دل سے مان کر اس کے احکامات پر عمل کرے گا تو تیرا خدا تجھ پر دنیا کی سب قوموں سے زیادہ نوازشات کرے گا۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا اور خدا کی بات سن کر بھی اس کے احکامات پر عمل نہ کیا تو اس کی لعنتیں تجھ پر ہوں گی۔

حضرت موسیٰ نے اس صورتحال کے پیش نظر فرمایا:

''خدا تجھے زبردست شکست سے دوچار کرے گا اور تجھے تیرے دشمنوں کے سامنے سرنگوں کر دے گا۔

عورت سے بیاہ تیرا ہو گا مگر اس سے فائدہ دوسرا اٹھائے گا۔ گھر تو بنائے گا مگر خود اس میں بس نہ سکے گا۔ باغ تو لگائے گا لیکن خود اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیرے سامنے ذبح ہو گا مگر تو بھوکا، پیاسا، ننگا، سب چیزوں کا محتاج ہو گا۔ جن دشمنوں کو خدا تیرے خلاف بھیجے گا تو ان کی خدمت پر مجبور ہو گا۔ دشمن تیری گردن پر لوہے کا جوار کھے گا اور تیرا ستیاناس کر دے گا۔ خدا تجھ کو زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قوموں میں پراگندہ کر دے گا۔

بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فراموش کر کے باقاعدہ بت پرست بن چکے تھے۔ ہر قسم کی برائی ان میں گھر کر چکی تھی۔ اس وقت حضرت یوشعؑ ان کے سردار تھے۔ انہوں نے قوم کو دیوی، دیوتاؤں سے دور رہنے اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینے کی ہدایت کی۔ آپؑ نے فرمایا تھا کہ تمہارے آباؤ اجداد اس وقت بھی بت پرست بن گئے تھے جب وہ مصر میں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اگر تم اللہ کی پرستش کے روادار نہیں تو اس کا انتخاب کر لو جس کی تم پرستش کرنا چاہتے

ہو لیکن میں اور میرا گھرانا تو خدا کی پرستش ہی کرتے رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ابتدا سے وطیرہ احسان ناشناسی کا تھا۔ مصر سے نکلتے ہی انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اور اپنی پریشانیوں کا انہیں ذمہ دار ٹھہرا دیا تھا۔

کتاب خروج کے باب 15 میں ہے:

تب موسیٰ نے اسرائیل کے ساتھ بحر قلزم سے کوچ کیا اور وہ شور کے بیاباں کی طرف چلے۔ وہ تین دن تک بیابان میں چلتے رہے اور پانی نہ پایا اور وہ مارہ میں پہنچے مگر اس کا پانی نہ پی سکے کیونکہ کڑوا تھا۔ اسی واسطے سے اس کا نام مارہ رکھا۔ تب لوگ موسیٰ پر کڑکڑائے اور کہا ہم کیا پئیں..... تب وہ ایلیم میں آئے۔ وہاں پر پانی کے بارہ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے۔ وہاں انہوں نے پانی پر ڈیرا کیا۔

آگے باب 16 میں ہے:

پھر وہ ایلیم سے روانہ ہوئے اور ملک مصر سے نکلنے کے بعد دوسرے مہینے کے پندرھویں دن بنی اسرائیل کی ساری جماعت سین کے بیابان میں آئی جو ایلیم اور سینا کے درمیان میں ہے اور بنی اسرائیل کی کل جماعت بیابان میں موسیٰ اور ہارون پر کڑکڑائی۔ اور بنی اسرائیل نے ان سے کہا کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملک مصر میں مارے جاتے۔ جہاں کہ ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھتے اور گوشت سیر ہو کر کھاتے تھے۔ تم ہم کو اس بیابان میں نکال لائے ہو تا کہ اس انبوہ کو بھوک سے ہلاک کرو۔

توراۃ کے مطابق بنی اسرائیل کے اس کڑکڑانے پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے من وسلویٰ کی نعمت اتاری تا کہ وہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔ بنی اسرائیل ملک کنعان کی سرحد تک پہنچنے تک چالیس برس تک یہ خوراک استعمال کرتے رہے۔ اس کی تفصیل ایک دوسرے باب میں موجود ہے۔ توریت بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل نے خدا کے حکم پر سین سے منزل بہ منزل کوچ کیا اور

رفیدم میں ڈیرا ڈالا۔ جہاں پینے کے لیے پانی نہ تھا تو انہوں نے موسیٰ سے جھگڑا کیا اور کہا کہ ہمیں پانی دے، تو ہمیں مصر سے یہاں کیوں لایا ہم کو اور ہمارے لڑکوں اور ہمارے مال مویشی کو پیاس سے ہلاک کرے۔ تب موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہاں کہ میں ان لوگوں کا کیا کروں؟ یہ تھوڑی دیر میں مجھے سنگسار کر دیں گے۔ یہی وہ وقت تھا جب باری تعالیٰ نے ایک پتھر سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری کرا دیئے۔

اس سے پہلے جب مصر میں فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ کا معاملہ جاری تھا تو اس وقت بھی بنی اسرائیل کی اکثریت نے آپؑ کا ساتھ نہیں دیا۔ تھوڑی سی تعداد میں لوگ آپؑ کے ساتھ تھے۔ ان میں بھی زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی۔ بزرگ ان نوجوانوں کو روک رہے تھے کہ موسیٰ کے پاس نہ جاؤ ورنہ تم فرعون کے عتاب کا شکار ہو جاؤ گے اور ہمیں بھی مروا دو گے۔ ایک موقعہ پر جب کچھ بنی اسرائیلی اور فرعون کے پاس سے آ رہے تھے تو انہیں راستے میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ مل گئے اور یہ توراۃ میں موجود ہے کہ بنی اسرائیلیوں نے ان سے کہا تمہیں خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے ہمیں فرعون اور اس کے کارندوں کی نظروں میں اس قدر قابل نفرت کر دیا ہے کہ گویا ان کے ہاتھ میں ہمارے قتل کے لیے تلوار دیدی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے انہیں وطن دیدیا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ہی فراموش کر دیا۔ انہوں نے خدا کی ہدایات کی پرواتک نہ کی۔ وہ خرابیوں اور برائیوں میں ہی مبتلا نہیں ہو گئے، انہوں نے خود کو بھی مضبوط اور مستحکم نہیں کیا۔ اس کے برعکس وہ مسلسل قبیلوں اور گروہوں میں بٹے رہے اور ہر قبیلے نے ایک ایک مفتوحہ علاقہ لیا اور علیحدہ ہو گئے۔ ہر ایک کے حصے میں انتہائی قلیل علاقہ آیا کیونکہ مفتوحہ سرزمین پہلے ہی کوئی بہت زیادہ نہیں تھی۔ مناسب ہوگا یہاں ان بارہ قبائل کا بھی ذکر کر دیں۔ ان میں بنی یہوداہ، بنی شمعون، بنی وانی، بنی یمین، بنی افرائیم، بنی روبن، بنی جد، بنی منسی، بنی اشکار، بنی زیولون، بنی نفتالی اور بنی آشر شامل ہیں۔

ان قبیلوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے ہی بنی اسرائیل کو استحکام نصیب نہ ہوسکا۔ بجائے اس کے کہ وہ مشرکین کو اپنے علاقے سے نکالتے، وہ خود ان کا حصہ بن گئے اور انہی کی عادات و اطوار اپنا لیے۔ لہٰذا دشمنوں نے انہیں اس سرزمین کے ایک بڑے حصے سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ ان سے تابوت سکینہ تک چھین لیا جو بعد جناب طالوت کی بادشاہت میں انہیں واپس ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ طالوت کو نہ بھیجتا تو شاید ان کو دوبارہ وطن نصیب نہ ہوتا۔



فرعونیوں پر 10 عذاب

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے بار بار کے اصرار کے باوجود فرعون بنی اسرائیل کو قبط یعنی مصر سے نکال لے جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ باری تعالیٰ نے یہاں بھی اسرائیلیوں پر نوازش کی اور فرعون کو اس راہ پر لانے کے لیے طرح طرح کے عذاب نازل کیے جن کا قرآن میں بھی ذکر ہے۔ مفسرین نے ان کی تعداد سات بتائی ہے تاہم توراۃ میں دس قسم کے عذابوں کا ذکر ہے۔ جن میں پانی کا خون بن جانا، مینڈک، مچھر، مکھیاں، مری، پھوڑے، اولے، ٹڈیاں، تاریکی اور پہلوٹوں کا قتل شامل ہیں۔ توراۃ کی کتاب خروج میں یہ باب نمبر 7 سے 12 تک بڑی تفصیل سے شامل ہیں تاہم یہاں انہیں مختصراً دیا جا رہا ہے۔ یہ ساری آیات عصائے موسیٰؑ کے سانپ بن جانے کے معجزے کے بعد کی ہیں جو حکم ربی سے وقوع پذیر ہوئیں۔

پانی کے خون بننے کا عذاب

توراۃ کہتی ہے تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کا دل سخت ہو گیا ہے اور لوگوں کو جانے دینے سے انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ہدایت کی کہ صبح فرعون دریا کی طرف جائے گا تو اس سے ملاقات کے لیے دریا کے کنارے کھڑا ہونا وہ نہ مانے تو اپنا عصا دریا کے پانی پر مارنا تو وہ خون ہو جائے گا اور ساری مچھلیاں مر جائیں گی۔ جبکہ پانی بھی بدبودار ہو جائے گا اور مصر کے لوگ دریا کے پانی سے نفرت کریں گے۔ خداوند نے موسیٰ سے فرمایا۔ ہارون سے کہہ کر اپنا عصا لیکر مصریوں کے پانیوں اور دریاؤں اور چشموں اور تالابوں اور حوضوں پر اپنا

ہاتھ لمبا کرے اور وہ خون بن جائیں گے اور سارے ملک مصر میں اور لکڑی اور پتھر کے برتنوں میں بھی خون ہوگا۔تب موسیٰؑ اور ہارونؑ نے جیسا خداوند نے فرمایا تھا کیا۔اس نے عصا اٹھایا اور فرعون اور اس کے درباریوں کے روبرو دریا کے پانی پر مارا تو دریا کا سارا پانی خون ہوگیا اور دریا کی مچھلیاں مرگئیں اور دریا بدبودار ہوگیا اور مصری لوگ دریا کا پانی نہ پی سکے۔تب مصر کے جادوگروں نے ایسا ہی کیا۔فرعون کا دل سخت ہوا اور اس نے ایک نہ سنی۔مصریوں نے پانی پینے کے لیے دریا کے اردگرد گڑھے کھودے اور جب سے کہ خداوند نے دریا کو مارا سات دن گزر گئے۔

مینڈکوں کا عذاب

یہ دوسری آفت تھی جو مصریوں پر نازل کی گئی تاکہ فرعون یہود کو وہاں سے جانے دے۔ اللہ کے حکم پر موسیٰؑ نے فرعون سے کہا کہ اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو میں تیرے ملک کی ساری اطراف پر مینڈک بھیجوں گا۔دریا بے شمار مینڈک پیدا کرے گا جو اوپر چڑھیں گے اور تیرے گھر اور تیری آرامگاہ اور تیرے پلنگ اور تیرے درباریوں اور تیری رعایا کے گھروں اور تیرے تنوروں اور تیرے آٹا گوندھنے کے لگنوں میں پھیل جائیں گے اور تجھ پر اور تیری رعایا اور تیرے سب درباریوں پر مینڈک چڑھیں گے۔پھر ایسا ہی ہوا۔ہر طرف مینڈک ہی نظر آرہے تھے۔ اس پر فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ وہ خداوند کے پاس شفاعت کریں کہ مینڈکوں کو مجھ اور میرے لوگوں سے دفع کیا جائے تو میں لوگوں کو جانے دوں گا لہٰذا حضرت موسیٰ کی دعا سے تمام مینڈک مرگئے اور ان کے ڈھیر لگ گئے۔یہ عذاب ٹلنے پر فرعون پھر وعدے سے پھر گیا۔یہاں یہ بتا دیں کہ فرعون کے جادوگروں نے بھی مینڈک پیدا کیے تھے مگر وہ انہیں واپس کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

مچھروں کا عذاب

تیسرا عذاب مچھروں کا تھا۔اللہ کے حکم پر حضرت ہارونؑ نے عصا کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا

کر گرد پر مارا تو وہ انسانوں اور حیوانوں پر مچھر بن گئی۔ فرعون کے حکم پر جادوگروں نے مچھر نکالنے کے لیے بہت زور مارا مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ جادوگروں نے بے بس ہو کر فرعون سے کہا کہ یہ خدا کی قدرت ہے۔ لیکن فرعون کا دل سخت ہی رہا اور اس نے بات کو توجہ کے قابل نہ سمجھا۔

مکھیوں کا عذاب

یہ چوتھا عذاب تھا جو فرعون اور اس کی رعایا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا تھا۔ حکم ربی کے تحت موسیٰؑ صبح فرعون کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں۔ اگر تو نہیں جانے دے گا تو تجھ پر اور تیرے درباریوں پر اور تیری رعایا پر اور تیرے گھروں پر مکھیوں کے غول کے غول بھیجے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مصریوں کے گھر اور زمین جس پر وہ ہیں، ان سے بھر جائے گی اور اس روز میں ملک جوشن کو جس میں میرے لوگ رہتے ہیں۔ ان سے الگ کر دوں گا کہ وہاں مکھیاں نہ ہوں گی تا کہ تو جانے کہ دنیا میں موسیٰؑ کا خدا ہی خداوند ہے۔ چنانچہ اگلے روز ایسا ہی ہوا اور زمین مکھیوں کے سبب سے خراب ہو گئی۔ فرعون نے پھر حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے درخواست کی کہ اپنے خدا سے شفاعت کریں۔ ان کی دعا پر مکھیوں کا عذاب ٹلا مگر فرعون نے پھر وعدہ خلافی کی۔

مری کا عذاب

اب اللہ تعالیٰ نے ان پر مری کا عذاب بھیجا۔ اللہ کے حکم پر حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس گئے اور رب کا یہ حکم پہنچایا کہ تو لوگوں کو نہ جانے دے گا اور روکے رکھے گا تو خداوند کا ہاتھ تیرے مویشیوں پر جو میدان میں ہیں اور گھوڑوں اور گدھوں اور اونٹوں اور بیلوں اور بھیڑوں پر ہو گا اور بڑی سخت مری پڑے گی۔ خداوند اسرائیل کے مویشی اور مصریوں کے مویشی میں فرق کرے گا۔ جو بنی اسرائیل کے ہیں ان میں سے کوئی نہیں مرے گا۔ اگلے دن مصریوں کے تمام مویشی مر گئے۔ فرعون نے پھر بھی دل سخت کیے رکھا اور لوگوں کو جانے نہ دیا۔

پھوڑوں کا عذاب

توراۃ بتاتی ہے تب خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے فرمایا کہ دونوں اپنی مٹھی بھر کے تنور کی راکھ لو اور موسیٰ اسے فرعون کے روبرو آسمان کی طرف اڑائے تو وہ سارے ملک مصر میں غبار ہو جائے گی اور سارے ملک مصر میں انسانوں اور حیوانوں پر پھوڑے اور پھپھولے بن جائے گی۔ ان دونوں نے تنور کی راکھ لی اور فرعون کے سامنے کھڑے ہوئے اور موسیٰ نے اسے آسمان کی طرف اڑایا تو وہ انسانوں اور حیوانوں پر پھوڑے اور پھپھولے بن گئی اور جادوگر پھوڑوں کے سبب سے موسیٰ کے سامنے کھڑے نہ رہ سکے کیونکہ جادوگروں اور سب مصریوں پر پھوڑے تھے اور خداوند نے فرعون کا دل سخت کیا اور اس نے ان کی نہ سنی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ سے فرمایا تھا۔

اولوں کا عذاب

توراۃ میں رقم ہے کہ پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ کل صبح اٹھ اور فرعون کے سامنے کھڑا ہو اور اس سے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے۔ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ میری بندگی کریں کیونکہ اب کی دفعہ میں اپنی ساری آفتیں تجھ پر اور تیرے درباریوں اور تیری رعایا پر نازل کروں گا تاکہ تو جانے کہ تمام دنیا میں میری مانند کوئی نہیں۔ اگر میں اپنا ہاتھ بڑھاتا اور تجھے اور تیری رعایا کو وبا سے مارتا تو تو روئے زمین پر سے ہلاک ہوتا۔ اس لیے میں نے تجھے زندہ رہنے دیا تاکہ تجھے اپنی قدرت دکھاؤں اور میرا نام تمام روئے زمین میں مشہور ہو جائے۔ دیکھ کل کے دن اسی وقت میں بڑے بڑے اولے برساؤں گا جن کی مانند مصر میں اس کی بنیاد کے دن سے اب تک نہیں پڑے۔ کوئی انسان یا حیوان جو میدان میں پایا جائے گا اور گھر کے اندر نہ ہوگا، اس پر اولے پڑیں گے اور وہ مر جائے گا۔

خداوند کے حکم پر موسیٰ نے اپنا عصا آسمان کی طرف اٹھایا تو اولے پڑے جن کے ساتھ

لگا تار شعلہ زن آگ ملی ہوئی تھی۔ سب انسان اور حیوان جو میدان میں تھے مارے گئے۔ درخت ٹوٹ گئے، سبزی تباہ ہوگئی مگر جہاں جہاں بنی اسرائیلی تھے وہاں اولے نہ پڑے۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلا کر ان سے کہا کہ میں نے اس دفعہ گناہ کیا۔ خداوند عادل ہے اور میں اور میری قوم شریر ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو تو میں تمہیں جانے دوں گا۔ اولے بند ہونے کے باوجود فرعون نے بنی اسرائیلیوں کو جانے نہ دیا۔

ٹڈیوں کا عذاب

اب حضرت موسیٰ اور ہارون نے فرعون کو باری تعالیٰ کا پیغام دیا کہ کل کے روز تیرے ملک پر ٹڈیاں لاؤں گا۔ وہ زمین کی سطح کو ڈھانپ لیں گی کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے گا۔ اولوں سے جو کچھ بچا ہے وہ اسے کھا جائیں گی۔ اب درباریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو جانے دے۔ کیا تو ابھی تک نہیں جانتا کہ مصر اجڑ گیا ہے۔؟ تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس بلائے گئے اس نے کہا کہ چلے جاؤ مگر وہ کون ہیں جو جائیں گے۔ موسیٰ نے کہا کہ ہم اپنے جوانوں، اپنے بوڑھوں، اپنے بیٹوں، اپنی بیٹیوں، اپنے گلوں اور جانوروں سمیت جائیں گے مگر فرعون نے صرف مردوں کو اجازت دی اور بال بچوں کے لیے انکار کر دیا۔ فرعون نے ان کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔

تب موسیٰ نے اپنا عصا مصر کی زمین کی طرف بڑھایا اور خداوند نے وہ سارا دن اور ساری رات زمین پر مشرقی لو چلائی۔ صبح کے وقت یہ لو ٹڈیاں لے آئی۔ زمین کی تمام سطح کو انہوں نے ڈھانپا۔ یہاں تک کہ زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ انہوں نے سب سبزی اور پھل کھا لیے۔ پھر فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا بیشک میں نے خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گناہ کیا ہے۔ اب اس دفعہ بھی میرا گناہ معاف کرو اور خداوند اپنے خدا کے پاس شفاعت کرو۔ انہوں نے خداوند سے شفاعت کی تو اس نے ایک تیز مغربی ہوا بھیجی۔ جو ٹڈیوں کو اڑا کر لے گئی اور بحر قلزم میں ڈال دیا مگر فرعون نے بنی اسرائیل کو پھر نہ جانے دیا۔

تاریکی کا عذاب

فرعون مسلسل اقرار کے بعد انکار کرتا رہا۔ لہٰذا باری تعالیٰ نے اس پر ایک اور عذاب مسلط کر دیا۔ توراۃ کہتی ہے کہ پھر خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کر۔ ملک مصر پر تاریکی ہو جائے گی۔ ایسی تاریکی جو چھوئی جا سکے۔ تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کیا تو سارے ملک مصر پر تین دن تک نہایت سیاہ اندھیرا ہوا کہ کوئی اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکا اور تین دن تک اپنی جگہ سے نہ اٹھ سکا مگر بنی اسرائیل کے سارے مسکنوں میں روشنی تھی۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلایا اور کہا کہ چلے جاؤ اور اپنے خداوند کی بندگی کرو مگر اپنے گلوں اور اپنے گائے بیل کو چھوڑ جاؤ۔ موسیٰ نے مال مویشی کے بغیر جانے سے انکار کیا۔ اور خداوند نے فرعون کا دل سخت کیا اور اس نے انہیں نہ جانے دیا۔ فرعون نے کہا میرے سامنے سے چلا جا اور خبردار پھر آ کر میرا منہ نہ دیکھنا۔ جس دن تو میرے منہ پر نظر کرے گا قتل کیا جائے گا۔ موسیٰ نے کہا تو نے اچھا کہا میں پھر تیرا منہ کبھی نہ دیکھوں گا۔

آخری عذاب

تب خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ میں اب آخری عذاب لاؤں گا۔ پھر فرعون تمہیں خود دھکے دیکر نکال دے گا۔ خداوند نے انہیں کچھ اور ہدایات بھی دیں۔ آخری عذاب پہلوٹوں یعنی سب سے بڑے بیٹوں کے قتل کا تھا اور جب آدھی رات ہوئی تو خداوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹوں کو، فرعون کے پہلوٹے سے لیکر جو تخت پر بیٹھا تھا، اس قیدی کے پہلوٹے تک جو قید خانے میں تھا اور چوپایوں کے سب پہلوٹوں کو ہلاک کیا۔ تب فرعون رات ہی کو اٹھا۔ اس کے تمام درباری اور سارے مصری بھی اٹھے اور مصر میں بڑا بھاری نوحہ تھا کیونکہ کوئی گھر نہ تھا جس میں کوئی مردہ نہ ہو۔ تب اس نے موسیٰ اور ہارون کو رات کے وقت ہی بلایا اور کہا کہ اٹھو اور تم دونوں اور بنی اسرائیل میرے لوگوں کے درمیان سے نکل جاؤ اور جیسا تم نے کہا تم

جا کر اپنے خدا کی بندگی کرو۔ اپنے گلے اور گائے بیل بھی لے جاؤ اور مجھے بھی دعا دو۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کی روانگی، فرعون کا مصری افواج کے ساتھ ان کا تعاقب، بنی اسرائیلیوں کا اللہ تعالیٰ کی مدد سے بحفاظت بحر قلزم سے گزر جانا جبکہ فرعون اور مصری افواج کا غرق ہو جانا، اس کے بعد کی داستان ہے اور یہ بھی ایک طرح سے بنی اسرائیل پر احسان تھا ورنہ فرعون انہیں مسلسل پریشان کرتا رہتا۔



فرعون موسیٰؑ کون تھا......؟

فرعون موسیٰ کے معاملہ پر تاریخ دانوں میں اختلافات موجود ہیں۔ یہ معاملہ اگرچہ ہمارے موضوع کے ساتھ براہ راست متعلق نہیں مگر جو تحریر کیا جارہا ہے اس میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا معاملہ بھی موجود تھا۔ لہٰذا موضوع کے اعتبار سے اس میں دلچسپی کا پہلو ضرور موجود ہے اسی لیے ان صفحات میں فرعون موسیٰ کے بارے میں جائزہ لیا جارہا ہے۔ فرعون موسیٰ سے مراد وہ فرعون ہے جس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا ٹکراؤ رہا۔ مصر میں ہزاروں برس تک فرعون کی حکومت رہی۔ فرعون بالکل اسی طرح بادشاہت کا سلسلہ تھا جس طرح نمرود وغیرہ تخت پر بیٹھتے رہے ہیں جب کہ قیصر روم میں پھیلے ہوئے تھے۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور یہ حکمرانی نسل در نسل چلتی رہی۔ لیکن یہ کسی ایک خاندان تک محدود نہیں رہی بلکہ معلوم تاریخ کے مطابق قریباً تیس خاندانوں کے حکمران فرعون کہلائے۔ دراصل جو بھی مصر کو فتح کر لیتا وہ شکست خوردہ فرعون کی جگہ یہ لقب خود اختیار کر لیتا اور ملک پر حکمرانی شروع کر دیتا۔ یہاں ہمارا مقصد فرعونوں کی تاریخ کا بیان نہیں بلکہ ہم اس مخصوص فرعون کے بارے میں جائزہ لے رہے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے سمندر میں غرق ہو گیا اور جس کو باری تعالیٰ نے نشان عبرت بنانے کا اعلان کیا تھا۔ اس فرمان ہی کے تحت طویل عرصہ تک سمندر میں رہنے کے بعد بھی اس کی لاش درست حالت میں رہی اور آج بھی ممی کی شکل میں قاہرہ کے عجائب گھر میں عبرت کا نشان بنی ہوئی ہے۔

بہت سے مورخوں نے اس فرعون کو ہی فرعون موسیٰ سمجھ لیا جس کے دور میں حضرت موسیٰؑ

کو دریا سے نکالا گیا تھا اور آپؑ کی شاہی محل میں پرورش شروع کر دی گئی تھی کیونکہ بوڑھے فرعون کی آخری نوجوان بیوی حضرت موسیٰ کی معصومیت پر مرمٹی تھی لہٰذا اس نے آپؑ کی پرورش کی اور پروان چڑھایا لیکن بعد میں اس فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے بیٹے کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا تنازعہ ہوا جو باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا اور اس نے خدائی کا دعویٰ بھی کر دیا تھا۔

فرعون موسیٰ کے بارے میں مورخوں کی مختلف آرا موجود ہیں۔ کچھ کے نزدیک یہ دونوں فرعون رام سیس اول اور دوم تھے۔ بعض مغربی مورخ تھوتھمس اول اور دوم کو اس دور کے فرعون بتاتے ہیں۔ تیسرے مکتبہ فکر کے مطابق ایمن ہوتپ دوم اور سوم کے دور میں سارا معاملہ پیش آیا۔ فرعون موسیٰ کے تعین کے لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ بنی اسرائیل کس دور میں مصر آئے اور انہوں نے کتنا عرصہ اس ملک میں قیام کیا۔ تاریخ اور توراۃ کو پیش نظر رکھا جائے تو بنی اسرائیل قریباً ساڑھے چار سو سال مصر میں رہے۔ بعض مورخوں نے یہ مدت چھ سو سال لکھی ہے لیکن پوری تاریخ کا جائزہ لینے سے توراۃ میں دی گئی مدت ہی درست معلوم ہوتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کو مصر میں عروج حاصل ہوا تو اس وقت ہیکسوس فرعونوں کا دور تھا۔ ہیکسوس فرعونوں کے تیس خاندانوں میں سے ایک تھا جس نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے اٹھارہ سو برس قبل یا حضرت موسیٰؑ کے دور سے قریباً پانچ سو برس قبل مصر کو فتح کیا تھا۔ فرعون موسیٰ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ 14 ویں صدی قبل از مسیح میں سمندر میں غرق ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں اسی مدت کو دیکھتے ہوئے فرعون موسیٰ کا تعین کرنا ہے۔

ہم رام سیس کا ذکر کرتے ہیں تو تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہ نام اصل میں ایمن ہوتپ کا ہی تھا۔ قدیم مصر میں ایک سے زیادہ نام رکھنے اور نام تبدیل کر لینے کا رواج عام تھا رام سیس دوم اور ایمن ہوتپ دوم اصل میں ایک ہی شخصیت کے دو روپ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو اس وقت مصر پر اسی فرعون کی حکمرانی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا رام سیس یا ایمن ہوتپ سوم فرعون بنا۔ اس فرعون کا ایک نام مفتاح بھی تھا۔ تاریخ کا

جائزہ لینے سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرعون 1420 سے 1375 قبل مسیح تک برسراقتدار رہے۔ تھوتھمس اول اور دوم کا عرصہ اقتدار 1541 سے 1447 قبل مسیح ہے۔

تھوتھمس اول اور دوم کا دور چونکہ ایمن ہوتپ سے پہلے کا ہے لہٰذا اس کے بارے میں جائزہ لے لیتے ہیں کہ یہ فرعون موسیٰ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ان کے اقتدار کی مدت کو دیکھتے ہوئے انہیں فرعون موسیٰ تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بنی اسرائیل نے ساڑھے چار سو کی بجائے ساڑھے تین سو سال مصر میں غلامی کا زمانہ گزارا۔ یہ اس لیے بھی قابل یقین نہیں کہ تھوتھمس اول 1501 قبل مسیح میں اس دنیا سے گیا تو اس کی جگہ تھوتھمس دوم نے لی مگر وہ تنہا حکمران نہیں تھا۔ نصف صدی پر محیط اس کے اقتدار میں بیس برس تک اس کی ملکہ ہت سی شپ بھی شریک رہی ہے۔ یہ ایسی زبردست ملکہ تھی کہ اس نے شوہر کو بے اختیار بنا کر رکھ دیا تھا اور وہ قریباً نظر بندی میں رہا۔ ملکہ چل بسی تو تھوتھمس دوم نے مکمل اقتدار سنبھال لیا۔ اپنی ملکہ سے اس کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ مرنے کے بعد اس نے ملکہ سے منسوب تمام نشانیاں اور یادگاریں ختم کر دیں۔

حضرت موسیٰؑ کے بچپن سے لے کر مصر سے بنی اسرائیل کے خروج تک کے زمانے کو دیکھیں تو اس میں اس کے اقتدار کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا دونوں حوالوں سے تھوتھمس کو فرعون موسیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

اب ایمن ہوتپ یا منفتاح رہ جاتا ہے۔ اس کا اقتدار تھوتھمس سے کچھ عرصہ بعد آتا ہے۔ ہم بنی اسرائیل کے خروج تک کی مدت کو دیکھتے ہیں تو یہی فرعون موسیٰ قرار پاتا ہے۔ ہامان اور قارون بھی اس کے دور میں تھے۔ اس کی حکمرانی شروع ہونے تک مصر میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی تھی جبکہ مقامی آبادی اس سے کم تھی۔ اس کو خطرہ تھا کہ بنی اسرائیلی متحد ہو گئے تو اقتدار ان کے قبضے میں چلا جائے گا۔ اس کے باپ کی طرف سے یہود میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو مار دینے کا حکم بھی اسی وجہ سے دیا تھا۔ بنی اسرائیل کو قابو کرنے کے لیے ان کے مردوں کو دو نئے شہروں کی تعمیر کی بیگار پر لگا دیا گیا تا کہ وہ کسی قسم کے فساد کے

لیے اکٹھے نہ ہو سکیں۔

فرعون موسیٰ کے بحیرہ قلزم میں غرق ہونے کے بعد اس کا بیٹا حکمران بنا جس کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات ہیں۔ اس وقت مصر میں پروہتوں وغیرہ کا بڑا زور تھا۔ وہ کارشاہی میں بھی کافی دخیل تھے مگر اس فرعون نے ان کا زور توڑنے کی کوشش کی۔ اسی بنا پر اس نے ایک نیا شہر بسا کر اپنا دارالحکومت بھی تبدیل کر لیا۔ یہ خود کو خدا نہیں کہتا تھا اور ذات واحد کا قائل تھا۔ اس حوالے سے کئی ایک روایات ہیں۔ یہ فرعون ایمن ہوتپ کے نام سے ہی تخت نشین ہوا تاہم اس نے اخناتین کا نام بھی اپنایا اور اپنے نئے دارالحکومت کا نام بھی اخناتون رکھا۔

سعودی عرب کے ایک محقق جناب حمدی بن حمزہ کی اس سلسلے میں تحقیق بڑی دلچسپ ہے۔ انہوں نے اخناتین ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے حوالے سے ایک تحقیقی کتاب بھی لکھی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اخناتین کا باپ ایمن ہوتپ سوئم ہی فرعون موسیٰ تھا جو خود کو خدا کہتا اور اس نے بنی اسرائیل کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ تمام بیگار انہی سے لی جاتی جس کا انہیں معاوضہ تک نہیں دیا جاتا تھا حتیٰ کہ پیٹ بھر کر کھانے کو روٹی تک نہ ملتی۔ یہی فرعون اپنی سپاہ سمیت حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے بحیرہ قلزم میں غرق ہوا۔

اس کا بیٹا اخناتین اس کی موت کے بعد فرعون بنا اور اٹھارہ برس تک حکمرانی کرتا رہا۔ اس کی پیدائش دریائے نیل کے کنارے محل الشرق میں ہوئی۔ اس کی ماں ملکہ طائی تھی اور اس نے حضرت موسیٰؑ کو گود لیا تھا۔ بعض دوسری روایت کے مطابق آپؑ کو فرعون کی بہن نے پالا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہو۔ اس کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ جناب حمدی کی تحقیق کے مطابق یہی ملکہ طائی دراصل آسیہ ہیں جن کا خود باری تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ فرعون کی ملکہ ہونے کے باوجود وہ توحید پرست تھیں اور اپنے شوہر کو خدا نہیں مانتی تھیں۔

اخناتین نے اپنے باپ کے دربار میں حضرت موسیٰؑ کی وکالت بھی کی اور کہا تھا کہ وہ خدائی کا دعویٰ چھوڑ کر موسیٰؑ کی باتوں پر کان دھرے۔ یہ شہزادہ 23 برس کی عمر میں ولی عہد اور 32 برس کی عمر میں فرعون بنا۔ اس وقت بادشاہ کا محل قدیم شہر تھیبس میں تھا جو آج بھی بدلے

ہوئے نام کے ساتھ موجود ہے۔ اب یہ الاقسر کہلاتا ہے۔ یہ شہر اس وقت فرعون کا پایہ تخت تھا۔
اخناتین پیدا ہوا تو باپ نے اس کا نام اپنے ہی نام پر یعنی ایمن ہوتپ چہارم رکھا مگر بعد میں
اس کو اخناتین کا نام دے دیا گیا۔ ناموں میں یہ تبدیلی اس دور میں عام سی بات تھی۔

اگرچہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم جناب حمدی کی تحقیق ہے کہ ملکہ آسیہ یہی تھیں۔ ملکہ آسیہ اتنی بڑی خدا پرست تھیں کہ قرآن پاک میں ان کی توحید پرستی کو مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آپ نبی کریمؐ کی ولادت باسعادت کے بارے میں مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ باری تعالیٰ نے اس مبارک موقع پر انہیں بھی جنابہ آمنہ کے پاس بھیج دیا تھا۔ یقیناً انہیں جنت سے بھیجا گیا ہوگا۔ ملکہ آسیہ کے والد اور والدہ بھی فرعون کے دربار میں بہت اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی یویا اور طویا کے ناموں سے معروف تھے۔ ملکہ کے والد یا اخناتین کے نانا نے حضرت موسیٰ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو لے کر یہاں سے نکل جائیں کیونکہ فرعون کے امرا ان کے خلاف سازشوں کے جال بن رہے ہیں اور انہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

تحقیق میں مزید بتایا گیا ہے کہ اخناتین مشرک نہیں بلکہ توحید پرست تھا۔ اس کے ذات واحد پر ایمان کی تصدیق تو دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہیں تاہم وہاں اس ذات کو مختلف شکلوں اور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تحقیق میں اسی بادشاہ کو ذوالقرنین قرار دیا گیا ہے جن کا قرآن میں ذکر ہے کہ وہ سورج ڈوبنے اور طلوع ہونے کی جگہ گئے اور یاجوج ماجوج کے فتنے کو روکنے کے لیے دیوار تعمیر کرائی۔

اخناتین بادشاہ بنا تو نفرتیتی اس کی ملکہ تھی۔ ملکہ بھی وہاں کے معبودوں اور دیوتاؤں سے نفرت کرتی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ملکہ آسیہ نے بیٹے کی شادی کسی مشرک خاندان میں نہیں کی تھی۔ ان سارے کرداروں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدائی کے دعویدار فرعون کے اپنے گھر میں حقیقی خدا کو ماننے والوں کا اجتماع ہوگیا تھا جو فرعون کی بہت بڑی ناکامی تھی۔

اخناتین بادشاہ بنا تو وہاں کے پروہتوں اور مہنتوں کو اس کا موحد ہونا ایک آنکھ نہیں بھایا کیونکہ ان کا اقتدار اور روٹی روزی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ انہوں نے سازشوں کے جال

بچھانے شروع کر دیئے۔ وہ ہمہ وقت اخناتین کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں رہتے۔ اخناتین ان سے بہت تنگ آیا ہوا تھا لہٰذا اس نے دارالحکومت تھیبس کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک اور شہر اخناتون تعمیر کرایا اور پایہ تخت وہاں منتقل کرلیا۔ وہاں اس نے خدائے واحد کی بات کی تو بہت سے لوگوں کو یہ پسند نہ آئی۔ بہت سے درباری امرا بھی اس کے خلاف ہو گئے اب پروہت اور امرامل کر سازشیں کر رہے تھے۔ اس صورتحال میں اخناتین بڑا پریشان تھا کیونکہ اسے اب مصر میں اپنا کوئی مستقبل نظر نہیں آرہا تھا جبکہ بغاوتیں بھی سر اٹھانے لگی تھیں۔

اس سارے ماحول کے پیش نظر اخناتین نے ایک فیصلہ کرلیا۔ اس نے اپنی وفادار فوج بھرتی کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بیڑا بھی تیار کرایا۔ ایک مقررہ رات کی تاریکی میں اس نے اپنی سپاہ کو لیا اور دارالحکومت کے قریب ہی تل امرنا کے علاقے سے نامعلوم منزل کی جانب نکل کھڑا ہوا...... دنیا حیران تھی کہ یہ فرعون اچانک کہاں غائب ہو گیا صدیوں تک اس اسرار پر پردہ ہی پڑا رہا۔ آخر قرآن نے ذوالقرنین (اخناتین) کے سفر کا حال بیان کیا۔ تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ انہیں نبوت بھی عطا کی گئی تھی۔ وہ مصر اور چین کے عوام کے لیے مبعوث کیے گئے۔ ان کی نسلوں نے چین کی حنان کاؤنٹی پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی۔ ان کی اور ملکہ نفرتیتی کی تدفین اسی مقام پر ہوئی۔

بزرگوں نے کئی ایک لوگوں کو ذوالقرنین قرار دیا ہے جس میں سکندر اور سائرس بھی شامل ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ دونوں مشرک جبکہ ذوالقرنین توحید پرست تھا۔ پھر ان دونوں ہستیوں نے کبھی چین کا سفر بھی نہیں کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں ذوالقرنین کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ اس کے حامی ہیں کہ ذوالقرنین کو نبوت عطا کی گئی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے، ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں قلنا یاذا القرنین۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین۔

اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں اس لیے مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں قلنا کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اس میں شک نہیں کہ قلنا کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو۔ یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعہ ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو جیسا کہ فقلنا اضربوہ ببعضھا (۲:۷۳) میں ہے یا خطاب قول نہ ہو۔ تکوینی ہو جیسا کہ قیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی (۱۱:۴۴) اور قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم (۲۱:۶۹) وغیرہا آیات میں ہے لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہیے کہ اس کے لیے قوی وجوہ موجود ہوں اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے تو صحابہ وسلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

O

گائے کا قصہ

سورۃ بقرہ میں ہی ایک قاتل، مقتول اور گائے کا بیان ہے۔ یہود کی حیلہ سازی کی وجہ سے گائے کی تلاش میں ان کے لیے مشکل صورتحال پیدا کر دی گئی۔ قصہ یہ ہے کہ ایک بھتیجے نے اپنے مالدار چچا کو قتل کر دیا اور الزام دوسروں پر لگا دیا۔ اس کا مقصد چچا کی جائیداد کا حصول اور اس کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لینا تھا۔ دوسرے یہود پر الزام آیا تو معاملہ حضرت موسیٰؑ کے پاس پیش ہوا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ قتل میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے باری تعالیٰ سے دعا کی تو وحی الٰہی آ گئی کہ ان سے ایک گائے ذبح کرنے کے لیے کہا جائے پھر اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کو لگایا جائے تو وہ قاتل کا پتہ بتا دے گا۔

یہ حکم آنے پر یہود نے اپنے نبیؑ سے کہا کہ آپؑ تو ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ مذاق تو جاہل کیا کرتے ہیں۔ میں نے تو تمہیں وہ حکم بتایا ہے جو باری تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ لیکن وہ حیل و حجت میں پڑ گئے اور گائے کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ انہوں نے سوال کیا کہ وہ گائے کس قسم کی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ وہ نہ زیادہ عمر کی ہو اور نہ کم عمر بلکہ جوان ہونی چاہیے۔ اس پر بھی ان کی تسلی نہیں ہوئی تو انہوں نے رنگ کے بارے میں سوال کیا چنانچہ انہیں بتایا گیا کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہو اور وہ ہر دیکھنے والے کی آنکھ میں اتر جاتی ہو۔ سوال اس کے بعد بھی موجود تھا کہ اس طرح کی گائیں تو بہت ہیں اس کا کوئی خصوصی وصف بتائیں۔ جس

پر وحی الٰہی نازل ہوئی کہ یہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی۔ کھیتوں کو پانی نہیں دیا، یہ ہر عیب سے پاک ہے۔اس کا ایک ہی رنگ ہےاور اس پر کوئی داغ دھبہ بھی نہیں۔

مقصد یہ کہ ان کے سوالات پر گائے کے بارے میں شرائط میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔اگر وہ پہلی بار ہی مان لیتے اور کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو ان کا مسئلہ حل ہو جاتا مگر حیل وحجت کی بنا پر انہوں نے خود اپنا کام مشکل بنالیا۔انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مذاق اڑانے والا رویہ اپنالیا تھا لیکن اب اپنے اوپر سے الزام ختم کرانے کے لیے وہ مسئلے کا شکار ہو گئے اور مذکورہ خوبیوں والی گائے تلاش کرنے لگے۔

دوسری طرف دیکھئے اللہ کریم کس طرح بے کسوں کی مدد کرتا ہے۔یہ اللہ کی قدرت کہ ان خوبیوں والی گائے پورے شہر میں صرف ایک لڑکے کے پاس تھی جو اپنے والدین کا انتہائی فرمانبردار تھا۔اس فرمانبرداری پر اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو گائے عطا کی تھی۔یہود اس لڑکے کے پاس گئے اور ایک کے بدلے دو گائیں دینے کی پیشکش کی مگر لڑکے نے انکار کر دیا۔یہاں تک کہ ایک ایک گائے بڑھاتے گئے اور دس تک پہنچ گئے مگر لڑکا قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا......اس لڑکے کا باپ انتقال کر چکا تھا۔یہ بیوہ ماں کے ساتھ غربت اور تنگدستی کی زندگی گزار رہا تھا۔

یہود نے ساری صورت حال حضرت موسیٰؑ کے گوش گزار کی تو آپؑ نے فرمایا کہ وہ جو قیمت مانگتا ہے اسے دے دو۔ گائے کے وزن کے برابر سونے پر معاملہ طے ہوا۔یوں مولا نے اس یتیم بچے اور اس کی بیوہ ماں کی مدد کی۔قصہ کوتاہ گائے خرید کر ذبح کی گئی اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے جسم کو لگایا گیا تو وہ جی اٹھا۔اس سے مقتول کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا میرے بھتیجے نے مجھے قتل کیا ہے تاکہ میرے مال پر قبضہ کرےاور میری بیٹی کو اپنے نکاح میں لے لے۔یہ جواب دینے کے بعد وہ پھر مر گیا۔

قاتل کا پتہ چل گیا تو اسے پکڑ لیا گیا اور چچا کے پیچھے ہی اگلے جہان روانہ کر دیا گیا۔اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو فتنہ وفساد پیدا ہونے والا تھا وہ اس سے بچ گئے۔حقیقت یہ ہے

کہ یہ بھی یہود کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھی۔رب ذوالجلال نے مقتول کو زندہ فرمایا اور پھر قاتل کا سراغ دیدیا ورنہ وہ جس قدر سر مار لیتے قاتل کا پتہ چلانا قریباً ناممکن تھا کیونکہ اس نے نعش شہر کے داخلی دروازے کے باہر ڈال دی اور خود مدعی بن کر آہ وبکا کرنے لگا تھا لیکن یہ ترکیب اس کے کام نہ آئی اور اللہ نے ان کے درمیان پیدا ہونے والے ایک فتنہ کو رفع فرمادیا۔اس کی بھی ایک وجہ تھی کہ آخری سوال کا جواب آنے پر انہوں نے انشاء اللہ کہہ دیا تھا۔بزرگوں کے اقوال ہیں کہ وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو گائے کے سلسلے میں ان کے لیے شرائط بڑھتی جاتیں۔ان کے لیے مزید مشکل صورتحال پیدا ہو جاتی اور پھر مطلوبہ گائے کی تلاش مسئلہ بن جاتی۔

مردے کی طرف سے اپنے قاتل کی نشاندہی کا ایک واقعہ نبی کریمؐ کے دور کا بھی ہے۔ امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت انس بن مالکؓ کی ایک حدیث دی ہے جس میں آپؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا اور اس کے کپڑے اتار لیے۔ نبی کریم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس لڑکی سے پوچھو اسے کس نے مارا ہے۔لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ تجھے فلاں نے مارا، فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس لڑکی نے سر کے اشارے سے ہاں کہہ دی۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کر لیا گیا۔بار بار پوچھنے پر اس نے اقرار کر لیا تو حضورؐ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔

حضرت موسیٰ کے دور کے مذکورہ واقعہ کے حوالے سے قرآن میں یہودیوں کے بارے میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ان کے دل پتھر کے ہو گئے تھے۔سورہ بقرہ ہی کی آیت 74 میں ہے کہ ''پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی سخت ہو گئے۔بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے خوف سے گر گر پڑتے ہیں۔تم اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔''

بنی اسرائیل یعنی یہود کو مخاطب کر کے باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں سمجھ کر بھی تمہارے دل بہت جلد پتھر بن گئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب مذکورہ مقتول زندہ ہو کر قاتل کا نام بتانے کے بعد مر گیا تو قاتل یعنی اس کے بھتیجے نے کہا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ مگر اب کون اس کا یقین کرتا کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کہ وہ پند و نصیحت اور موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے تھے۔



حصہ چہارم

یہود کا تعصب

یہود جانتے تھے

قرآن کریم میں رب ذوالجلال کا فرمان ہے:

اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبیؐ کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو (البقرہ:89)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے یہودیوں کی ہٹ دھرمی بیان کی ہے۔ ان کو نبی کریمؐ کی آمد کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا کہ توراۃ نے ان کے سامنے آپؐ کی ہستی اور شخصیت کو کھول کر رکھ دیا تھا۔ جب کبھی ان کی کفار کے ساتھ جنگ ہو جاتی اور وہ کفار کے مقابلے میں کمزور دکھائی دیتے وہ توراۃ میں ان مقامات پر ہاتھ رکھ دیتے جن پر نبی کریمؐ کی صفات کی بیان کی گئی تھیں اور پھر آپؐ کے صدقے اور واسطے سے وہ دعا کرتے تھے کہ:

اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ آج ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے محبوبؐ کے صدقے فتح عنایت کر دیتا۔ (روح المعانی، قرطبی)

مدینہ میں بھی یہودی اوس وخزرج کو ڈرایا کرتے تھے۔ وہ آنے والے نبیؐ کا حوالہ دیتے اور کہتے کہ اس وقت ہم تمہارے ساتھ نمٹ لیں گے۔ عقبہ میں اوس وخزرج نے اسی لیے نبی کریم کی بیعت میں جلدی کی کہ کہیں یہود ان پر سبقت نہ لے جائیں۔

علامہ ابن جوزی کے مطابق حضرت بشیر بن براءؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے گروہ یہود سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ تم بھول گئے کہ جب ہم مشرک تھے تو تم حضورؐ کے صدقے اور واسطے سے ہم پر فتح حاصل کیا کرتے تھے۔ تم ہمیں بتاتے تھے کہ وہ تشریف لانے والے ہیں اور تم ہمیں ان کی صفات سے بھی آگاہ کیا کرتے تھے۔

حضرت عطا بن یسار نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصیؓ سے توراۃ میں موجود نبی کریمؐ کی صفات سے آگاہی چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ بے شک توراۃ میں حضورؐ کی وہی صفات موجود ہیں جو قرآن میں بتائی گئی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے توراۃ کی یہ آیت سنائی جس میں نبی کریمؐ کی صفات بیان کی گئی ہیں:

> اے نبی! ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر خوشخبری دینے والا، بروقت ڈرانے والا، امتیوں کے لیے جائے پناہ۔ تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام المتوکل رکھا ہے نہ تو درشت خو ہے نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ تو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ اللہ آپ کو اپنی طرف نہیں بلائے گا یہاں تک کہ ایک ٹیڑھی ملت کو آپ کے ذریعے درست کر دے اور وہ سب کہنے لگیں لا الہ الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بینا، بہرے کانوں کو سننے والے اور غلافوں میں لپٹے ہوئے دلوں کو نور ہدایت سے منور کر دے گا۔ (الوفا لابن الجوزی)

حضرت مالک بن سنان کی روایت ہے کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل (یہودی قبیلہ) کے ہاں گفتگو کے لیے آیا۔ اس وقت ہمارے اور ان کے درمیان عارضی صلح ہو چکی تھی۔ میں نے وہاں ایک یہودی یوشع کو یہ کہتے سنا کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس کا نام نامی احمد ہوگا اور وہ حرم سے نکلے گا۔ ایک دوسرے یہودی خلیفہ بن ثعلبہ نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حلیہ تو بتاؤ جس پر یوشع نے کہا کہ وہ پست قد ہوگا اور نہ طویل قامت۔ اس کی آنکھوں

میں سرخی ہوگی۔ وہ دستار باندھے گا۔ اونٹ پر سوار ہوگا۔ اس کی تلوار اس کی گردن میں حمائل ہوگی۔ یہ شہر (موجودہ مدینہ) اس کی ہجرت گاہ بنے گا۔ جناب مالک کو یوشع کی بات پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اسے سن کر اپنی قوم کے پاس آیا۔ ہم سے ایک شخص بولا یہ بات صرف یوشع تو نہیں کہتا بلکہ یثرب (مدینہ) کا ہر یہودی کہتا ہے۔ وہاں سے میں بنی قریظہ کے پاس آیا۔ ان کے چند لوگ وہاں جمع تھے انہوں نے نبی کریمؐ کا ذکر شروع کر دیا۔

جناب مالک کے مطابق زبیر بن باطا نے کہا وہ سرخ ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ یہ ستارہ صرف اس وقت طلوع ہوتا ہے جب کسی نبی کا ظہور ہوتا ہے اور اب احمدؐ کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔

ابن ابی غلہ روایت کرتے ہیں کہ بنی قریظہ کے یہود اپنی کتابوں میں نبی کریمؐ کا ذکر پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنی اولاد کو حضورؐ کی صفات اور اسم مبارک سے آگاہ کرتے تھے۔ وہ یہ بھی بتاتے تھے کہ مدینہ حضورؐ کی ہجرت گاہ ہے لیکن جب حضورؐ مبعوث ہوئے تو انہوں نے حسد کے مارے آپؐ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ واضح رہے کہ یہود کے حسد کی وجہ نبی کریمؐ کی بنی اسماعیل میں پیدائش تھی جبکہ یہودیوں کا خیال تھا آخری نبی حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے ہوگا۔ خود بنی اسرائیل انہی کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت صفیہؓ یہودی سردار حیئ بن اخطب کی بیٹی اور ابو یاسر بن اخطب کی بھتیجی تھیں۔ آپؓ غزوہ خیبر میں قیدی بنیں۔ بعد میں آپؓ کاشانہ نبوتؐ میں رونق افروز ہوئیں اور ام المومنینؓ کا درجہ پایا۔ علامہ ابن قیمؒ آپؓ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ قبا میں تشریف لائے تو میرے والد اور چچا صبح منہ اندھیرے ہی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ سورج غروب ہونے کے بعد لوٹے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تھکے ہوئے ہی نہیں افسردہ خاطر بھی ہیں اور بڑی مشکل کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہے ہیں۔ میں نے حسب عادت انہیں محبت بھرے الفاظ سے خوش آمدید کہا مگر ان دونوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ چچا میرے باپ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا یہ وہی ہیں۔ باپ نے کہا خدا کی قسم اس میں کوئی شک نہیں۔ چچا نے پوچھا

تم نے توراۃ میں بیان کردہ صفات اور نشانیوں سے انہیں پہچان لیا تو باپ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں۔ پھر چچا نے پوچھا کہ اب کیا خیال ہے تو میرے باپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب تک زندہ رہوں گا ان سے عداوت کرتا رہوں گا۔

حضورؐ کی ولادت باسعادت کے وقت یہودی علماء میں سراسیمگی پھیل گئی تھی اور وہ پوچھ رہے تھے کہ آج کس کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کی خبر موسیٰؑ نے دی تھی۔ سیرۃ النبویہ میں حضرت کعب احبارؓ کا بھی بیان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو نبی کریمؐ کی پیدائش کے وقت سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب فلاں ستارہ اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو وہ نبی مکرمؐ کی ولادت باسعادت کا وقت ہوگا۔ یہ بات بنی اسرائیل کو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی تھی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی پیدائش کے دن ایک یہودی قریش سے پوچھ رہا تھا کہ آج کس کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ قریش نے معلوم کر کے اسے حضرت عبدالمطلب کے گھر پہنچا دیا۔ یہودی نے بچہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے آپؐ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی تو قریباً بے ہوش ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا خدا کی قسم! نبوت بنی اسرائیل سے رخصت ہو گئی۔ اے قریش! تمہیں مبارک ہو۔ اس بچے کے ذریعے تمہیں غلبہ واقتدار حاصل ہو گا اور مشرق و مغرب میں اس کا شہرہ ہو جائے گا۔

یہودی قبیلہ بنو قریظہ یثرب (مدینہ) میں آباد تھا۔ جناب عاصم بن عمر بن قتادہ کی روایت ہے۔ قبیلہ کے ایک رئیس نے مجھ سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ شعبہ کے دونوں بیٹے اسد اور ثعلبہ جبکہ عبید کا بیٹا اسد کیونکر مسلمان ہوئے۔ میرے انکار میں جواب دینے پر اس نے کہا کہ شام سے ابن الہیبان نام کا ایک یہودی ہمارے پاس قیام پذیر ہو گیا۔ ہم نے اس سے بہتر نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ وہ حضورؐ کی بعثت سے دو سال قبل آیا تھا۔ جب کبھی ہم قحط سالی کا شکار ہوتے تو اسے دعا کے لیے درخواست کرتے وہ ہم سے صدقہ دلواتا اور کھلے میدان میں جا کر دعا مانگتا تو بارش برسنے لگتی۔ موت کا وقت قریب آیا تو اس نے ہمیں جمع کیا اور کہا اے گروہ

یہود! تم جانتے ہو کہ میں شام میں موجود آسائشیں چھوڑ کر یہاں کیوں آیا ہوں حالانکہ یہاں بھوک وافلاس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہمارے لاعلمی ظاہر کرنے پر اس نے کہا مجھے ایک نبی کے ظہور کی توقع تھی جس کا زمانہ بہت قریب ہے اور یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہوگا۔ اس نے ہمیں نصیحت کی کہ وہ تشریف لائیں تو ان کی پیروی میں تاخیر نہ کرنا۔ خیال رکھنا کہ کوئی اور تم پر بازی نہ لے جائے۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ جس رات بنو قریظہ کی تینوں گڑھیاں فتح ہو گئیں وہ تینوں آئے جو ابھی نوعمر تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تم سے ابن الہیبان نے ذکر کیا تھا۔ یہودیوں نے تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم! یہ وہی ہیں۔ ان میں وہ تمام صفات موجود ہیں جن کا ذکر ابن الہیبان نے کیا تھا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنے بال بچوں اور مال و دولت کی بالکل پروانہ کی جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں کہ ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بنی اسرائیل کی کتب میں نبی کریمؐ کا مکمل ذکر موجود تھا جس سے یہودی عالم آگاہ تھے۔ یہ محض نسبی حسد اور عناد تھا کہ انہوں نے آپؐ کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اور قصہ مختصر جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہ آپؐ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں تو پھر مزید کیا باقی رہ جاتا ہے۔

○

مانتے نہیں تھے

سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آپ فرمایئے جو دشمن ہو جبرئیلؑ کا (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت و خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔ جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا۔ (98-97)

ان آیات مبارکہ کی وجہ نزول دو واقعات بتائے جاتے ہیں یہودیوں نے نبی کریمؐ کی تصدیق کی تھی کہ ان کی کتب میں یہی لکھا تھا تاہم انہوں نے اپنی مقدس کتب کی تصریحات کو پس پشت ڈال دیا اور ضد پر قائم رہے۔

تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہودیوں کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے نبی کریمؐ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کون سا فرشتہ وحی لیکر آتا ہے۔ حضورؐ نے جبرئیل امین کا نام لیا تو صوریا نے جواب دیا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے۔ ہم پر عذاب لیکر ہی اترتا رہا لہٰذا ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کا ہے۔ انہوں نے یہود کو قسم دی اور پوچھا کہ توراۃ میں نبی کریمؐ کا ذکر موجود ہے۔ انہوں نے اس کی تصدیق تو کی مگر مذکورہ وجہ کی بنا پر ماننے سے انکار کر دیا۔

امام ابن کثیر نے ان دونوں واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ رسول کریمؐ کے حوالے سے تو ایسے کئی ایک واقعات ہیں جو آپؐ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہود نے حضرت جبرئیلؑ کو دشمن اور میکائیلؑ دوست قرار دیا تو اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے جواب سچے نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپؐ نبی ہیں تو ان کے جواب دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پوچھو مگر عہد کرو کہ میں نے درست جواب دے دیئے تو تم میری نبوت کا اقرار کرو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے۔ آپؐ نے ان سے حضرت یعقوبؑ کی طرح اللہ تعالیٰ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے لیا۔

یہودیوں کا پہلا سوال یہ تھا کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیلؑ نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا۔ آپؐ نے جواب دیا کہ حضرت یعقوبؑ عرق النساء کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا دے تو میں اپنے کھانے اور پینے کی سب سے مرغوب چیز چھوڑ دوں گا۔ تندرستی کے بعد آپؑ نے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ چھوڑ دیا جو آپؑ کو بہت پسند تھا۔ حضورؐ کے مطالبے پر یہود نے قسم کھا کر اسے درست قرار دیا۔

ان کا اگلا سوال تھا کہ مرد اور عورت کے پانی کی کیا کیفیت ہے۔ اور کبھی لڑکا اور کبھی لڑکی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفیدی مائل جبکہ عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے۔ ان میں سے جو غالب آجائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے۔ حکم الٰہی سے مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو لڑکا اور عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ یہود نے قسم کھا کر اس جواب کو بھی سچ قرار دیا۔ چنانچہ آپؐ نے ان دونوں باتوں پر اللہ کو گواہ بنا لیا۔

تیسرا سوال تھا کہ توراۃ میں جس نبی امی کا ذکر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کون سا فرشتہ وحی لیکر آتا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ جب اس کی آنکھیں سوئی ہوں تو ایسی حالت میں بھی اس کا دل جاگتا رہتا ہے۔ یہود نے اسے درست تسلیم کر کے سوال کے دوسرے حصے یعنی وحی لانے والے فرشتے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا ولی جبرئیل ہے۔ وہی میرے پاس وحی لیکر آتا ہے اور تمام انبیاءؑ کے پاس وہی باری تعالیٰ کا پیغام لیکر آتا ہے۔ یہود نے قسم کھائی کہ جواب تو درست ہے لیکن جبرئیل ہمارا دشمن ہے وہ سختی اور خونریزی لیکر آتا ہے اس لیے ہم اس کی نہیں مانیں گے اور آپ کی بھی نہیں مانیں گے۔ اگر آپ کے پاس میکائیلؑ آئے جو بارش، رحمت اور پیداوار لیکر آتے اور ہمارے دوست بھی ہیں تو ہم آپ کی تصدیق اور تابعداری کرتے۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اسی حوالے سے کچھ اور روایات بھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ رعد کیا ہے؟ جس پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔ وہ اللہ کے حکم پر بادلوں کو ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ یہود نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ یہ روایات مسند احمد وغیرہ میں موجود ہیں۔

بخاری شریف کے مطابق آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام یہودیت پر قائم تھے۔ آپؐ کی تشریف آوری پر وہ اپنے باغ میں موجود تھے۔ آپؐ کی آمد کی خبر سن کر وہ آپؐ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے۔ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے اور کون سی چیز بچے کو کبھی ماں کی طرف کھینچ لیتی ہے اور کبھی باپ کی طرف۔ آپؐ نے سوالات سنے اور فرمایا ان تینوں سوالات کے جواب مجھے ابھی ابھی جبرئیلؑ نے بتائے ہیں۔ آپ بھی سن لیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے جس پر آپؐ نے مذکورہ آیات تلاوت فرمائیں اور انہیں آگاہ کیا کہ قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی ہوگی جو انہیں بطور ضیافت کھلائی جائے گی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر

سبقت لے جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جواب سنتے ہی جناب عبداللہ بن سلام نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ واضح رہے کہ مدینہ کے قریباً سارے مشرک مسلمان ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں کو سیاہ ہی رکھا کہ ان میں سے صرف دس کے دل ایمان کی روشنی اور نور سے منور ہوئے۔

اب حضرت عمرؓ کے حوالے سے روایت پر آتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں کبھی کبھی یہودیوں کے اجتماع میں چلا جایا کرتا تھا۔ میں دیکھتا رہتا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتی ہے۔ یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے۔ ان سے اکثر بات چیت ہو جاتی تھی۔ ایک دن میں ان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ نبی کریمؐ کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہارے نبی جا رہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں مگر تم یہ تو بتاؤ لیکن تمہیں اللہ وحدہ کی قسم تم اللہ جل شانہ برحق کو مدنظر رکھو اور اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب تم میں موجود ہے۔ رب کی قسم کھا کر بتاؤ کہ کیا تم حضورؐ کو رسول نہیں مانتے۔ وہ سب خاموش ہو گئے تو ان کے سردار اور بڑے عالم نے کہا، اس شخص نے اتنی سخت قسم دی ہے۔ تم اس کا سچا جواب کیوں نہیں دیتے۔ لوگوں نے کہا آپ ہمارے بڑے ہیں۔ آپ ہی ان کو جواب دے دیں۔ اس عالم نے کہا سچ تو یہی ہے کہ ہم حضورؐ کی نبوت کو دل سے مانتے ہیں۔ وہ اللہ کے سچے نبیؐ ہیں۔ میں نے (حضرت عمرؓ نے) کہا کہ افسوس کہ جب جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں۔ جواب ملا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی الٰہی لیکر آنے والا فرشتہ جبرئیل ہے جو نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں۔ ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر وحی لیکر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و راحت کے فرشتے ہیں تو ہمیں انہیں نبی ماننے میں کوئی تامل نہ ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ بتاؤ ان دونوں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک تو باری تعالیٰ کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف (واضح رہے کہ بزرگوں کے فرمودات کے

مطابق باری تعالیٰ کے دونوں بازو داہنے ہیں) میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ان میں سے جو کسی ایک کا بھی دشمن ہے اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی۔ کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہوسکتا۔ نہ ان میں سے کسی ایک کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دوست ہوسکتا ہے۔ نہ ان میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آسکتا ہے نہ کوئی کام کرسکتا ہے۔ واللہ! مجھے تم سے لالچ ہے نہ کوئی خوف۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو۔ اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرئیل ومیکائیل کا دشمن ہوتو اس کافر کا اللہ وحدہ لاشریک بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

میں حضورؐ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضورؐ سنائیے۔ جس پر آپؐ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضورؐ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ یہی باتیں ابھی ابھی یہود کے ساتھ ہورہی تھیں۔ میں تو چاہتا یہی تھا بلکہ آپؐ کے پاس اسی لیے حاضر ہوا تھا مگر میرے آنے سے پہلے ہی لطیف وخبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچادی۔

باری تعالیٰ نے آپؓ کی اسی خواہش کی وحی کے ذریعے تصدیق نہیں کی۔ بہت سی اور خواہشات کی بھی تصدیق کی گئی۔ غزوہ بدر کے قیدیوں، امہات المومنینؓ کے پردہ، مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ بنالینے۔ امام المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر واقعہ افک میں لگنے والی تہمت کے علاوہ کئی واقعات ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ان کو بیس اکیس کی تعداد میں درج کیا ہے۔ جبکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''خلافۃ الخلفاء'' میں ایسے دس گیارہ مواقع کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگی تو حضرت عمرؓ نے بے ساختہ کہا کہ توبہ! توبہ! یہ تو کھلا بہتان ہے۔ بعد میں وحی الٰہی میں یہی الفاظ استعمال ہوئے جو سورۃ توبہ میں موجود ہیں۔ ازواج مطہراتؓ کو طلاق کی صورت میں نبی کریمؐ کے لیے بہتر بیویوں کی رائے کی تائید سورۃ التحریم میں کی گئی ہے۔

عبدالمالک مجاہد کی کتاب ''حضرت عمر کی زندگی کے سنہری واقعات'' میں دو اور واقعات

چہ یہ ہمارا موضوع نہیں تاہم یہاں ان کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ح ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک روز دوپہر کے وقت ایک انصاری لڑکے کو عمر بن خطابؓ کے مکان پر بھیجا کہ انہیں بلالائے۔ لڑکا دوڑا گیا اور سیدھا مکان میں جا گھسا۔ سیدنا عمرؓ سورہے تھے اور بدن کے بعض حصوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ جاگے تو مارے غیرت کے یہ دعا کی ''اے اللہ سونے کے اوقات میں گھروں میں گھسنے کی ممانعت کردے۔''

ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول میری دیرینہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اجازت طلب کرنے کے سلسلے میں احکامات نازل فرمائے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

> ''اے ایمان والو! تمہارے غلاموں، لونڈیوں اور لڑکے لڑکیوں کو جو بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، چاہیے کہ تم سے ان تین اوقات میں اجازت طلب کرکے گھر میں داخل ہوا کریں۔ نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد۔''

○

وجہ کیا تھی؟

یہی واحد وجہ نہیں تھی۔

سب سے پہلی وجہ اسی وقت سامنے آگئی تھی جب آپؐ کی اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔

جبرئیل اور میکائیل کا معاملہ بعد میں پیدا ہوا جب آپؐ کو نبوت عطا کی گئی اور آپؐ پر وحی الٰہی کا نزول شروع ہوا۔

اس سے پہلی اور بنیادی وجہ نسلی تفاخر تھی۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ آخری نبی ان کی نسل یعنی آل اسحاقؑ میں سے ہوں گے کیونکہ زیادہ تر نبی آل اسحاقؑ میں سے ہی تھے۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیلؑ میں سے رسول کریمؐ کے علاوہ صرف ایک آدھ نبی کا ذکر ملتا ہے جن میں حضرت شعیبؑ بھی تھے۔ اللہ کے یہ نبیؑ حضرت موسیٰؑ کے خسر بھی تھے۔ ہوا یہ کہ نبوت کا اختتام حضرت اسماعیلؑ کی نسل پر ہو گیا اور یہی ان کا اصل مسئلہ تھا۔

یہود آپؐ کے اوصاف اور زندگی میں پیش آنے والے واقعات ہی نہیں آپؐ کے نام تک سے آگاہ تھے۔ ان کی کتب میں اسم محمدؐ کا واضح ذکر تھا۔ ان کی کتب میں فارقلیط کا ذکر ملتا ہے۔ عبرانی زبان میں فارقلیط کا مطلب محمدؐ ہی ہے۔

یہود کی زندگیوں میں وہ دن کسی قیامت سے کم نہ تھا جب ان کو علم ہوا کہ نبوت کا یہ اعزاز ان کے حصے میں نہیں بلکہ ان کے جد امجد کے دوسرے بھائی کی نسل کے حصے میں آگیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آپؐ کی پیدائش کے وقت سے ہی آپؐ کی جان کے درپے تھے مگر قدرت نے

ہر ہر قدم پر اپنے محبوبؐ کی حفاظت فرمائی اور یہ لوگ اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے، ورنہ اس سے پہلے یہود کی آپؐ سے محبت اور چاہت کا یہ عالم تھا کہ وہ آپؐ کی ہجرت سے پہلے ہی نہیں سینکڑوں سال پہلے یثرب میں آبسے تھے جسے بعد میں مدینۃ النبیؐ کا نام نامی ملا۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نام مدینہ تک محدود ہو گیا ہے۔ عربی میں مدینہ شہر کو کہتے ہیں لیکن جہاں کہیں مدینہ کا ذکر آتا ہے ذہن فوراً دیارِ نبیؐ کی جانب چلا جاتا ہے۔ اس دیار کی جانب جس میں آپؐ کی تعمیر کردہ عظیم مسجد ہی نہیں آپؐ خود بھی آرام فرما رہے ہیں۔

یہود نے حضرت موسیٰؑ کے دور سے ہی یثرب (مدینہ) کا رخ کر لیا تھا۔ روایات ہیں کہ حضرت موسیٰ اور آپؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ حج کے لیے تشریف لائے تو ان کا مدینہ سے بھی گزر رہوا۔ ان کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہی علاقہ آخری نبی کا دار الہجرت ہو گا۔ لہٰذا ان میں سے اکثریت وہیں بس گئی۔ ان کے وفور شوق کا یہ عالم تھا کا وہ چاہتے تھے نبی آخر الزمانؐ ان کی زندگیوں میں ہی یہاں تشریف لے آئیں اور وہ آپؐ کی پیروی کا شرف حاصل کر لیں۔ انہوں نے اپنی اولادوں کو بھی ہدایت کی کہ حضورؐ ہماری زندگی میں تشریف نہ لائے اور تم لوگوں کو ان کے دیدار کا موقعہ نصیب ہوا تو ان کی بیعت سے تامل نہ کرنا۔

اسی سفر میں اللہ کے دونوں پیغمبروں نے کوہ احد پر قیام کیا۔ روایات بتاتی ہیں کہ حضرت ہارونؑ کا احد پر ہی انتقال ہو گیا تھا۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو خبر دیدی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے قبر تیار کی اور بھائی سے کہا کہ تمہارا آخری وقت آ گیا ہے لہٰذا تم قبر میں آ جاؤ۔ حضرت ہارونؑ قبر میں لیٹ گئے تو وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی۔ قدیم کتب میں کوہ احد پر ایک مسجد کے علاوہ قبر کا ذکر بھی ملتا ہے تاہم اب ان دونوں میں سے کسی کا نشان باقی نہیں۔ حضرت ہارونؑ کی اولاد کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آخری نبیؐ اسی جگہ آئیں گے تو وہ یہیں آ کر بس گئے جبکہ ان کے بزرگ کی آخری آرام گاہ بھی یہیں تھی۔

حضرت موسیٰؑ کی جانب سے یثرب پر لشکر کشی کی روایات بھی ہیں۔ اس وقت یہاں

عمالقہ آباد تھے۔ جو مشرکین میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ کی طرف سے بھیجے گئے لشکر نے فتح پائی اور یہاں کے باشندوں کو دین حق کی دعوت دی۔ جنہوں نے دعوت قبول نہیں کی ان کو قتل کر دیا گیا جن میں ان کا بادشاہ بھی شامل تھا۔ لشکر والے ایک خوبصورت مشرک نوجوان کو ساتھ لے گئے تاہم اس وقت تک حضرت موسیٰؑ وفات پا چکے تھے۔ ان کی قوم نے نوجوان کے حوالے سے لشکر کے اقدام کو نبی کی حکم عدولی جانا اور تمام لشکریوں کو اپنے علاقے سے نکال دیا۔ یہ لشکر کہیں اور جانے کی بجائے واپس یثرب آ گیا۔ ان کی واپسی کے پس پردہ وہی جذبہ تھا کہ ممکن ہے انہیں آخری نبیؐ کی قدم بوسی کا اعزاز حاصل ہو جائے۔

بخت نصر نے جب یہودیوں کا قتل عام کیا تو ان کے بارہ قبیلے تتر بتر ہو گئے۔ ان میں سے بہت سوں نے اسی سرسبز سرزمین کا رخ کیا جبکہ کچھ مکہ چلے گئے۔ مقصد یہی تھا کہ انہیں رسول اللہؐ کا دیدار حاصل ہو جائے اور وہ ان پر ایمان لانے والوں پر سبقت لے جائیں......

اسی طرح مدینہ میں یہود کی آبادکاری بڑھتی رہی حتیٰ کہ انہوں نے یہاں نمایاں مقام ہی حاصل نہیں کر لیا بلکہ وہ ہر شعبۂ زندگی پر حاوی ہو گئے۔ صنعت و تجارت اور زراعت سمیت سب کچھ ان کے قبضے میں آ گیا۔ وہ یہاں کے دوسرے باشندوں کو ڈرایا کرتے تھے کہ ہجرت کر کے یہاں آنے والے نبیؐ ہم میں سے ہوں گے اور اس وقت ہم سب سے نمٹ لیں گے یعنی یہود کو یقین تھا کہ آنے والے نبی آل اسحاقؑ کے سوا کسی اور قبیلے وغیرہ سے ہو ہی نہیں سکتے۔

انصار مدینہ کی طرف سے بیعت عقبہ میں یہودیوں پر سبقت لے جانے کے پس پردہ یہود کی دھمکیاں اور ڈر ہی تھا کہ ایسا نہ ہو یہودی پہل کر جائیں اور ہم پر مزید ظلم و ستم کرنے لگیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آنے والا نبی تو سراسر رحمت ہو گا۔ کسی قسم کے ظلم و زیادتی کا کوئی سوال ہی نہیں تھا...... عقبہ اصل میں مکہ کے نواحی علاقہ منیٰ میں ایک پہاڑی ہے جو جمرات (شیطانوں) کے قریب ہی ہے۔ انصار مدینہ حج کے موقع پر آتے اور آپؐ کی بیعت کا شرف حاصل کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ دوسری طرف بے پناہ شوق رکھنے والے یہودی محض نسلی تعصب کی وجہ سے یہ شرف حاصل نہ کر سکے اور ان کے دل سیاہ ہی رہے۔ ان کی کتابوں میں

ہر بات رقم تھی اور وہ آپ کو بالکل اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولادوں کو پہچانتے تھے
مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں ہدایت نہیں لکھی تھی اور یہ مشرکین مدینہ کے حصے میں آ گئی۔

یہود کی آپ کی اوصاف حمیدہ سے شناسائی کے بہت سے واقعات قرآنی تفاسیر اور دینی کتب میں درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نبی کریمؐ کے بارے میں ہر بات سے آگاہ تھے اور آپ کی شخصیت، سیرت اور آپؐ کے دعویٰ نبوت کی سچائی ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ذیل میں ہم صرف ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہودی رسول کریمؐ کے بارے میں کس حد تک جانتے تھے۔

یہ مکہ معظمہ میں آپؐ کے دوران قیام کا واقعہ ہے جبکہ اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا اور مشرکین مکہ بہت زیادہ پریشان تھے کہ اب بات ان کے بس سے باہر ہو گئی تھی۔ اسلام کا نور قریباً ہر گھر تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں کہ ایک دن وہ اسی سلسلے میں جمع ہوئے اور مختلف تجاویز پر غور کرنے لگے۔ آخر طے پایا کہ ایک وفد مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا جائے۔ وہاں وہ یہودی علما سے رابطہ کریں اور ان سے معلوم کریں کہ آپؐ واقعی سچے نبی ہیں؟ وہ اہل کتاب ہیں اور نبیوں کے بارے میں ہم سے زیادہ علم رکھتے ہیں لہٰذا نضر بن حارث کی تجویز پر دو رکنی وفد تشکیل دیا گیا جو خود نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط پر مشتمل تھا۔ وفد کے ارکان سے کہا گیا کہ وہ یہودی علماء کو آپ کی دعوت اور اوصافِ حمیدہ کے بارے میں بتا کر ان سے حقیقت معلوم کریں۔

یہ وفد کئی دن کے سفر کے بعد مدینہ پہنچا اور وہاں یہودی عالموں سے ملاقات کر کے انہیں اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔ ان علما نے ان سے آپؐ کے اوصاف کے علاوہ دعوت کے بارے میں کئی سوالات کیے یہ بھی معلوم کیا کہ اس دعوت کا کیا ردعمل ہے اور معاشرے کے کون سے طبقات اس کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ وفد کے ارکان نے ان کے سوالوں کے جواب دیئے اور کہا کہ اب بتاؤ تم ہمارے اس آدمی (محمدؐ) کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

ان علماء نے مشرکین کے وفد کی پریشانی دور کرنے کے طریقے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے

تین سوالات بتائے اور کہا کہ ان سوالات کے درست جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے۔ اگر وہ جواب دیدیں تو سچے نبی ہیں ورنہ سمجھ لینا کہ یہ شخص باتونی ہے پھر تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرنا۔ وفد کو ان سوالات کے جواب بھی بتا دیئے گئے جو ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ یہود کی کتب میں آپؐ کے بارے میں ساری حقیقت موجود تھی۔

انہوں نے پہلا سوال بتایا کہ ان سے معلوم کرو قدیم زمانے میں چند نوجوانوں کا عجیب و غریب قصہ کیا ہے جو طویل عرصہ تک ایک غار میں رہے۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ کون تھا جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اور فتح حاصل کی۔ تیسرے سوال کے مطابق ان سے روح کی حقیقت معلوم کی جائے۔

یہ دونوں سوالات اور ان کے جواب لیکر واپس مکہ پہنچے اور قریش کے سرداروں کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ سوالات ہمارے اور ان (رسول اللہؐ) کے درمیان فیصلہ کریں گے۔ ہمیں درست جواب مل گیا تو وہ واقعی سچے نبی ہیں بصورت دیگر وہ محض باتونی ہیں۔ وہ دونوں اور بعض روایات کے مطابق سرداران قریش آپؐ کے پاس آئے اور آپ کو تینوں سوالات بتا کر ان کا جواب مانگا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ آپؐ نے درست جواب دیدیا تو ہم آپؐ کی نبوت کو تسلیم کر لیں گے۔ آپؐ نے قریش سے مہلت طلب کی کچھ روایات کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ کل آنا اور کچھ کے مطابق آپؐ نے تین دن بعد آنے کو کہا تاہم آپؐ نے ان سے وعدہ کرتے ہوئے انشاء اللہ نہیں کہا۔

قریش سوال بتا کر چلے گئے اور آپ وحی الٰہی کا انتظار کرنے لگے جبکہ قریش جواب کا تقاضا کر رہے تھے۔ آپؐ کے لیے یہ دوہری پریشانی کا معاملہ تھا۔ ایک تو آپؐ جواب نہیں دے پا رہے تھے اور دوسرے وحی کا نزول بھی بند ہو گیا تھا۔ اس پریشانی میں روایات کے مطابق پندرہ دن گزر گئے۔ ظاہر ہے اسی دوران مشرکین خاموش نہیں بیٹھے اور مختلف قسم کی باتیں بنانے لگے۔ یہ باتیں آپ تک بھی پہنچ رہی تھیں اور آپؐ پر شاق گزرنے لگیں۔

آخر کار حضرت جبرئیل امین سورہ الکہف لیکر تشریف لائے جس میں اصحاب کہف کے

واقعات اور ان کی نیند کی مدت بتائی گئی تھی۔ پھر حضرت ذوالقرنین کا قصہ تھا جو سورج غروب اور پھر طلوع ہونے کے مقام پر گئے۔ انہوں نے یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے دیوار تعمیر کی جو مفسدین میں سے تھے۔ روح کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ امر اللہ ہے جس کی حقیقت باری تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ اسی سورۃ میں آپ کو کفار کی باتوں پر کبیدہ خاطر نہ ہونے اور ہر کام پر انشاء اللہ کہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ آپ کے درست جواب سن کر بھی مشرکین کے دل نہ بدلے اور وہ مختلف تاویلیں پیش کر کے مکر گئے۔ یہودی علما کو تو یہ سب کچھ اپنی کتابوں سے معلوم ہو چکا تھا مگر دونوں شہروں کے یہ لوگ اسلام کی دولت اور نعمت سے محروم ہی رہے۔

ابن ہشام نے ابن اسحٰق کے حوالے سے حسان بن ثابتؓ کی روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں سات یا آٹھ سال کا قریب البلوغ لڑکا تھا۔ جو بات سنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ اچانک میں نے ایک یہودی کو یثرب کے ایک بلند مقام پر بلند آواز سے "اے گروہ یہود" چیختے سنا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھا کمبخت تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اس نے کہا آج رات احمدؐ کا ستارہ طلوع ہو گیا جس میں وہ پیدا ہو گا یعنی یہود کو اسم احمدؐ کے بارے میں معلوم تھا۔ محمد بن اسحٰق کے مطابق میں نے عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت سے پوچھا رسول اللہؐ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے وقت حسان کی عمر کتنی تھی۔ جواب ملا کہ ساٹھ سال اور رسول اللہؐ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت عمر مبارک ترپن برس تھی۔ اس لیے حسان نے جو کچھ سنا وہ سات سال کی عمر میں سنا۔

واقعات اتنے ہیں کہ بیان کرتے جائیں تو ختم نہیں ہوں گے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو ایک طرف، آپؐ کی پیدائش پر تو کعبہ کی دیواریں بھی بول اٹھی تھیں۔ جناب عبدالمطلب کا بیان ہے کہ صبح نور کے تڑکے میں کعبہ میں موجود تھا کہ یکدم انقلاب آ گیا۔ سارے بت اوندھے منہ گر گئے اور کعبہ کی دیواروں سے ایک آواز بلند ہوئی کہ وہ مختار مصطفیٰؐ پیدا ہو گئے ہیں کفار جن سے شکست کھا جائیں گے۔ (السیرۃ النبویہ)

آپؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تو یہودی علما میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ پریشان پھر

رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ آج کس کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ ستارہ طلوع ہو گیا ہے جس کی خبر موسیٰؑ نے دی تھی۔ وہ محمد مصطفیٰؐ پیدا ہو گئے ہیں۔ سیرۃ النبویہ میں ہی حضرت کعب احبارؒ کا یہ بیان درج ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی پیدائش کے وقت سے بھی آگاہ کر دیا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب فلاں ستارہ اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو وہ نبی مکرمؐ کی ولادت کا وقت ہوگا۔ یہ بات بنی اسرائیل کو نسل در نسل معلوم ہوتی رہی تھی۔

مکہ کے نواح مرالظہر ان میں ایک یہودی راہب آباد تھا۔ وہ شام سے اس جگہ آیا تھا اور آسمانی کتب کا عالم تھا۔ وہ مکہ والوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تمہارے ہاں بہت جلد ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کی نہ صرف پورا عرب اطاعت کرے گا بلکہ اسے عجم پر بھی غلبہ حاصل ہوگا۔ ان کی ولادت کا زمانہ قریب ہے۔ جو کوئی اس زمانے کو پالے اور ان کی اطاعت کرلے تو وہ کامیاب جبکہ مخالفت کرنے والا ناکام و نامراد ہوگا۔

جس صبح نبی کریمؐ کی پیدائش ہوئی اور غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوا تو حضرت عبدالمطلب اس کے پاس تشریف لے گئے کیونکہ آپ اس راہب سے متاثر تھے۔ وہ گرجے سے باہر نکلا تو جناب عبدالمطلب کے کچھ پوچھے بغیر بول پڑا جس بچے کا میں تم سے ذکر کیا کرتا تھا وہ عظیم بچہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ اس کی پیدائش کی اطلاع دینے والا ستارہ گزشتہ شب نمودار ہو چکا ہے۔ اس نے کہا اے عبدالمطلب کسی کو اس بچے کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ اس سے بہت حسد کیا جائے گا۔ اس کے بہت دشمن پیدا ہوں گے۔ اس کی اس قدر مخالفت کی جائے گی کہ آج تک کسی کی نہیں کی گئی جس پر حضرت عبدالمطلب پریشان ہو گئے۔ آپ کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے راہب نے بتایا کہ اے عبدالمطلب فکر نہ کرو اس کی عمر ساٹھ اور ستر برس کے درمیان ہوگی۔

امام حاکم کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں قیام پذیر ایک یہودی اپنے گھر سے باہر آ کر قریش کے پاس رک گیا اور پوچھا کہ کیا آج رات تم میں سے کسی کے گھر کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔ قریش نے لاعلمی ظاہر کی تو اس نے کہا آج رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور

وہ قریش میں سے ہی ہے۔ ہماری کتابوں میں بیان کی گئی نشانیوں کے مطابق اس کے کندھے پر مہر نبوت ہے۔ تم اپنے گھروں کو جاؤ اور معلوم کرو۔ انہوں نے پتہ کیا تو عبدالمطلب کے گھر پوتے کی پیدائش کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کی پیدائش پر بڑے معجزات رونما ہوئے ہیں۔ اس یہودی نے سنا تو بچے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسے جناب عبدالمطلب کے گھر لے جایا گیا۔ اس نے مہر نبوت دیکھی تو قریباً بے ہوش ہوگیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوگئی ہے۔ اے قریش! تمہیں مبارک ہو۔ اس کے ذریعے تمہیں غلبہ واقتدار حاصل ہوگا اور مشرق ومغرب میں اس کا شہرہ ہوجائے گا۔



یہود کو دعوت مباہلہ

نبی کریمؐ کی طرف سے ایک بار یہود و نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان یہودیوں کو نبی کریمؐ کا پیغام پہنچایا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ کے لیے آ جاؤ۔ ہم اور تم مل کر باری تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اسے ہلاک کر دیا جائے لیکن آپؐ نے ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کر دی تھی کہ وہ ہرگز اس مقابلے کے لیے نہیں آئیں گے۔ وہ اس کا انجام اچھی طرح جانتے تھے۔ انہیں نبی کریمؐ کی نبوت پر بھی کامل یقین تھا مگر تعصب اور حسد انہیں اس کے اقرار کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ اسی تعصب اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ اللہ کی نوازشات کے باوجود ان کی عہد شکنی اور ناشکری کی فہرست بہت طویل ہے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کفر کیا۔ وہ نبیوں کے ساتھ سرکشی کرتے رہے۔ انہیں ایذائیں پہنچاتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے نبیوںؑ کے ناحق قتل تک سے گریز نہیں کیا۔ انہوں نے افضل البشر جناب رسول اللہؐ کی نبوت کو بھی تسلیم نہیں کیا حالانکہ ان کے دل ان کے عمل کا ساتھ نہیں دیتے تھے اور اس سے بڑی سرکشی اور کفر کوئی نہیں ہو سکتا۔

مباہلہ کی دعوت کے بعد وہی ہوا جو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ انہوں نے مقابلہ پر آنا تھا اور نہ آئے کیونکہ انہیں رسول اللہؐ کی سچائی اور اپنے دلوں کے بغض کا بہت اچھی طرح سے علم تھا۔ انہیں اپنی کتب سے معلوم تھا کہ محمد عربیؐ کی نبوت اور قرآن کی سچائی میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ نبی کریمؐ کی دعوت پر اس مباہلہ میں آ جاتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے اور دنیا میں ایک بھی یہودی زندہ نہ رہتا۔

ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ یہودی مقابلے کے لیے آتے اور جھوٹے کے لیے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے۔ وہ جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپؐ کے پاس آنے والے نصرانی بھی مباہلہ پر آمادہ ہو جاتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کا نام ونشان تک نہ پاتے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

مباہلہ کی دعوت کے حوالے سے قرآن پاک میں دو جگہ ذکر ہے۔ ایک جگہ سورۃ بقرہ اور دوسری جگہ سورۃ جمعہ میں۔ سورۃ بقرہ کی آیت 95 میں ہے کہ "کہہ دو اگر آخرت کا گھر تمہارے ہی لیے ہے، کسی اور کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو۔ لیکن اپنے کرتوت دیکھتے ہوئے یہ کبھی موت نہیں مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

اسی نوعیت کی دعوت سورۃ محمدؐ میں بھی ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف یہود ونصاریٰ ہی جائیں گے۔ ان کے نزدیک وہ اللہ کے پیارے ہیں۔ اسی بنا پر انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی مگر وہ نہ آئے جس پر ان کا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا۔ نصرانیوں کا قصہ یہ ہے کہ ان کا تعلق نجران سے تھا۔ وہ نبی کریمؐ کے پاس آئے اور آپؐ کے پیغام اور دعوت حق کے بارے میں آپؐ سے بحث ومباحثہ کیا چنانچہ ان سے بھی کہا گیا کہ وہ سچے ہیں تو اپنی بیویوں اور اولادوں کو لیکر آئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر لعنت نازل کر دے جس پر وہ آپس میں ہی تکرار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کے اس نبی سے مباہلہ کیا تو ہم سب برباد ہو جائیں گے لہٰذا اس پیشکش کو قبول نہ کیا جائے جس پر انہوں نے اپنا سر جھکا دیا یعنی صلح کر لی اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ معاملہ ہونے پر رسول اللہؐ نے حضرت عبیدہ بن جراحؓ کو ان پر امین بنا کر بھیج دیا۔

قرآن میں ایک اور جگہ مشرکین عرب کے بارے میں بھی ایسا ہے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ آؤ دعا کریں کہ ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں اضافہ کر دے لیکن وہ بھی انکار کر گئے۔ مشرکین کا تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہے مگر یہود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ انہیں چونکہ یقین تھا کہ وہ حق پر نہیں لہٰذا وہ موت سے خوفزدہ تھے۔ سورۃ بقرہ میں ہی ہے کہ

زندگی کے لالچ میں یہ مشرکوں سے بھی آگے ہیں اور ان میں سے ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ کا فرمان ہے کہ حیات دینوی کے بارے میں منافق کی حرص مشرک سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہودی تو ایک ایک ہزار سال طویل عمریں چاہتے ہیں لیکن اتنی عمر بھی انہیں عذاب سے نجات نہیں دے سکتی۔ کفار کے مقابلے میں یہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں لیکن اپنی سرکشی نافرمانی اور سیاہ کاریاں بھی ان کے پیش نظر ہیں اور اللہ تعالیٰ اعمال کے مطابق بدلہ دیتا ہے۔



حصہ پنجم

قاتل تنظیمیں

فری میسن: دجالی تنظیم

یہودیوں نے تسخیر عالم کا جو منصوبہ بنا رکھا ہے اس میں اس کی خوفناک تنظیموں کا کردار اہم ہے۔ انہی میں ایک فری میسن ہے۔ تنظیم کی اصل تاریخ تو تین ہزار سال پرانی ہے تاہم چار پانچ صدیاں قبل یہ باقاعدہ منظم ہوئی۔ اس کے مقاصد کا مطالعہ کریں تو انتہائی نیک اور انسانیت کے جذبے سے بھرپور نظر آتے ہیں مگر پردے کے پیچھے کیا ہے......؟ اس سے عام آدمی کم ہی واقف ہے۔ اس پراسرار تنظیم کا مقصد اثر ورسوخ، دھونس، دھاندلی، سازشوں اور بلیک میلنگ کے ذریعے دنیا بھر میں یہودی بالادستی کا قیام ہے یہ ضروری نہیں کہ تنظیم کے ارکان یہودی ہی ہوں۔ بعض مقامات پر تو ایک بھی یہودی اس کا رکن نہیں تاہم باقاعدہ پروگرام کے تحت ارکان کو اپنی راہ پر ڈال لیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے مقاصد کی تکمیل کی جاتی ہے۔ رکن سازی کے معاملہ میں تنظیم کا ہدف سرکاری افسران اور بڑی بڑی کمپنیوں کے اہم عہدیدار ہوتے ہیں۔ جونہی یہ لوگ ڈھب پر آجاتے ہیں تو پھر دوسروں کے مقابلے میں رکن سرکاری افسر جلدی ترقی پاتے ہیں اور ان کی کمپنیوں کا بزنس بھی بڑھتا جاتا ہے جس کے لیے تنظیم کے بڑوں کے وسائل اور تعلقات کام آتے ہیں۔

یہودی پروٹوکولز اور اور فری میسن کا گہرا تعلق ہی نہیں، چولی دامن کا ساتھ ہے۔ درحقیقت پروٹوکولز کے خالق اسی تنظیم کے بڑے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تنظیم میں صرف مرد ہی شامل ہو سکتے ہیں۔ عمومی طور پر عورتوں کی رکنیت پر پابندی ہے کیونکہ فری میسن کے بڑوں میں سے ایک عورت کے ہاں سے پروٹوکولز کا مسودہ چوری ہو گیا تھا جس کے بعد

عورتوں پر پابندی عائد کردی گئی۔

تنظیم کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے قبل اس کا مختصر سا جائزہ لے لیا جائے کہ اس کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ باقی ملکوں کو تو ایک طرف رکھیں صرف امریکہ کو ہی دیکھ لیتے ہیں۔ دستیاب معلومات کے مطابق امریکہ کے صدور میں سے چودہ فری میسن کے باقاعدہ رکن رہے ہیں۔ جبکہ امریکی سپریم کورٹ میں بھی تنظیم کا وسیع پیانے پر اثر موجود ہے۔ 1719ء سے 1940ء تک امریکی سپریم کورٹ کے تین جج فری میسن کے رکن تھے۔ بعد میں ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہوتی رہی ہے۔ بعض اوقات تو یہ تعداد سات تک چلی گئی تھی۔ حتیٰ کہ صدر جارج واشنگٹن نے جب امریکہ کا پرچم بنوایا تو اسے سینے والی عورت بٹی راس کا خاوند بھی فری میسن کا رکن تھا۔ صدور میں سے جو اس تنظیم کے رکن رہے ہیں ان میں جارج واشنگٹن، جیمز منرو اینڈریو جیکسن، جیمز پولک، جیمز بچانان، اینڈریو جانسن، جیمز گارفیلڈ، ولیم میک کنلے، ٹیڈی روز ویلٹ، ولیم ٹافٹ، وارن ہارڈنگ، ایف ڈی روز ویلٹ، ہیری ٹرومین اور جیرالڈ فورڈ شامل ہیں۔ امریکہ کے اعلان آزادی پر دستخط کرنے والے 56 افراد میں بھی تین فری میسن تھے۔

اپنے قیام کے بعد سے اس تنظیم نے بڑے انداز بدلے ہیں اور کوشش کی ہے کہ لوگ اس کے بارے میں بدگمان نہ ہوں مگر اس کی پراسراریت میں کوئی کمی نہیں آسکی۔ اسے بلاشک وشبہ تاریخ کی خطرناک ترین خفیہ تنظیم قرار دیا جاسکتا ہے جس کا بنیادی مقصد دجالی نظام کا قیام ہے۔ قارئین کو بتادیں کہ "لد" کے نام سے اسرائیل کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ قائم کرنے کا بنیادی مقصد ہی دجال کی مدد کرنا ہے۔ لد تل ابیب کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ روایات ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اس مقام پر دجال کو قتل کریں گے۔ اسی روایت کے پیش نظر اسرائیلی حکومت نے اپنا سب سے بڑا سول ایئر پورٹ اس مقام پر بنایا تاکہ جب وہ موقع آئے اور حضرت عیسیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے تشریف لائیں تو یہودی انہیں طیارے میں بٹھا کر وہاں سے فرار کرادیں لیکن اللہ کے ہاں جو فیصلے ہوچکے ہیں انہیں کون تبدیل کرسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ جب دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو دجال کا قتل انہی کے ہاتھوں سے ہوگا۔ باری تعالیٰ کا یہ

فیصلہ بہر صورت پورا ہو کر رہے گا۔

اس وقت دنیا میں فری میسن کے ارکان کی تعداد کئی ملین ہے جس میں سرکاری و فوجی افسر، عدلیہ اور پارلیمنٹ کے ارکان، بڑے بڑے تاجر، سیاستدان اور معاشرے کے دیگر طقبوں کے سرکردہ افراد شامل ہیں۔

یہ تنظیم کیسے قائم ہوئی......؟ اس کی کوئی باقاعدہ تاریخ تو نہیں مگر اس کا سلسلہ تین ہزار سال قبل تک جاتا ہے جب مصر پر فرعونوں کی حکومت تھی اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعونوں کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت موسیٰؑ کے حالات سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کی پیدائش کے وقت فرعون نے بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے تمام لڑکوں کو ختم کر دینے کا حکم دے رکھا تھا۔ مگر حکم ربی کے تحت حضرت موسیٰ فرعون کے محل میں پہنچ گئے۔ اس محل میں ان کی پرورش ہوئی۔ آخر کار وہ بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار گئے اور فرعون اپنی فوج سمیت اسی سمندر میں غرق ہو گیا جو قرآن کے مطابق رہتی دنیا تک نشان عبرت بنا رہے گا۔ یہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ اس کی لاش ایک ہزار سال تک سمندر میں موجود رہی مگر وہ گل سڑ کر ختم ہوئی اور نہ اسے کسی مچھلی نے کھایا...... جب یہ لاش نکالی گئی تو فرعونوں کی روایت کے مطابق اسے حنوط کر دیا گیا اور آج یہ لاش قاہرہ کے عجائب گھر میں ساری دنیا کو درس عبرت دے رہی ہے۔

لیکن اس معاملے کا فری میسن سے کیا تعلق......؟ میسن (MASON) معمار کو کہا جاتا ہے جو عمارتیں وغیرہ تعمیر کرتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ راج بھی کہلاتا ہے۔ مصر میں بنی اسرائیل انتہائی ابتر حالت میں تھے۔ ان کی حیثیت ایک طرح سے قبطیوں (اہل مصر) کے غلاموں کی سی تھی۔ فرعونوں کو جب کوئی کام کرنا ہوتا تو بنی اسرائیل کے مردوں کو بیگار پر لگا دیا جاتا۔ اجرت تو ایک طرف انہیں پیٹ بھر کر کھانا تک نہیں دیا جاتا تھا لیکن ڈنڈے کے زور پر کام ان کی استطاعت اور استعداد سے بڑھ کر لیا جاتا۔ کوئی شہر یا آبادی قائم کی جاتی، محل یا قلعے تعمیر کرنا ہوتے اور سڑکیں، کنوئیں وغیرہ بنانا ہوتے تو بنی اسرائیلیوں کو پکڑ کر کام پر لگا دیا جاتا۔ تعمیراتی

کام چونکہ بنی اسرائیلی کرتے تھے لہٰذا وہ ماہر معمار بن گئے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بھی بنی اسرائیل اوران کی نسلیں اس کو فراموش نہیں کرسکیں اس لیے انہوں نے اس معاملے کو کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا اور بیگار میں ظلم وستم برداشت کرنے والے ان معماروں کے حوالے سے تنظیم سازی کی جاتی رہی۔ اس بارے میں تو علم نہیں کہ ماضی میں اس کی کیا صورت تھی کیونکہ اس کی کوئی باقاعدہ تاریخ موجود نہیں مگر چار پانچ صدیوں سے اس معاملہ کو منظم انداز میں شروع کیا گیا ہے۔ قرون وسطیٰ میں بھی اس کی تنظیم کے ثبوت ملتے ہیں جہاں اس کی لاجز گرجا گھروں میں قائم تھیں۔ لاجز اس تنظیم کے مراکز کو کہا جاتا ہے جہاں ارکان اکٹھے ہوتے ہیں اور وہیں سے انہیں ساری سرگرمیوں کے بارے میں ہدایات ملتی ہیں۔

معلوم تاریخ کے مطابق اس تنظیم کی ابتدا انگلستان میں ہوئی۔ بعد میں یہ جرمنی اور دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ 1500ء میں اسے انگلستان کے بادشاہ جیمز ششم کے دربار کے ایک امیر ویم شا نے اس پر کام کیا اور اسے باقاعدہ تنظیم کی شکل دی لیکن اس کے ثبوت نہیں ملتے کہ یہ کن خطوط پر استوار تھی اور اس کا دائرہ کار کیا تھا دو صدیوں سے زیادہ عرصہ اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ 1717ء میں فری میسن تنظیم ایک بار پھر ابھر کر سامنے آگئی اور اس وقت سے پراسرار طور پر قائم ہے جس کے ظاہری مقاصد کچھ اور مگر خفیہ مقاصد یکسر مختلف ہیں۔ لیکن 1500ء سے بھی پہلے ایک نظم میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس نظم کو دیکھا جائے تو انگلینڈ سے بھی پہلے یہ مصر میں قائم ہوئی تھی جبکہ اس کی بنیاد کا اصل سبب مصر ہی بنا ہے۔ انجیل کے باب پیدائش میں ہے کہ دوسروں نے بنی اسرائیل کے بچوں سے یہ علم یعنی معماری کا ہنر سیکھا اس کا ذکر حضرت سلیمانؑ کی طرف سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں بھی ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے لیے حضرت سلیمانؑ نے جنات سے کام لیا تھا۔ ممکن ہے یہاں معمار بنی اسرائیلی ہی ہوں جبکہ جناب ان کے ساتھ مددگار یا مزدور کے طور پر کام کرتے ہوں۔ کچھ مورخوں نے اس تنظیم کا سلسلہ ٹمپلرز سے بھی جوڑا ہے جو صلیبی جنگوں میں خاصے سرگرم تھے۔ یہ جنگیں بھی زیادہ تر ارض مصر میں ہی لڑی گئی تھیں تاہم فلسطین بھی ان کا ہدف تھا۔

قدیم دور کے معماروں سے جدید دور کی اس تنظیم میں لاجز کو بہت اہمیت رہی ہے۔

مختلف حوالوں سے جو معلومات ملتی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ لاجز کا سلسلہ باقاعدہ تنظیم سازی سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن قدیم زمانے کی تاریخ کے عدم وجود کے باعث بہت سی معلومات غلط بھی ہوسکتی ہیں۔

آج جو تنظیم موجود ہے اس کا بانی ایک جرمن یہودی جوزف گبرائیل منڈل اور اس کے ساتھی بتائے جاتے ہیں۔ انہوں نے نے 1717ء میں اسے انگلستان میں قائم کیا۔ ابتدا میں یہ گرجا گھروں میں قائم ہوئی۔ وہیں اس کے اجلاس ہوئے اور سرگرمیاں جاری رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ جرمنی اور دیگر ممالک میں پھیل گئی۔ اس کے ارکان کو براہ راست رکنیت نہیں دے دی جاتی تھی بلکہ پہلے انہیں ٹرینی (زیر تربیت) کے طور پر لیا جاتا۔ وہ کچھ عرصہ کام کرتے تو انہیں رکنیت دی جاتی۔ یہ سب کچھ لاجز میں ہوتا تھا اور اب بھی ہو رہا ہے جن کو گرینڈ لاجز کنٹرول کرتی ہیں۔ اس سارے عمل کا ذکر آگے آرہا ہے۔

فری میسن کی پہلی باقاعدہ تاریخ 1847ء میں جرمنی میں شائع ہوئی جس کا 1866ء میں انگریزی ترجمہ ہوا۔ قیام کے چار سال بعد یعنی 1723ء میں اس کا باقاعدہ آئین بنا۔ جو اس کے ایک سرکردہ لیڈر جیمز اینڈرسن نے بنایا۔ تنظیم کی رکنیت کے لیے بالغ مرد ہونا ضروری قرار پایا۔ ''اچھی شہرت'' بھی اس کا ایک جزو تھی۔ پھر تگڑی سفارش بھی کام آتی تھی۔ رکن بننے کے بعد بتایا جاتا تھا کہ آپ دوسروں کے مقابلے میں برتر انسان ہیں۔ رکنیت کے لیے مذہب وملت اور رنگ ونسل کی کوئی قید نہیں۔ ابتدا میں بھی بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ارکان کو اپنی راہ پر ڈالنے اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا فن اور ڈھنگ جانتے ہیں۔

اس کے ارکان کی ڈگریاں مقرر ہیں۔ کوئی شخص تربیت مکمل کر لیتا ہے تو اسے فیلو کرافٹ کی ڈگری دیدی جاتی ہے اس کے بعد دوسرے درجے کی ڈگری آتی ہے۔ یہ ڈگری ہولڈر ماسٹر میسن کہلاتا ہے۔ عمومی طور پر یہی آخری ڈگری ہے لیکن 33ویں ڈگری بھی موجود ہے یہ صرف سکاٹ لینڈ میں۔ وہاں ایک رسم کے حوالے سے اسے 33ویں ڈگری قرار دیا گیا ہے حالانکہ دوسری ڈگری اور اس کے درمیان کوئی اور ڈگری نہیں اس لیے حقیقت میں یہ تیسرا درجہ ہی ہے۔ اسے تنظیم کے اندر ایک تنظیم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی رکنیت کے لیے ماسٹر میسن ہونا ضروری

ہے...... تمام درجوں یا ڈگریوں کے حامل ارکان کے ماہانہ یا پندرہ روزہ اجلاس لاجز میں ہوتے ہیں۔ ان لاجز کو گرینڈ لاج کنٹرول کرتی ہے جو علاقائی سطح پر ہوتی ہے۔

تنظیم کا ہر کارکن اپنے برابر والی ڈگری کے ارکان سے ہی رابطہ رکھ سکتا ہے۔ انہیں کسی دوسرے درجے کے رکن کے ساتھ رابطے کی اجازت نہیں ہوتی۔ انہیں اپنے درجے کے منصوبوں، مقاصد اور پروگراموں سے بھی آگاہ نہیں کیا جا سکتا۔ ارکان کے سوا کسی کو لاجز کے معاملے کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی وہ بھی اس حد تک جس کا ان کے علم میں آنا ضروری ہے۔ ارکان کی بات چیت عموماً خفیہ کوڈ میں ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کی شناخت بھی خفیہ الفاظ اور اشاروں سے کرتے ہیں۔ بظاہر کسی رسمی تعارف وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی کوٹ کے بٹنوں پر ہاتھ رکھ کر مثلث بنائے تو دوسرے ارکان جان جاتے ہیں کہ یہ شخص بھی فری میسن کا رکن ہے۔ اسے اتنا پراسرار بنائے رکھنے کے پس پردہ دوسروں کو اس کے معاملات سے مکمل طور پر بے خبر رکھنا ہے کیونکہ اس کا اول و آخر مقصد صیہونیت کا فروغ اور غلبہ ہے۔ تنظیم کے بڑے اس انداز سے منصوبے بناتے اور ان پر عمل کراتے ہیں کہ بعض اوقات متعلقہ ارکان بھی اصل معاملے سے بے خبر رہتے ہیں۔ انہیں علم تک نہیں ہو پاتا کہ ان سے کیا کام کرا لیا گیا ہے۔ علم ہو جائے تو شاید وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوں۔ ایسی صورت میں یقیناً سزا کا بھی کوئی عمل ہوگا جس سے ارکان بھی لاعلم ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ "فری میسن" کے اصل مقاصد ہیں کیا۔ اب تک جو معلومات منظر عام پر آسکی ہیں ان کے مطابق اس کا سب سے بڑا مقصد صیہونیت اور یہودیت کی عالمی بالادستی کے لیے دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام اور عیسائیت کے خلاف مختلف تدابیر بروئے کار لانا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اپنے ارکان اور پھر ان کے ذریعے دوسرے لوگوں کو مذہب سے بیزار اور بدظن کرنا ہے جس کا حتمی مقصد ان کی مذہب سے لاتعلقی ہے۔ عیسائیت کے معاملے میں تنظیم بڑی حد تک کامیاب رہی ہے۔ منتشر اور منفی باتوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کے بعد متعلقہ مذہب کے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں۔ ہمارے ہاں ہی نہیں پوری دنیا میں لبرل ازم اور سیکولرازم کی جو وبا

پھیلی ہوئی ہے اس کی بڑی وجہ یہودیوں کی کارستانیاں ہیں۔ ہر مذہب کی اہم شخصیات میں پہلے بحث مباحثہ اور بعد میں دنگا فساد کرایا جاتا ہے ہمارے ہاں کافی عرصہ سے مسلکی بنیادوں پر مار دھاڑ اور قتل و غارت کا جو سلسلہ چلا، عین ممکن ہے کہ اس کی بنیاد بھی اسی تنظیم نے رکھی ہو۔ یہ ایک مذہب کی مقدس کتب کی اس طرح توہین کرتے ہیں کہ اس کا الزام دوسرے مذہب پر جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس طرح کے واقعات عام ہو چکے ہیں۔ درحقیقت یہ دہشت گرد تنظیم ہے جو فرقہ ورانہ کشیدگی کو ہی ہوا نہیں دیتی۔ مقدس کتب کی توہین ہی نہیں کرتی، مختلف مسالک اور مذاہب کے لوگوں کو موت کے گھاٹ تک اتار دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس انداز سے ہوتا ہے کہ ذمہ دار مذہبی یا مسلکی مخالف قرار پاتے ہیں۔

یہ تو مذاہب عالم کے بارے میں مقاصد ہیں لیکن سب کچھ سے ان کا مقصد پوری دنیا پر حکمرانی اور دنیا میں دجالی نظام قائم کرنا ہے۔ اس باب میں یہ ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہود اسی دجال کو اپنا رہنما مانتے ہیں اور اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دجال کی قیادت میں عالمی حکمرانی کے بارے میں ان کا خواب پورا ہو سکے گا۔ دنیا کے بڑے بڑے مقامات پر ان بڑی بڑی کمپنیوں کی اشیا پر ایک آنکھ نظر آئے گی جو یہودیوں اور ان کے زیر اثر افراد کی ملکیت ہیں۔ یہ ایک آنکھ دجال کی علامت ہے۔

دنیا کی تعمیر اور مثبت رویوں کے لیے کام بڑا خوش کن نعرہ ہے لیکن اس تنظیم کا ان باتوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ یہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔ اوپر سے خوش کن اور خوبصورت نظر آنے والی یہ تصویر حقیقت میں بڑی بھیانک ہے۔ جو نظر آ رہا ہے وہ محض اس کے تخلیق کاروں کی "فنکاری" ہے۔ باقی دنیا کے مقابلے میں یہ یہودی خود کو ذہین ترین اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ترین قوم قرار دیتے ہیں۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض رسی دراز کر رکھی ہے اور اس کو کھینچنے کا وقت آنے ہی والا ہے۔ مولا کریم کی ان کے بارے میں حکمت کیا ہے......؟ جب وہ سامنے آئے گی تو کچھ خفیہ نہیں رہے گا۔ ہم احادیث مبارکہ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں تو سب کچھ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں تو ایک ایسی جنگ کا بھی ذکر ہے جس میں دو تہائی یہودی مارے جائیں گے۔

اس وقت یہ تنظیم کسی رکاوٹ کے بغیر کھلے عام کام کر رہی ہے۔ لاجز کے علاوہ کئی این جی اوز اور اسی نوعیت کے دیگر ادارے اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم ہیں اور اب تو دنیا میں فری میسن سکول بھی قائم ہو چکے ہیں......فرعونوں کے دور کی پیداوار یہ تنظیم واقعی فرعونوں کا سا انداز اختیار کر چکی ہے، اور اس میں فرعونیت کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

تنظیم میں نائٹ ٹمپلرز کا کیا کردار ہے......؟ یہ عرف عام میں ٹمپلرز کہلاتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں میں یہ سرگرم کردار کے حامل تھے۔ 1035ء میں صلیبی جنگیں شروع ہوئیں تو ٹمپلرز نے ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ٹمپلرز بنی اسرائیل یعنی یہودیوں میں سے تھے مگر انہوں نے خود کو عیسائی ظاہر کیا۔ بالکل ایسے ہی آج کے دور میں امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کی اکثریت نے عیسائیوں ایسے نام رکھے ہوئے ہیں تاکہ انہیں عیسائی سمجھا جائے اور وہ معاشرے کے ہر طبقہ میں اعلیٰ و بلند مقام حاصل کر سکیں۔

صلیبی جنگوں کے دوران دیگر سازشوں کے علاوہ ان کا ایک کام مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا بھی تھا لیکن جنگوں میں حصہ لینے کا سب سے اہم مقصد فلسطین اور بیت المقدس پر قبضہ کا حصول تھا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ عیسائی بیت المقدس (یروشلم) پر قبضہ کر لیں تو اہم پوزیشنوں اور زیادہ تعداد میں ہونے کی وجہ عیسائیوں کو نکال باہر کیا جائے گا اور خود قبضہ کر لیا جائے گا۔ پھر ہوا بھی ایسا ہی۔ یروشلم پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے مسجد اقصیٰ سمیت اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اب عیسائیوں پر ان کے عزائم واضح ہو چکے تھے۔ لہٰذا 1314ء میں ٹمپلرز کے سربراہ کو پھانسی دیدی گئی۔ عیسائیوں نے دوسرے ٹمپلرز کو تہہ و تیغ کرنا شروع کر دیا اور ان کا کافی حد تک صفایا کر دیا گیا۔ بچے کھچے ٹمپلرز سکاٹ لینڈ چلے گئے جہاں انہوں نے اس ملک کی آزادی کے لیے ساتھ دیا۔ آزادی ملنے پر سکاٹ لینڈ میں انہیں کافی سہولتیں حاصل ہو گئیں جب برطانیہ اور سکاٹ لینڈ کے اتحاد کے باعث یونائیٹڈ کنگڈم (یو کے) بنا تو انہیں برطانیہ میں بھی اپنا اثر بڑھانے کا موقع مل گیا۔ یہیں 1717ء میں انہوں نے ٹمپلرز کا نام بدل کر فری میسن رکھ لیا جو کسی نہ کسی شکل میں پہلے سے ہی موجود تھی۔

بعض روایات بتاتی ہیں کہ مصطفیٰ کمال پاشا بھی فری میسن تھا۔ جس نے سلطنت عثمانیہ ختم

کی جو خلافت کی شکل میں قائم تھی۔ مصطفیٰ کمال کو جدید ترکی کا معمار بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ان روایات میں موقف ہے کہ یہودیوں نے سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید سے فلسطین میں آبادکاری کا حق مانگا مگر سلطان نے انکار کر دیا تھا۔ سلطان کے سامنے غالباً حضرت عمرؓ کی مثال موجود تھی۔ آپؓ نے بھی یہودیوں کے یہاں آباد ہونے کی ممانعت کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں نے فلسطین میں آباد ہونے کے لیے ایک منصوبہ کے تحت عثمانی خلافت کا خاتمہ کرایا اور مصطفیٰ کمال دانستہ یا نادانستہ ان کے مہرے کے طور پر استعمال ہوا۔

یہاں آپ کو ایک اور حقیقت سے آگاہ کریں۔ دنیا کی ابتدا ہوئی اور یہاں انسان نے بسیرا کیا تو طویل عرصے تک بارٹر سسٹم کا رواج رہا یعنی لین دین مال کے بدلے مال سے ہوتا تھا۔ پھر ایک دور آیا اور سکے ڈھالے جانے لگے۔ یہ سکے عموماً سونے اور چاندی کے ہوتے تھے جبکہ بعد میں کانسی اور پیتل کے سکے بھی بننے لگے۔ اب ان کی جگہ کرنسی نوٹ موجود ہیں۔ تحقیق بتاتی ہے کہ موجودہ بنکاری نظام یہودی ذہن کی پیداوار ہے جس کا خاکہ فری میسن نے تیار کیا تاکہ عالمی معیشت کو اپنے زیر اثر رکھا جائے۔ جب کاغذی نوٹ متعارف کرائے گئے تو لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ سکوں کا بھاری وزن اٹھانے کی بجائے وہ ہلکے پھلکے نوٹ حاصل کریں۔ انہیں کہا گیا کہ سونے چاندی وغیرہ کے سکے بنکوں کو دیں اور وہاں سے پیپر کرنسی حاصل کر لیں۔ یوں آہستہ آہستہ دنیا بھر سے سونے اور چاندی کی بہت بڑی مقدار پر قبضہ کر لیا گیا۔ اب یہ ان کے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہیں یہ دھاتیں مہنگی کر دیں اور ایسا کئی بار کیا بھی جا چکا ہے جس کے ذریعے بے پناہ دولت کمائی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکہ کا فیڈرل ریزرو بنک انہی کا منصوبہ تھا۔ ڈالر پر اہرام مصر کی تصویر کو اس کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

آئی ایم ایف اور اسی نوعیت کے مالیاتی ادارے بھی ہم جیسے ممالک کی معیشت کو تباہ کرنے کے لیے قائم کیے گئے ہیں جو اپنی شرائط پر قرضہ دیتے ہیں۔ ہم لوگ بڑی خوشی سے یہ شرائط قبول کرتے ہیں جو ہمارے لیے زہر قاتل ہوتی ہی نہیں باقاعدہ ثابت ہو رہی ہیں۔

○

فری میسن پاکستان میں

فری میسن تنظیم کی شاخیں پوری دنیا میں قائم ہیں۔اس کرہ ارض پر شاید ہی کوئی ایسا قابل ذکر شہر مل سکے جہاں پر اس کی شاخ یا لاج موجود نہیں۔اس کی شاخیں قریباً سارے اسلامی ممالک میں بھی موجود ہیں۔گزشتہ باب میں اس کی جن سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے منظرعام پر آنے کے بعد کئی ایک اسلامی ممالک نے تنظیم پر پابندی عائد کردی۔امکان غالب ہے کہ یہ پابندی اسی نوعیت کی ہے جس طرح ہمارے ہاں یا دیگر ممالک میں کئی ایک تنظیموں کو کالعدم قرار دیا گیا مگر وہ دوسرے ناموں سے کام میں مصروف ہو جاتی ہیں۔دوسرے نام بھی نہ چل سکیں تو پھر خفیہ طور پر سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔کم از کم ہمارے ملک میں یہ وبا عام ہے۔

اسلامی ممالک میں صرف سعودی عرب یا ایک دو ایسے ممالک ہیں جن میں علانیہ طور پر فری میسن کی کوئی لاج قائم نہیں کی جا سکی کہ حکام کسی قیمت پر اس کی اجازت نہیں دیتے۔جبکہ پاکستان اور کئی اسلامی ممالک نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا مگر یہ تنظیم ابتدا میں ہی یہاں اپنی لاجز برقرار رکھنے میں کامیاب رہی۔ برقرار اسی طرح کہ متحدہ ہندوستان میں اس کی لاجز موجود تھیں۔ایسے دو شہر پاکستان کے حصے میں آئے تو کافی عرصے تک انہیں بند نہیں کیا گیا۔لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن ممالک میں لاجز قائم نہیں ہو سکیں یا جہاں ان پر پابندی عائد کردی گئی ہے وہاں عملی طور پر ان کا وجود بھی ختم ہو گیا ہو۔ یہ اتنی خوفناک اور پراسرار تنظیم ہے کہ اس نے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کر لیے ہوں گے۔

متحدہ ہندوستان میں یہ تنظیم قریباً تین سو برس پہلے قائم ہوئی۔ان میں ملک کے تمام

بڑے بڑے شہروں میں اپنی لاجز قائم کیں اور سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس دور کے جن نمایاں اور اہم افراد کو اس کے رکن بتایا جاتا ہے ان میں سوامی نندا، موتی لال نہرو، فخر الدین علی احمد، نواب پٹودی، حیدر آباد کا ناظم اے آر لشمن، بعد کے دور میں کے پی ایڈوانی، ایف بھوجانی، پارسیوں میں ڈی ایف ستنا، حتیٰ کہ مرزا اسد اللہ غالب کے علاوہ جئے سندھ تحریک کا بانی جی ایم سید بھی اس کے ارکان میں شامل تھا۔ جس کا موصوف نے اعتراف بھی کیا۔ جی ایم سید تحریک پاکستان میں شامل رہا۔ بعد میں اس کا ذہن پھر گیا اور وہ قریباً علیحدگی پسند ہوگیا۔ باور کیا جاتا ہے کہ اس کے خیالات، نظریات اور ذہن کی تبدیلی کے پس پردہ فری میسن کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ اس امر کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ اسرائیل اور یہودیوں کے حوالے سے پاکستان کا جو رویہ اور موقف ہے اس کے پیش نظر اسرائیل پاکستان کے استحکام ہی نہیں وجود کا بھی دشمن ہے۔

ہندوستان میں اس کے اثر و رسوخ کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد اور سکندر آباد میں فری میسن کا قیام 1806ء میں عمل میں آیا۔ یہ تنظیم نظام کو بھی اپنا رکن بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں نظام نے اسے معروف بارہ دری تحفے میں دے دی جہاں فری میسن لاج قائم کردی گئی۔

اگست 1947ء میں پاکستان وجود میں آیا تو لاہور اور کراچی میں اس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس کی لاجز بھی مرکزی مقامات پر بنائی گئیں جو اگرچہ معروف شاہراہوں پر تھیں مگر عوام کی پہنچ اور رسائی سے بہت دور تھیں۔ عوام کیا بڑے بڑے لوگ بھی اس کے اندر داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ وہ اسی صورت میں جاسکتے تھے جب پورا عمل مکمل کرنے کے بعد اس کی رکنیت حاصل کرلیں...... لاہور میں قائم عمارت جب فری میسن کے زیر قبضہ تھی تو کوئی پرندہ تک اس کے اندر نہیں جاسکتا تھا۔ آج یہ عمارت سرکاری تحویل اور استعمال میں ہے تو عام آدمی کی پہنچ سے مزید دور ہوگئی ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا...... ماضی میں عوام نے اس عمارت کو ''پتلی گھر'' کا نام دے رکھا تھا کہ فری میسن اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے یہاں اپنے ارکان کی ڈور اس طرح ہلاتی تھی جس طرح پتلیوں کو ڈور کی مدد سے نچایا جاتا ہے۔ آج بھی اس جگہ عوامی فلاح و بہبود

کے منصوبوں کے علاوہ سیاسی کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ابھی تک تیلی تماشے جاری ہیں۔ اب لاہور اور کراچی میں فری میسن لاجز کی تاریخ کی طرف آتے ہیں۔

لاہور کی لاج

پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں فری میسن نے انیسویں صدی کے وسط میں کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے پرانی انارکلی میں لاج قائم کی گئی۔ یہ لاج 1859ء میں تعمیر ہوئی۔ اس لاج کے پاس سے گزرنے والی سڑک کا نام لاج روڈ پڑ گیا جو ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود اسی نام سے موجود ہے۔ اگرچہ سرکاری طور پر اس کا نام کچھ اور رکھا گیا ہے لیکن عوام کے نزدیک یہ آج بھی لاج روڈ ہی ہے۔ یہاں سے ختم کر کے لاج دوسری جگہ قائم کی گئی تو اس عمارت میں لیڈی میکلیگن سکول قائم کر دیا گیا جو اگرچہ سرکاری تحویل میں ہے مگر اسی نام سے کام کر رہا ہے۔ یہ سکول خواتین کے لیے ہے اور بہت سی نامور ہستیوں نے اس سے تعلیم حاصل کی ہے۔ یہاں سے لاج منتقل کرنے کی بھی ایک تاریخ ہے۔ ممتاز شاعر اور مصنف رڈیارڈ کپلنگ بھی فری میسن کارکن تھا۔ رڈیارڈ کپلنگ کا نام نصف صدی زائد قبل اس وقت راقم کے سامنے آیا جب سکول کے زمانے میں درہ خیبر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ درہ خیبر پشاور سے لنڈی کوتل جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔ وہاں باب خیبر بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس باب پر کپلنگ کا ایک شعر درج ہے۔ معلوم نہیں آج ہے یا نہیں مگر غلط یا صحیح، ذہن میں جو کچھ رہ گیا ہے وہ یہ ہے۔

خیبر سے چلی سن سے گولی اور اڑتے اڑتے یہ بولی
انسان کی قیمت سے زیادہ ہے گھاس بھری جھولی

کپلنگ نے انارکلی والی لاج میں تین برس تک قیام کیا۔ اس لاج کے ساتھ ہی وہ ہندوستان سے بھی رخصت ہو گیا۔ اس نے اپنی معروف نظم SOMETHING OF MYSELF اسی لاج میں لکھی تھی KIM کے نام سے اس کا ایک ناول بھی ہے۔ جس میں مذکورہ لاج کا ذکر موجود ہے۔ ناول میں وہ لاج کو جادو گھر کا نام دیتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے نئی لاج بنی تو اس کا نام تیلی گھر پڑ گیا۔

دوسری یا متبادل لاج چیئرنگ کراس کے شروع میں بنائی گئی۔ چیئرنگ کراس سے کوئنز روڈ (موجودہ فاطمہ جناح روڈ) شروع ہوتے ہی بائیں جانب سب سے پہلی یہی عمارت ہے جس کا نمبر 90 شاہراہ قائداعظم (مال روڈ) ہے۔ اس کے بالمقابل یعنی دائیں جانب شاہ دین بلڈنگ ہوا کرتی تھی جسے موجودہ صدی کے بالکل ابتدا میں ایک بنک نے خرید کر اس کی تعمیر نہ کی۔ مال روڈ کی عمارتیں چونکہ قومی ورثہ قرار دی گئی ہیں لہٰذا اس کے فرنٹ یعنی سامنے کے حصے کو حسب سابق رکھا گیا ہے۔ لیکن فری میسن لاج کی عمارت اسی طرح قائم ہے البتہ اس کے لان میں کچھ تعمیرات کی گئی ہیں جس میں ایک بڑا زیر زمین ہال بھی شامل ہے۔ یہ تعمیرات چودھری پرویز الٰہی کی وزارت اعلیٰ کے دوران کی گئی تھیں۔ یہاں چونکہ وزیراعلیٰ کا سیکرٹریٹ ہے لہٰذا اس کے عقبی حصے کے بالمقابل قائم چڑیا گھر کا مرکزی دروازہ دوسری جانب یعنی لارنس روڈ (موجودہ شاہراہ مجید نظامی) پر منتقل کر دیا گیا ہے جس سے اکثر ٹریفک کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور عوام کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے لکھا گیا ہے کہ یہ عام آدمی کے لیے پہلے سے زیادہ دور ہو گئی ہے۔

یہاں فری میسن لاج 1914ء میں تعمیر کی گئی۔ ماضی میں اس جگہ باغ تھا۔ پھر یہاں پرنس البرٹ وکٹر کے لیے گھر بنا تو لاج کا نام انہی کے نام پر پڑ گیا۔ یہ فری میسن کی لاج نمبر 782 تھی۔ لاج کا ڈیزائن ماہر تعمیرات باسل ایم سلیوان نے بنایا جو تعمیراتی امور سے متعلق حکومت پنجاب کا مشیر تھا۔ عمارت اندر سے بڑی خوبصورت ہے اور اس کی دیواروں پر دلکش انداز میں چوبی کام کیا گیا ہے جبکہ فرش بھی لکڑی سے بنائے گئے ہیں۔

فری میسن اور بعض دیگر تنظیموں کی پراسرار اور ملک دشمن سرگرمیوں کی خبریں ملنے پر اس وقت کے حکمران ذوالفقار علی بھٹو نے 18 جولائی 1973ء کو پابندی عائد کر کے اس تنظیم کی لاہور کراچی میں موجود لاجز سرکاری تحویل میں لے لیں۔ اس وقت ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان تھے تاہم اس سے اگلے ماہ 14 اگست 1973ء کو انہوں نے خود وزارت عظمیٰ سنبھال لی اور قومی اسمبلی کے سابق سپیکر فضل الٰہی چودھری کو صدر پاکستان بنا دیا گیا۔

کراچی کی لاج

کراچی میں فری میسن لاج فوارہ چوک پر قائم تھی جو صدر میں عبداللہ ہارون روڈ (سابق وکٹوریہ روڈ) پر ہے۔ چوک کے ایک جانب سڑک پر پرانا پروٹسٹنٹ چرچ اور دوسری جانب کی سڑک پر گورنر ہاؤس ہے یہیں سے ایک سڑک کثیر منزلہ سٹیٹ لائف بلڈنگ کی طرف جاتی ہے۔ یہ کراچی کا مرکزی علاقہ ہے۔ جب یہ تنظیم یعنی فری میسن قائم تھی تو اسی عمارت میں اس کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ اب یہ عمارت خاصی خستہ ہو چکی ہے تاہم تنظیم کے دور کی کچھ یادگاریں ابھی تک موجود ہیں۔ ان میں وہ تختیاں بھی ہیں جن پر تنظیم کے ارکان اور عہدیداروں کے نام لکھے گئے تھے۔ اب تو یہاں ایک بوڑھا چوکیدار ہی ہے جو سردیوں میں عقبی دروازے کے باہر دھوپ سینکتا رہتا ہے۔ معلوم نہیں یہ کب تک اس دنیا میں رہتا ہے اور اس تحریر کی اشاعت تک وہ حیات ہوگا بھی یا نہیں۔ جہاں تک فرنٹ کا تعلق ہے تو اس کے باہر لوگ اپنی گاڑیاں کھڑی کر دیتے ہیں متحدہ ہندوستان میں تنظیم کے جن ارکان کا ذکر کیا گیا ہے ان میں زیادہ تر کا تعلق کراچی کی لاج سے ہی تھا لیکن اس میں آویزاں تختیوں پر کچھ اور نام بھی ہیں جن میں جام ایوب عالیان، ایم ایم آر شیرازی اور ایم جی حسن بھی شامل ہیں۔ یہ سب اپنے دور کی معروف اور نامور شخصیات تھیں۔ ایوب عالیانی تو محض رکن تھے مگر دوسرے دونوں اصحاب تنظیم کے باقاعدہ عہدیدار تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جام ایوب عالیانی شاہ جارج پنجم کی اجازت سے 1894ء میں ایران کا وائس قونصل بنا۔ وہ 1927ء تک اس عہدے پر رہا۔ یہ وہ دور تھا جب فری میسن کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ لہٰذا جام ایوب عالیانی بھی اس کا رکن بن گیا۔ یہ تفصیل کہیں نہیں ملتی کہ اسے کسی نے رکن بنوایا یا یہ خود ہی تنظیم تک گیا۔ سندھ کا پہلا گورنر چارلس نیپئر بھی تنظیم کا اعزازی رکن تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کراچی میں اس لاج کے سوا فری میسن کی کوئی اور عمارت نہیں تھی۔ اس لاج میں تنظیم کی جو علامات اور نشانات موجود ہیں وہ بھی کراچی کی کسی دوسری بلڈنگ میں نہیں

ملتے غالباً اس امر سے باور کیا گیا ہے کہ کراچی میں یہی ایک عمارت تنظیم کے زیر استعمال تھی۔ یہ عمارت تو قریباً پونے دو صدی قدیم ہے۔ اس کا سنگ بنیاد 1843ء میں رکھا گیا۔ اتنے طویل عرصے کے بعد بھی اگرچہ اس کا سٹرکچر قائم ہے مگر وہ کسی اچھی حالت میں نہیں۔ غالباً اس کی وجہ اس کی عدم نگہداشت ہے۔ سرکاری قبضہ کے بعد اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ 18 جولائی 1973ء میں ایک مجسٹریٹ کی قیادت میں سرکاری ٹیم نے عمارت کو قبضے میں لیا۔ صرف عمارت ہی نہیں وہاں موجود تمام دستاویزات اور دوسرا سامان بھی تحویل میں لے لیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ پاکستان میں فری میسن پر پابندی لگنے کی بنیاد اس کے ارکان میں سے ہی ایک گروپ نے فراہم کی تھی۔ اس گروپ نے حکام کو آگاہ کیا تھا کہ تنظیم کس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ ان اطلاعات کے پیش نظر حکومت نے اس پر پابندی عائد کر دی۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ یحییٰ خان دور کے وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات اور قومی امور نوابزادہ شیر علی خان بھی اس کے رکن بتائے جاتے ہیں جو فوج سے میجر جنرل کے طور پر ریٹائر ہوئے تھے۔ نوابزادہ شیر علی کے بیٹے اسفندیار کے بارے میں بھی ایسی ہی اطلاعات ہیں۔ وہ بھی میجر جنرل رہے ہیں۔ تاہم آج کے دور میں اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ نوابزادہ شیر علی خان اب اس دنیا میں نہیں۔ تنظیم کا ریکارڈ اگرچہ سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تھا لیکن وہ بھی دستیاب نہیں لہٰذا اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ متحدہ ہندوستان میں نواب پٹودی اس کے ارکان میں شامل تھے۔ شیر علی خان اور ان کے صاحبزادے کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا لیکن یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ایسا ہے بھی تو ممکن ہے جس وقت یہ لوگ رکن رہے ہوں اس وقت سرکاری سطح پر کوئی پابندی نہیں تھی یعنی سرکاری اہلکاروں کو فری میسن کا رکن بننے کی اجازت تھی۔ تنظیم پر پابندی 1973ء میں لگائی گئی۔ بعد میں ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران 16 جون 1983ء کو مارشل لاء کا حکم نمبر 56 جاری کیا گیا جس کے تحت فری میسن کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن اس سے بہت پہلے 1965ء میں حکومت نے فوجی اہلکاروں کو فری میسن کا رکن بننے کی ممانعت کر دی تھی۔

اس قسم کی ممانعت کچھ دوسری تنظیموں کے بارے میں بھی کی گئی بعد میں اس وقت کی پابندی تمام سرکاری اہلکاروں پر عائد کردی گئی۔

یہاں ایک امر کی وضاحت کردیں کہ نوابزادہ شیر علی خان 1969ء سے 1971ء تک پاکستان کے وزیر اطلاعات رہے۔ یہ وہ دور تک جب مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک زوروں پر تھی جس کے نتیجے میں پاکستان کا مشرقی بازو الگ ہوکر بنگلہ دیش بن گیا۔ نوابزادہ شیر علی متحدہ پاکستان کے آخری دن تک وزیر اطلاعات تھے یعنی یحیٰی خان کی صدارت اوران کی وزارت میں ہی پاکستان کو ٹوٹنے کا سانحہ برداشت کرنا پڑا۔ اس عمل میں جہاں داخلی کے علاوہ عالمی سطح پر سازشیں زوروں پر تھیں وہاں فری میسن اور اسی قسم کی دوسری تنظیموں کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پاکستان اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں تنظیم پر پابندی کے باوجود ان ملکوں میں اس کے وجود کو عملی طور پر ختم نہیں کیا جاسکا۔ ہم کہیں کہ اسے ختم کرنا ممکن ہی نہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ایسے ممالک میں تحریک نے پرانے لبادے اتار کر نئے لبادے پہن لیے ہیں۔ اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے یہ نام بدل کر میدان میں اتری ہوئی ہے یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ کئی این جی اوز (غیر سرکاری تنظیمیں) فری میسن کے مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ان این جی اوز کا ذکر اکثر مقامی اور عالمی سطح پر بھی ہوتا ہے۔ باقی این جی اوز کے بارے میں تو ہم اس طرح کی بات نہیں کرسکتے مگر فری میسن کے لیے کام کرنے والوں کی تعداد کم نہیں۔ جو بظاہر عوامی فلاح و بہبود کے مقاصد لیکر آتی ہیں لیکن در پردہ متعلقہ ممالک کی جڑیں کاٹ رہی ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں لفظ روشن خیالی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس لفظ کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ کرنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہمارے ایک خودساختہ مارشل لائی صدر پرویز مشرف بھی اس اصطلاح کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے۔ معلوم نہیں ان کی اس سوچ کے پس پردہ کچھ مقاصد تھے یا وہ محض خود کو ''روشن خیال'' ثابت کرنے کے لیے اسے اپنائے ہوئے تھے۔

○

خوفناک الومیناٹی

اب ایک اور تنظیم کی طرف آتے ہیں جو اٹھارہویں صدی میں قائم ہوئی اور خوفناک بلکہ تباہ کن سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فری میسن اور الومیناٹی دو مختلف تنظیمیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرے اگرچہ دو ہیں مگر یہ ایک جسم پر سجے ہوئے ہیں...... یہ دو منہ والا ایک ہی اژدہا ہے...... یہ دو سروں والا شیطان ہے...... یہ دورخی چڑیل ہے...... دونوں طرف آنکھیں رکھنے والا بھوت ہے......

فری میسن کے سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے کہ اس کی جدید شکل 1717ء میں انگلستان میں سامنے آئی۔ یہی وہ دور تھا جب الومیناٹی تنظیم قائم کی گئی۔ یکم مئی 1976ء میں قائم ہونے والی الومیناٹی کے مقاصد فری میسن سے بھی زیادہ خوفناک اور ہولناک ہیں۔ حقیقت میں یہ پراسرار نادیدہ تنظیم ہے جس کا کسی جگہ وجود نہیں مگر یہ ہر جگہ موجود ہے یہاں تک کہ دنیا میں قتل وغارت، جنگ وجدل اور تباہی و بربادی کے واقعات میں اکثر اسی تنظیم کا نام ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ جنگوں اور تباہی و بربادی کے لیے خود سرمایہ کاری کرتی ہے تاکہ اپنے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

1876ء میں اس وقت کے برطانوی وزیراعظم بنجمن ڈسٹرائیلی نے ایک موقع پر کہا تھا کہ آج کی حکومتوں کو دوسری حکومتوں، بادشاہوں، شہنشاہوں اور وزیروں کے ساتھ ہی نہیں بہت کی خفیہ تنظیموں کے ساتھ بھی نبرد آزما ہونا پڑتا ہے جن کے ایجنٹ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور وہ آخری مراحل پر بھی تمام حکومتی منصوبوں کو درہم برہم کر سکتے ہیں۔

عین ممکن ہے کہ مسٹر ڈمن کے پیش نظر ایسی ہی کوئی تنظیم یا پھر خود الومیناٹی ہی ہو کیونکہ یہ انہی تنظیموں میں سے ہے جن سے بچنا مشکل اور ان کا کھوج لگانا قریباً ناممکن ہے۔ بوریا میں اپنے قیام کے وقت سے ہی یہ انتہائی متنازعہ رہی ہے جبکہ اس کا ساتھ دینے والوں میں بہت سی طاقتور ترین عالمی شخصیات بھی شامل تھیں اور اب بھی ہیں۔

اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے تنظیم شیطانی حربے استعمال کرتی ہے...... خون کی قربانی لینے تک سے دریغ نہیں کرتی...... میڈیا میں کرپشن کی ابتدا اس نے کی حتیٰ کہ یہ عالمی معیشت پر بھرپور انداز میں اثر انداز ہوتی ہے جس کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

1976ء میں تنظیم قائم کی گئی تو آج کی طرح خفیہ اور پراسرار نہیں تھی، اس وقت یہ کھلے عام سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھی لیکن آہستہ آہستہ اس پر اسرار کے پردے پڑتے گئے۔ بوریا کے ایک ابی (یہودی عالم) کے نوجوان بیٹے (ADAM WEISHAUPT) نے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر تنظیم قائم کی۔ اس وقت اس کا نام ILLUMINATENORDEN رکھا گیا جو لاطینی لفظ ہے۔ انگریزی میں اس کا مطلب ORDER OF ILLUMINATI ہے جس کا مفہوم روشنی پھیلانے کے ضمن میں ہے...... اس کے ظاہری مقاصد بھی یہی تھے کہ روشن خیالی اور جدیدیت کو پھیلا کر لوگوں پر مذہب کے اثرات کو کم سے کم کیا جائے۔ اپنے ظاہری یا خفیہ مقاصد کے لیے کئی سال تک یہ لوگ خاموشی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ یہ بوریا میں قائم تھی اور 1784ء میں وہاں کے حکمران نے نہ صرف الومیناٹی بلکہ اسی طرح کی تمام تنظیموں پر پابندی عائد کردی۔ حکومت کو ان تنظیموں کی خفیہ اور خلاف قانون سرگرمیوں کی اطلاعات ملی تھیں جس پر ان کے خلاف اس قسم کی کارروائی کی گئی۔ پابندی کے بعد تنظیم بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اس کی خفیہ اور زیرزمین سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس وقت تک اس کا دائرہ کار جرمنی تک محدود تھا۔ اس تنظیم نے جرمنی میں اپنا وجود قائم کیا تھا لہٰذا آج بھی اس کا صدر دفتر جرمنی میں ہی ہے۔

18ویں صدی میں یورپ کے ہر گلی محلے میں خفیہ تنظیمیں قائم تھیں لیکن ان میں سے اکثر

کے مقاصد منفی نہیں تھے یعنی یہ عوامی سطح پر حکومت یا اپنے دشمنوں اور ایسے لوگوں کے خلاف نہیں تھیں جو ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یہ امیر لوگوں کی ایسی انجمنیں تھیں جو پینے پلانے اور اسی نوعیت کے دوسرے امور تک محدود تھیں۔ الومیناٹی بھی ابتدا میں انہی میں سے ایک تھی لیکن جلد ہی اس کے بانی ایڈم نے غیر قانونی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ایک موقع پر اس نے خود بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔

1977ء میں ایڈم میونخ گیا تو وہاں کے ایک چرچ میں اس نے بظاہر فری میسن لاج قائم کر لی۔ اس لاج کو بعد میں نے الومیناٹی کے رنگ میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ یہیں سے فری میسن اور الومیناٹی میں ربط وضبط شروع ہو گیا۔ اگر چہ یہ رابطہ مختلف نوعیت کا تھا تاہم اس کا وجود بہر حال تھا۔ اسی لیے ان کو دو چہروں والی چڑیل یا وہ نام دیئے گئے ہیں جن کا اوپر ذکر موجود ہے۔ بظاہر فری میسن ایک دوسری قسم کا دھوکہ ہے مگر حقیقت میں یہ ایک ہی دھوکے کے دو روپ ہیں صرف ان کی سرگرمیوں کا دائرہ کار اور مقاصد ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں لیکن اصل مقصد صیہونیت کا فروغ رہا ہے۔ اِس دور میں عیسائیت یورپ میں غالب مذہب تھا اس لیے ان کا بڑا ہدف عیسائی ہی تھے۔

ایڈم نے ایک طرح سے فری میسن پر بھی ڈاکہ ڈالا اور پورے یورپ میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے تاکہ فری میسن کے ارکان کو الومیناٹی میں شامل کیا جائے۔ یورپ کے بعد یہ کام ساری دنیا میں شروع کر دیا گیا۔ فری میسن میں دنیا کی بعض طاقتور شخصیات موجود تھیں جن کو اپنے زیر اثر لانے کے علاوہ انہوں نے دنیا بھر سے ذہین ترین لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا جن کی مدد سے وہ عالمی معیشت پر اثر انداز ہونے لگے اور آج بھی یہ اسی کام میں مصروف ہیں۔

ایڈم خود تو کب کا مر کھپ گیا مگر وہ جو بیج بو گیا تھا اور اس نے جس فصل کو اگایا وہ اب اس کے دوسرے ہم مذہب استعمال کر رہے ہیں۔

فری میسن سے الومیناٹی میں داخل ہونے والے ابتدائی افراد میں ایک جرمن تاجر بیرن ایڈولف وان نگی بھی تھا۔ اس نے اپنا اثر استعمال کرتے ہوئے تنظیم کے لوگوں اور مقاصد کے

لیے جرمن بینکوں سے سرمایہ کاری کرائی جو بعد میں پوری دنیا کے بنکوں میں پھیلا دی گئی...... تنظیم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس نے حکمرانوں اور بادشاہوں کو قتل کرایا۔ یہ جب چاہتے اور جس حکمران کے بارے میں چاہتے اسے معزول کر دیا جاتا۔انہوں نے ملکوں کو لڑایا اور جنگوں کے لیے خود سرمایہ کاری تک کی...... تنظیم کی ہدایت پر اس کے بیشتر ارکان نے ریکارڈ میں ہیرا پھیری کرا کے اپنا شجرہ تک بدل ڈالا جس کے تحت ان کا ناطہ شاہی خاندانوں سے جاملا۔ایک اور شخصیت مائر رتھ شیلڈ کی تھی جس کے دماغ نے شجرے وغیرہ تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس شخص کے ایڈم کے ساتھ جسمانی تعلقات کی داستانیں بھی بتائی جاتی ہیں۔

الومیناٹی نے فلموں، ڈراموں، ناولوں، ٹی وی شوز، ویڈیو گیمز اور کارٹونوں تک کو نہیں چھوڑا۔ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے اس نے ان میڈیاز کو استعمال کیا۔ یہ کام اس نے اپنے خفیہ ایجنٹوں کے ذریعے کرائے جو بعض اوقات احساس بھی نہیں ہونے دیتے تھے کہ دوسرے سے کس قسم کا کام لیا جا رہا ہے۔ان مقاصد کے لیے ایجنٹوں کو باقاعدہ ترتیب دی جاتی ہے۔ ایسا ماضی میں تھا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات کا تو ذکر ہی کیا اس نے ایسے بڑے بڑے واقعات اور معاملات میں اہم بلکہ بنیادی کردار ادا کیا جن کو دنیا شاید ہی فراموش کر پائے۔اس کے معاملات سے واقف حضرات کا کہنا ہے کہ انقلاب فرانس سے لے کر واٹر لو جنگ تک میں الومیناٹی تنظیم ملوث تھی۔ کئی اور ایسے اہم واقعات ہیں، ہر ایک کا ذکر کرنے بیٹھیں تو بڑی تعداد میں صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔اس سے اندازہ لگالیں کہ 1960ء کی دہائی میں امریکہ صدر جان ایف کینڈی کا قتل اسی تنظیم کے کھاتے میں جاتا ہے۔ کہا یہ گیا ہے کہ جان ایف کینڈی نے ان کا آلہ کار بننے سے انکار کر دیا لہٰذا 1962ء میں ان کو اس وقت گولی ماردی گئی جب ان کا قافلہ کہیں جارہا تھا۔ بعد میں امریکہ کے اداکار صدر ریگن کو بھی سرعام گولیاں ماری گئیں جو ان کے سینے میں لگیں تاہم ان کی زندگی کی ڈور اس وقت تک باقی تھی اس لیے وہ موت سے ہمکنار نہیں ہو سکے۔ یہ قدرت کے معاملات ہیں۔ ہر شخص کو اپنے مقررہ وقت پر ہی اللہ کے پاس جانا ہے۔ کسی میں جرأت اور ہمت نہیں کہ اس وقت میں ایک

کو بھی ادھر ادھر کر سکے۔ ایک گزشتہ باب میں 14 امریکی صدور کے باقاعدہ فری میسن کے رکن بننے کا ذکر ہے مگر الومیناٹی اس لحاظ سے زیادہ خطرناک اور خوفناک ہے کہ کوئی امریکی صدر اس کے مقاصد میں آلہ کار بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور امریکی صدور پر تنظیم کے بڑوں کی خاص نظر کرم ہوتی ہے۔

سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد امریکہ کی طرف سے جاری کیے جانے والے نیو ورلڈ آرڈر کا بہت چرچا رہا ہے۔ اس پر اگرچہ دنیا بھر میں بہت زیادہ تنقید ہوئی مگر ہو وہی رہا ہے جو کچھ اس ورلڈ آرڈر میں لکھ دیا گیا ہے۔ امریکہ کا اس ورلڈ آرڈر کی تیاری میں کوئی کردار تھا یا نہیں مگر کہا جاتا ہے کہ یہ آرڈر بھی اسی تنظیم کی کارستانی ہے جس کا نام ہی "آرڈر آف الومیناٹی" ہے۔ نیا عالمی نظام دنیا کے لیے روشن مستقبل کی نوید تو نہیں بن سکتا مگر اس تنظیم اور اس کی پشت پر موجود پوری یہودی قوم کے لیے "نوید" ضرور ہے۔

اکثر سوال اٹھتا ہے کہ یہ ورلڈ آرڈر ہے کیا......؟ تنظیم اس ورلڈ آرڈر کے ذریعے کیا کرنا چاہتی ہے اور یہ الومیناٹی کے لیے کس طرح کارآمد ہے......؟ یہ بات تو ہر ایک معلوم ہے کہ یہودی خود کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور انعام یافتہ قوم قرار دیتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس میں کس قدر حقیقت موجود ہے۔ اپنی اسی سوچ کے پیش نظر ان کا خیال ہی نہیں عقیدہ ہے کہ دنیا پر حکمرانی انہی کا حق ہے اور یہی ورلڈ آرڈر کی بنیاد ہے۔ بعض لوگ اور طبقے اسے محض مذاق تصور کرتے ہیں لیکن یہ مذاق نہیں بڑا سنجیدہ معاملہ ہے۔ تنظیم بلکہ پوری یہودی نسل کے پیش نظر نیو ورلڈ آرڈر یا دنیا پر حکمرانی کے خدوخال موجود ہیں۔ ان کے ذہن کے مطابق ریاستوں یا ممالک کی موجودہ جغرافیائی سرحدیں ختم کر کے پورے کرہ ارض کو ایک حکومت کے تابع کر دیا جائے جہاں ان کے بڑوں کا ایک گروہ مطلق العنان حکمران ہو۔ کوئی اس کو پوچھنے والا نہ ہو اور وہ اپنی خواہشات کے مطابق نظام دنیا چلائیں۔ اس کے باعث یہ طاقتور ترین تنظیم ہر شعبہ زندگی کے ذہین ترین افراد کا انتخاب کر کے ان سے کام لیتی ہے۔ اس کا طریقہ کار اس قدر منظم ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بھی کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ تاجروں، صنعتکاروں، حکمرانوں، فنکاروں

اور تخلیق کاروں وغیرہ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کیونکہ لوگ ان کی بات ذرا توجہ سے سنتے ہیں پھر میڈیا اور برین واشنگ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ تنظیم کے خیال میں ہر بڑے آدمی کے اوپر ایک بڑا آدمی ہوتا ہے اور یہ انہی "بڑے" افراد کی تلاش میں رہتے ہیں۔ انہوں نے یہ تصور غالباً قرآن پاک سے لیا ہے۔ قرآن کی سورۃ یوسف میں ہے کہ ہر ذی علم پر ایک ذی علم موجود ہے۔ کچھ حلقے اس تنظیم کے بارے میں یہاں تک قرار دیتے ہیں کہ 1969ء میں جب انسان نے چاند پر قدم رکھا تو اس مشن میں شامل خلانورد اس کے زیر اثر تھے جبکہ نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں 9/11 کا المیہ بھی اسی کی تخلیق تھا جس کے لیے ٹائم اینڈ سپیس تھیوری استعمال کی گئی۔ یہ ہم دنیاداروں کی باتیں ہیں معلوم نہیں اس میں کس قدر حقیقت ہے لیکن اس میں سچائی کا عنصر اس لیے موجود ہو سکتا ہے کہ ٹوئن ٹاورز میں موجود تمام یہودی المیہ سے پہلے ہی اسے خالی کر گئے تھے اور اس میں مرنے والے سارے غیر یہودی تھے۔

دور جدید میں کئی ایک ایسی تنظیمیں ہیں جو اسی نام یا اس کی آڑ میں سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ غالباً یہ ایک بڑی تنظیم کے مختلف شعبے ہیں جن کے لیے بہت سی ایسی اہم شخصیات مصروف کار ہیں جو اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ یہ بڑی تنظیم 1776ء میں بویریا میں قائم ہونے والی تنظیم کا ہی تسلسل ہے اور دوسرے لوگ (تنظیمیں) ہمہ وقت اس سے رابطے میں رہتی ہیں جبکہ دنیا میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات کو یہی لوگ کنٹرول کرتے ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے کے بعد مختلف قسم کی تاویلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان تاویلوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

تنظیم کا پروپیگنڈا ہے کہ یہ روشن خیال لوگوں پر مشتمل ہے۔ دنیا بھر سے روشن خیال اور ذہین ترین لوگوں کو اپنے دائرہ کار اور دائرہ اثر میں لایا جاتا ہے۔ فری میسن کی طرح اس میں بھی مذہب وملت اور رنگ ونسل کی کوئی قید نہیں۔ ذہین، روشن خیال اور بااثر ہونا بنیادی شرائط میں شامل ہے۔ الومیناٹی نے کئی ایک ادارے قائم کر رکھے ہیں جو کرہ ارض پر موجود ذہین افراد کو وظائف دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے اپنے شعبہ میں علم پر مزید دسترس حاصل کر سکیں۔ یہاں تک تو

ٹھیک ہے۔لوگ سکالرشپ لیتے ہیں۔اعلیٰ تعلیم و تدریس سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ان میں سے کچھ لوگ اپنے اپنے ملک چلے جاتے ہیں اور کچھ انہی ممالک میں رہ جاتے ہیں جہاں کے لیے انہیں سکالرشپ ملا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دوسرے ممالک کا بھی رخ کرتے ہیں۔بظاہر یہ ان کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے مگر تنظیم ایسا فیصلہ خود ہی کر چکی ہوتی ہے جسے ان لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی برین واشنگ ہے۔ ایسی ہی برین واشنگ سے انہیں بہت سے دوسرے معاملات میں ملوث کیا جاتا ہے جو قانون کے دائرے میں نہیں آتے۔اس سلسلے میں جنسی سکینڈل بہت عام ہیں جن کی فلمیں اور فائلیں تیار کر کے سٹور کر دی جاتی ہیں۔ یہ لوگ جب واپس جاتے ہیں تو تنظیم کے آلہ کار بن چکے ہوتے ہیں۔کوئی شخص ان کی راہ سے اکھڑنے لگتا ہے تو اسے فلموں اور دستاویزات کے ذریعے بلیک میل کر کے اس طرح ڈھال دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ متعین کردہ راہ سے ہٹ نہ پائے تاہم تمام وظائف کے معاملے میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ معاملات وہیں ہوتے ہیں جہاں وظیفہ دینے والے لوگ یا ادارے الومیناٹی سے متفق ہوں۔

O

کوہ صیہون اور صیہونیت

یہ حکایت عام ہے کہ صیہونیت اسرائیل کے لیے ہے اور اسرائیل صیہونیت کے لیے یہ تنظیم اگرچہ 1897ء میں قائم کی گئی لیکن درحقیقت اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم جس قدر قدیم یہودیت اور یہودیوں کی تاریخ۔ اس تنظیم کے قیام کا بظاہر مقصد یہودیوں کے لیے ایک وطن کا حصول تھا جو ارض مقدس یعنی فلسطین کے علاقے میں قائم ہوگا۔ اس کا واضح مطلب فلسطینیوں سے ان کا وطن چھیننا اور آخر ارض موعود کا حصول تھا جس کا یہودیوں اور توراۃ کے بقول ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن مقصد یہیں تک محدود نہیں۔ ان کے ارادے بہت آگے تک جانے کے تھے۔

1948ء میں فلسطینیوں سے جبری طور پر ان کی دھرتی چھین کر اسرائیل قائم کر دیا گیا جو اس علاقے ہی نہیں پوری دنیا کی امن پسند اقوام کے لیے ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے بعد اس تنظیم کا مقصد پورا ہو گیا اور اسے ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن یہ ختم نہیں ہوئی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مملکت اسرائیل کے طاقت پکڑنے کے ساتھ ہی صیہونی تنظیم اس طرح موثر نہیں رہی جس طرح یہ ماضی میں تھی مگر ایسا سوچنا محض خام خیالی ہوگا کہ اس کی اثر پذیری اور حرکت پذیری میں وہ جان اور جوش و جذبہ نہیں رہا جو اسرائیل کے قیام سے پہلے تھا۔ یہ تنظیم موثر ہی نہیں مضبوط سے مضبوط تر ہو رہی ہے۔ اسرائیل کی ترقی و استحکام کی آڑ میں اب اس کا منصوبہ ساری دنیا پر غلبے کا حصول ہے جیسا کہ سوا سو سال قبل سوئٹزرلینڈ میں تین سو موثر یہودی مذہبی رہنماؤں نے جو ربی کہلاتے ہیں منصوبہ بنایا تھا۔ اس حوالے سے پروٹوکولز پر مبنی

ایک دستاویز تیار کی گئی جو خفیہ تھی لیکن آخر کار یہ منظر عام پر آگئی اور دنیا کو اس کے بارے میں آگاہی حاصل ہوگئی کہ ہزار سال تک در بدر بھٹکنے والی اس ناشکری قوم کے عزائم کیا ہیں اور وہ انہیں کس طرح بروئے کار لانا چاہ رہی ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل کی غرض سے کسی بھی طرح اپنی راہ میں آنے والے یہودیوں تک کو معاف نہیں کیا جاتا اور انہیں قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ اور سلوک کیا ہوگا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ صیہونیت ہے کیا......؟

صیہونیت عبرانی لفظ صیہون سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب قلعہ، پہاڑی اور بعض کے مطابق امید بھی ہے۔ ہم انسائیکلو پیڈیا دیکھیں تو وہاں لکھا ہوا ہے کہ پرانے یروشلم میں صیہون نام کی ایک پہاڑی ہے جس کا ذکر عہد نامہ قدیم (توراۃ) اور یہودی لٹریچر میں بھی ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی پہاڑی پر معبد تعمیر کیا گیا تھا لیکن علامتی طور پر یہ لفظ یروشلم (بیت المقدس) اور خود اسرائیل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ آج جس پہاڑی کو صیہون کہا جاتا ہے وہ قدیم شہر کی شمالی دیوار کے ساتھ واقعہ ہے۔

یہودیوں کی اس عبادت گاہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کی۔ 587 قبل مسیح میں بخت نصر نے یہودیوں پر حملہ کیا تو اس نے سب کچھ تاخت و تاراج کر دیا۔ یہودیوں کا قتل عام کیا اور کثیر تعداد کو غلام بنا کر لے گیا جنہوں نے کئی نسلوں تک غلامی کی زندگی بسر کی۔ اس نے یہ عبادت گاہ بھی ملیا میٹ کر دی۔ لیکن ان ''غلاموں'' کو آزاد کیا گیا تو یہ پھر اپنے وطن کو لوٹ آئے اور عبادت گاہ بھی دوبارہ تعمیر کر لی۔ پھر ہیرڈ نے اس کی بڑے پیمانے پر توسیع کی۔ ہیرڈ کا دور 20 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ آج کے دور میں اس کا ایک حصہ مسجد اقصیٰ میں شامل ہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں گنبد صخریٰ اسی جگہ تعمیر کیا گیا۔

کیرن آرم سٹرانگ نے یروشلم...... ایک شہر تین مذاہب میں اس پہاڑی کے بارے میں لکھا ہے۔ ان کے مطابق یروشلم کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت ''کوہ صیہون'' کو ملی۔ اسے اب جبل الاقرا کہتے ہیں۔ یہ یوگیرت سے بیس میل شمال میں اورونٹس کے دہانے پر ہے۔

کنعان میں کوہ حرمون، کوہ کرمل اور کوہ تابور بھی مقدس مقامات تھے۔ عبرانی مذہبی گیتوں کے مطابق کوہ صیہون جو کوہ اوفیل کے شمال میں (یروشلم میں) واقع ہے، ایک مقدس مقام تھا۔ اس پہاڑ کے اصل خدوخال اب نہیں دیکھے جاسکتے کیونکہ بادشاہ ہیرودیس نے پہلی صدی قبل مسیح میں یہودیوں کا معبد بنانے کے لیے جو وسیع وعریض پلیٹ فارم بنایا تھا اس میں یہ پہاڑ چھپ گیا ہے۔ اپنی قدرتی حالت میں ممکن ہے کہ کوہ صیہون اپنے اردگرد کے پہاڑوں میں اس طرح سر بلند ہو کہ سب میں عظیم و مقدس دکھائی دیتا ہو۔

جب ایک دفعہ کوئی مقام ''مقدس'' محسوس ہو جاتا تو پھر یہ اپنے غیر مقدس ماحول سے پوری طرح مختلف نظر آتا تھا۔ چونکہ (یہودیوں کے بقول) خدا نے صیہون پر اپنا ظہور کیا تھا چنانچہ یہ جگہ عقیدتوں کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ زمین کا مرکز بھی قرار دیدی گئی۔ یہ مرکزیت آپ جیومیٹری کے کسی قاعدے کلیے سے ثابت نہیں کر سکتے لیکن یروشلم کے باشندوں کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ قریب ہی حبرون بھی مقدس مرکز سمجھا جاتا تھا۔ تقدس کی اپنی منطق ہوتی ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا جب ربیوں یعنی زبور کے عالموں نے دعویٰ کیا کہ کوہ صیہون دنیا میں بلند ترین مقام ہے حالانکہ ''پنیر بنانے والوں کی وادی'' جسے اب وادی الوعد کہتے ہیں، کے دوسری طرف مغربی پہاڑی واضح طور پر کوہ صیہون سے اونچی تھی۔ دراصل وہ شہر کی طبعی جغرافیائی بلندیوں کی بات نہیں کر رہے تھے بلکہ روحانی نقشے میں اس کی رفعت اور عظمت و مرتبت کی بات کر رہے تھے۔ کسی بھی اور مقدس پہاڑ کی طرح جہاں ماورائی قوتوں نے اپنا ظہور کیا ہو، کوہ صیہون بھی نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ یہاں پہنچ کر لوگ اپنے آپ کو آسمان یا عالم بہشت کے قریب محسوس کرتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ ان کی دنیا کا ''مرکز'' تھا۔ یہ ان مقامات میں سے ایک تھا جہاں (یہودیوں کے مطابق) خدا سے رابطہ ممکن تھا۔

یہ تو کتابوں کی باتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے عزائم کے حوالے سے اس پہاڑی کو اپنی امید کا مرکز بنا کر اسی کے نام پر اپنی صیہونی تنظیم قائم کی۔ ہر مجدون کی جنگ کا آگے ذکر آئے گا۔ اس کو دیکھیں تو احادیث مبارکہ کے مطابق ایک جنگ

میں دو تہائی یہودی مارے جائیں گے۔ حالات پر نظر ڈالی جائے تو لگتا ہے کہ یہ ہرمجدون کی جنگ کا ہی ذکر ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے۔ دو تہائی یہودی مارے جانے کی صورت میں باقی اتنی سکت نہیں رکھیں گے کہ وہ کسی ایڈونچر کے بارے میں سوچ سکیں۔ ان بچ جانے والوں میں بھی زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی ہوگی کیونکہ مسلمان جنگوں میں عورتوں اور بچوں کو نہیں مارتے تاہم اللہ کی یہ معتوب قوم ساری خبریں اور معلومات رکھنے کے باوجود ''بے خبری'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے منصوبے بنا رہی ہے کہ عالمی سامراج کا روپ دھار لے۔ وہ کل عالم پر غلبہ کا خواب دیکھ رہی ہے اس خواب کا حقیقت میں بدلنے کے لیے وہ طویل عرصہ سے روبہ عمل ہے۔ امریکہ اور یورپ اس معاملے میں اس کے اتحادی ہی نہیں، اس کے ساتھ سرگرم کردار ادا کر رہے ہیں لیکن عقل کے ان اندھوں کو معلوم نہیں کہ غلبہ عالم کے منصوبے کے تحت انہوں نے امریکہ اور یورپ کی معیشت پر قریباً قبضہ کر لیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہودی پروٹوکولز ہیں جن کا آگے ذکر آئے گا۔ معیشت ہی نہیں، پورا میڈیا اور بہت سے دوسرے اہم شعبے بھی ان کی گرفت میں ہیں۔

گریٹر اسرائیل اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ انجیل اور توراۃ کے حوالے سے اس کا ذکر گزشتہ ابواب میں موجود ہے۔ ممکن ہے صدیوں پہلے بلکہ قبل از مسیح ان کے ذہن میں ''ارض موعود'' یا گریٹر اسرائیل کا ویسا ہی تصور ہو مگر اب بات اس سے آگے بڑھ کر عالمی حکمرانی تک جا چکی ہے۔

صیہونی تحریک اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس کی داغ بیل روس میں ڈالی گئی تھی۔ اسی ملک میں ایک یہودی تھیوڈور ہرزل کے ذہن میں یہ اس منصوبے کا خناس سمایا تھا۔ منصوبے کا بنیادی مقصد عظیم تر اسرائیل کا قیام تھا وہ اسے اپنا خواب قرار دیتا تھا۔ یہودیوں کے ایک ابی فشحان کے دعوے کے مطابق اس مملکت میں وادی نیل سے دریائے فرات تک کا علاقہ، شام کا بہت سا حصہ اور سعودی عرب کا وسیع تر علاقہ شامل ہوگا۔ صیہونیت کے بانیوں کی اس خیالی مملکت کی سرحدیں مدینہ منورہ سے کچھ ہی فاصلے پر ہیں۔ لبنان کے کچھ حصے کے

علاوہ پورا اردن بھی ان کی نظر میں ہے۔

اس مکروہ اور ناپاک یہودی منصوبے کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ تو ''گریٹر اسرائیل'' کو بہت بڑی سامراجی طاقت بنانے سے متعلق ہے۔ اس پہلے حصے کی کامیابی کے لیے دوسرا حصہ تیار کیا گیا ہے جس کے تحت اردگرد کے قریباً تمام ممالک کو تہس نہس کر کے رکھ دیا جائے گا۔ ان کو چھوٹی چھوٹی نوآبادیوں کی شکل دینے کی سازش تیار کی گئی ہے۔ نام نہاد آزاد بلوچستان کا قیام بھی اسی یہودی منصوبے کا حصہ ہے۔ دیگر ممالک میں عراق، ایران، ترکی اور صومالیہ کا نام بھی آیا ہے۔

بتانے والے بتاتے ہیں کہ لبنان کی جنگ اور وہاں خانہ جنگی، ایران عراق جنگ، عراق پر دوبارہ امریکی حملہ، شام کی جنگ، مصر اور لیبیا میں افراتفری، پاکستان، یمن اور دیگر ممالک میں شکست وریخت بھی یہودیوں کے ذہن میں موجود ہے۔

یہ سارا منصوبہ تھیوڈور ہرزل نے 1904ء میں بنایا جبکہ ربی فشمان نے 1947ء میں اس کی تجدید کی۔ بعد میں 1980ء میں اس حوالے سے اسرائیلی حکمت عملی تیار کی گئی۔ تھیوڈور ہرزل کی ڈائری کے جو اوراق ملے ہیں اس میں منصوبے کا ذکر موجود ہے۔ بعد کی دستاویزات کے مطابق برطانیہ نے 1923ء میں جو فلسطین قائم کرایا وہ سارے کا سارا اسرائیل کا ہے۔ اسی لیے اسرائیل موجودہ فلسطین کو بھی ختم کرنے کے لیے بے پناہ طاقت استعمال کر رہا ہے تاکہ غزہ اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کو بھی اپنے ساتھ ملایا جا سکے۔

عیار اور چالاک دشمن کے منصوبے اب بہت آگے بڑھ چکے ہیں اور ہم مسلمان خواب خرگوش کا شکار ہی نہیں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں اس طرح ہم دشمن کا کام بہت آسان کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر اور نگہبان ہو۔

صیہونیت کی یہ تحریک روس میں پروان چڑھی اور وہیں اس کے خدوخال تیار کیے گئے تھے۔

دنیا میں پڑھے لکھے اور حالات پر نظر رکھنے والوں میں سے بھی ایک واضح تعداد کو معلوم

نہیں ہوگا کہ یہودیت کی اصل آماجگاہ روس رہی ہے۔ یہودی روس میں کس طرح پہنچے اور پھر پھیلتے رہے اس کا تذکرہ ایک دوسرے باب میں ہو چکا ہے۔ یہودیوں کے روس میں قدم جمانے کے بعد روسی ریاست اور فوج کی طرف سے ان کے تحفظ کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟ اس کا اندازہ ایک یہودی ماہر قانون کی لکھی گئی کتاب سے ہوتا ہے لیکن یہ واحد تحریر نہیں ہے، بہت سے دوسرے یہودیوں نے بھی اس بارے میں قلم اٹھایا ہے۔ الیگزینڈر بٹل مین کی کتاب "جنگ کے بعد کے زمانے کا یہودی سامنا کرتے ہیں۔" سے ایک اقتباس دیا جا رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روسی انقلاب دراصل ان کی امیدوں اور خواہشات کے عین مطابق تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر سرخ (روسی) فوج نہ ہوتی تو آج یورپ میں کسی ایک یہودی کا وجود بھی نہ ہوتا بلکہ فلسطین، افریقہ اور امریکہ میں بھی یہ موجود نہ ہوتے۔ ہماری بقا کا معاملہ چند دنوں کا مہمان ہوتا۔ روسی مملکت نے یہودیوں کو بچایا۔ لہٰذا امریکی یہودی فراموش نہ کریں کہ سوویت یونین کا ان پر تاریخی قرض موجود ہے۔"

اسی ایک مختصر سی تحریر سے اندازہ لگالیں کہ یہودیوں کی آماجگاہ امریکہ اور یورپی ممالک ہی نہیں روس بھی ہے جو مکمل طور پر یہودیوں کے قبضے اور نرغے میں ہے۔ یہودیوں کے معاملے میں ان دونوں بڑی طاقتوں کا رویہ اور نظریات ایک جیسے ہیں۔ یہاں ہم مولانا ظفر احمد انصاری کے انٹرویو سے استفادہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی مرکزیت ختم کرنے کے لیے ان میں انتشار پھیلانا اس قوم کے بنیادی منصوبوں میں سے تھا اور ہے وہیں روس کا بالشویک انقلاب بھی انہی کے منصوبے میں شامل تھا۔ یہودی مصنفوں اور صحافیوں کی تحریروں کا جائزہ لیں تو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ انقلاب کمیونسٹوں نہیں بلکہ یہودیوں کے منصوبے کی کامیابی تھی جنہوں نے بہت سے گروہوں کو مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ ذرا غور سے جائزہ لیا جائے تو اس انقلاب کے رہنماؤں کی اکثریت یہودیوں پر مشتمل تھی، ان میں سے اکثر نے اپنے نام بدل لیے مگر دماغ انہی کا کام کر رہا تھا۔ آج امریکہ اور یورپ میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں کے یہودی بچوں کے نام

یہودی نہیں بلکہ عیسائی ناموں سے ملتے جلتے ہیں اور اب تو ان بچوں کی نسل جوان ہی نہیں ہو چکی اس سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے خود کو عیسائی ناموں میں چھپا رکھا ہے۔

روسی اشتراکیت اور بالشویکی انقلاب کے حوالے سے لینن، کارل مارکس، سٹالن اور ٹرانسکی معروف نام ہیں۔ ان سب کا شجرہ نسب دیکھیں تو ہمیں یہودیت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ کارل مارکس کے ماں باپ یہودی تھے۔ لینن اور ٹرانسکی کے ساتھ بھی ایسی ہی صورتحال تھی۔ لینن اور سٹالن کی مائیں ہی نہیں ان کے بچوں کی مائیں بھی یہودی تھیں اور یہودیت میں نسب باپ سے نہیں ماں سے چلتا۔ آج کی دنیا میں یہ واحد قوم ہے جو ماں کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو لینن اور اس کے دوسو ساتھیوں کو ایک ٹرین میں بٹھا کر روس کی طرف دھکیل دیا گیا ان میں سے 165 افراد کے نام منظر عام پر آئے ہیں۔ ان 165 میں سے 128 یہودی تھے۔ لینن کی دیکھا دیکھی یا ایک منصوبے کے تحت ٹرانسکی بھی تین سو یہودیوں کو لے کر امریکہ سے روس آ گیا۔ یہ سب کچھ کسی اور مقصد کے لیے نہیں انقلاب کی تیاریوں کے سلسلے میں تھا جس میں آخرکار انہیں کامیابی مل گئی۔ اس کامیابی کے نتیجے میں وہ حکومتی مشینری پر قابض ہو گئے۔ اس کا اندازہ اس سے لگالیں کہ نئی حکومت کے عہدوں پر یہودیوں کی وسیع اکثریت چھا گئی تھی۔ ساڑھے پانچ سو کے قریب عہدیداروں میں صرف ایک سو غیر یہودی اور باقی ساڑھے چار سو یہودی تھے۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف سازش

فری میسن اور الومیناٹی جیسی پراسرار اور خطرناک تنظیموں کے بارے میں آپ مطالعہ کر چکے۔ لیکن پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے انہی تنظیموں پر انحصار نہیں بلکہ ان سے ملتی جلتی بے شمار تنظیمیں موجود ہیں جن کا مقصد ہی عالمی حکمرانی کے لیے سازشوں کے تانے بانے بنانا ہے۔ یہ تنظیمیں محدود نہیں بلکہ لامحدود تعداد میں ہیں جن کا سلسلہ پورے کرہ ارض پر پھیلا ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گی۔ یہ تنظیمیں دنیا کے قریباً ہر ملک میں موجود تھیں، موجود ہیں اور کم از کم مستقبل قریب میں موجود رہیں گی تاہم احادیث مبارکہ کو پیش نظر رکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آخر کار اس سلسلے کو ختم ہونا ہے۔

مذکورہ تنظیمیں کس قدر خطرناک ہیں......؟ ہم یہاں ماضی کے ایک سرگرم یہودی لیڈر جین ایزولٹ کی کتاب سے مختصر سا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ موصوف ایسی ہی ایک تنظیم جیوش الائنس اسرائیلائٹ یونیورسلے (JEWISH ALLIANCE ISRAELITE UNIVERSELLE) کے مستقل رکن تھے۔ جین ایزولٹ نے 1931ء میں ایک کتاب لکھی۔ PARIS LA CAPITALAE DES RELIGIONS نامی اس کتاب میں وہ بتاتے ہیں پچھلی صدی کی تاریخ کا مطلب اور لب لباب یہ ہے کہ آج تین سو ایسے سرمایہ دار پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں جو فری میسن لاجز کے اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ مسٹر جین کے اسی انکشاف سے اندازہ لگا لیں کہ یہودی کس طرح باقاعدہ منصوبہ کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور فی الحال وہ کامیاب نظر آ رہے ہیں۔ یہ اور دوسری تنظیمیں جن ممالک میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور

باقاعدہ اثر ونفوذ حاصل کر چکے ہیں ان میں مغرب، افریقہ، ایشیا اور دوسرے علاقوں کے غیر مسلم ہی نہیں بعض مسلم ممالک بھی شامل ہیں جہاں ان کے باقاعدہ مراکز، عبادت گاہیں اور ہسپتال وغیرہ کام کر رہے ہیں۔

اس کتاب میں ان تمام تنظیموں کا احاطہ ممکن نہیں جو یہودی غلبہ کے لیے روبہ عمل ہیں۔ ان کے لیے کئی جلدوں پر مشتمل کتاب درکار ہوگی۔ یہاں ہم محض دو تنظیموں کا ذکر کریں گے جنہوں نے عالم اسلام اور دوسرے ممالک میں جال پھیلا رکھا ہے۔ باقی تنظیموں کے مقاصد بھی قریباً وہی ہیں جو بیان کیے گئے ہیں یا کیے جا رہے ہیں۔

ترکی میں جب خلافت عثمانیہ قائم تھی تو غیر مسلم خصوصاً مغربی دنیا اور یہودی اسے اپنے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ اس خلافت کو ختم کرنے کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کر رہے تھے اور آخرکار انہیں اس میں کامیابی حاصل ہوگئی جو ان کی بہت بڑی فتح تھی۔ خلافت اسلامیہ کے ہی دور میں یہودیوں نے انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ واضح رہے ترکی میں یہودیوں کی خاص تعداد آباد ہے جہاں ان کے مراکز ہی نہیں، اسرائیل کو باقاعدہ طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ فری میسن کی ہی ایک شاخ تھی جس کو فری میسن کے اعلیٰ اور مقامی عہدیدار کنٹرول کرتے تھے۔ تنظیم کے اجلاس اور اجتماعات بھی فری میسن لاجز میں ہوتے تھے۔ یہ تنظیم ابھی تک موجود ہے۔ اس کا بنیادی ڈھانچہ اور کردار بھی تبدیل نہیں ہوا۔ اس تنظیم کا شکار یا نشانہ سادہ لوح قسم کے ترک نوجوان تھے جن کو اردگرد کے حالات کے علاوہ عالمی و علاقائی معاملات کی کوئی خبر نہ ہوئی تھی۔ اتحاد و ترقی کے نام پر اس تنظیم کی ذمہ داری ان نوجوانوں کے ذہنوں میں عربوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا اور انہیں ہوا دینا تھا۔ اس مقصد کے لیے بہت سے گر آزمائے گئے کہ ان نوجوانوں کو کس طرح قابو میں رکھ کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ انہوں نے ترغیب و تحریص کے علاوہ ایسے نعرے بھی ایجاد کر لیے جو ان کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے کارآمد ہو سکتے تھے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے اس طرح تباہ کن ثابت ہوا کہ ترکی میں عربوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ ایسی

صورت حال یقیناً ایران میں بھی پیدا کی گئی ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایران عربوں کو اپنا بہت بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ شاہ ایران کے جانے کے بعد بھی اس نفرت میں کمی نہیں آئی۔

نفرت کی اسی آگ نے ترکی میں کام دکھایا اور تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ وہاں خلافت کے خاتمہ کے لیے اس تنظیم کے ذریعے فضا ہموار کی گئی اور آخر کار خلافت اسلامیہ کا سورج غروب ہو گیا جو پورے عالم اسلام کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا۔ سانحہ ہی نہیں ایک طرح سے عالم اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپا گیا تھا۔ خلافت کے خاتمہ کے بعد یہودیوں کی سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں اور آخر اس کے 26 برس بعد یعنی 1948ء میں وہ فلسطین کی سرزمین کے ایک حصے پر اسرائیل قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ مسلمانوں نے یہودیوں اور ان کے پشت پناہوں کی شدید مزاحمت کی مگر انہیں بے بسی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اسرائیل نے اس کے بعد مزید پر پھیلائے اور 1967ء اور 1971ء کی جنگوں میں مزید فلسطینی اور عرب علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

اپنی راہ میں مزاحم ہونے والے مسلم تنظیموں اور مسلم حکومتوں خصوصاً اردگرد کی عرب حکومتوں اور اقوام کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے سازشیں کی ہی نہیں کی جا بھی رہی ہیں۔ اس کی یہ سازشیں بڑی حد تک رنگ لے آئی ہیں۔ مسلمان ممالک کے خلاف سرگرمیوں میں یہود کو عیسائی دنیا کی مکمل حمایت و اعانت حاصل ہے کیونکہ عیسائی صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں بدترین شکست کو فراموش نہیں کر پائے۔ اس شکست کے بدلے کا زہر ان کے دلوں اور ذہنوں میں بدستور موجود ہے اسی لیے وہ عالم اسلام کے خلاف ہر کارروائی میں یہودیوں کے ساتھ ہیں۔ باری تعالیٰ نے تو ہمیں خبردار کر دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے مگر ہم ہی عقل کے اندھے ہیں کہ اس فرمان الٰہی کی مخالف سمت میں چل کر ذلت و رسوائی اور بدترین انجام سے دوچار ہو رہے ہیں۔ مصر اس سلسلے میں پیش پیش تھا چنانچہ شاہ فاروق سے آج تک وہاں کے حکمرانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس جمال عبدالناصر کو مصری عوام اپنا نجات دہندہ قرار دیتے تھے وہ بھی یہودیوں اور امریکہ کا آلہ کار تھا۔ اس کی امریکہ دشمنی ظاہری سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں

رکھتی تھی۔ آخر کار وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ مذکورہ صورتحال میں کچھ حقیقت موجود ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اس سے اپنی مرضی کا مطلب حاصل کر چکے ہوں اور اب وہ ان کے لیے بیکار کی شے بن گیا ہو۔ اسی لیے اسے راستے سے ہٹا دیا گیا۔

اصل سوال یہ ہے کہ یہ تنظیم بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کے لیے ہم نومبر 1966ء کے اردو ڈائجسٹ میں مولانا ظفر احمد انصاری کے طویل انٹرویو سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ الطاف حسن قریشی کو انٹرویو دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ یہودیوں کے عالمی غلبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ عالم اسلام ہے۔ یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کہ امریکہ اور روس یہودیوں کے غلام ہیں۔ بھارت بھی اسرائیل کے در پر ماتھا رگڑ رہا ہے۔ بس ایک اسلام کی قوت ایسی ہے جو پیہم ضربیں کھانے کے باوجود اسرائیل کے وجود سے اپنا ذہن ہم آہنگ نہیں کرسکی۔ تمام یہودیت نواز قوتیں مسلمانوں کے درپے ہیں۔ یہودی اکابرین جانتے ہیں کہ جس روز خدانخواستہ اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اسی دن پوری دنیا میں ان کی سیادت کا سکہ جاری ہو جائے گا۔

مسلمانوں اور یہودیوں کی کشمکش یوں تو بہت پرانی ہے لیکن اس کا آغاز نئے انداز سے انیسویں صدی کے آخر سے ہوا۔ غالباً 1897ء میں جب یہودی اکابرین خفیہ طور پر جمع ہوئے، تب انہوں نے طے کیا کہ ان کے عزائم کی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ عالم اسلام کی مرکزیت ہے۔ اس لیے سب سے پہلے روس میں انقلاب برپا کر کے اس پر قبضہ کرلیا جائے اور پھر خلافت پر ضرب کاری لگائی جائے۔ اسی طے شدہ پروگرام کے تحت (ترکی کے) سلطان عبدالحمید کی خدمت میں ایک عیارانہ درخواست پیش کی گئی جس میں لکھا تھا ''ہمیں فلسطین میں ایک خطہ زمین دے دیا جائے اور ہم اس کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ زیرک سلطان نے یہودیوں کے عزائم بھانپ لیے اور ان کی درخواست مسترد کردی۔ اس پر انہوں نے سلطان کے خلاف ملک کے اندر اور ملک کے باہر سے زہریلے پراپیگنڈا کی مہم شروع کردی۔ مقصد وہی تھا کہ خلافت پارہ پارہ ہو جائے۔ یورپ کی عیسائی حکومتیں پہلے ہی

خار کھائے بیٹھی تھیں۔ ان کی فوجی قوت اور یہودیوں کی خفیہ سازشیں، دونوں کے گٹھ جوڑ نے مسلمانوں کی مرکزیت بظاہر ہمیشہ کے لیے ختم کر دی۔

تو یہ وجہ تھی ترکی میں انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے تنظیم قائم کرنے کی۔ ظاہر ہے سازشوں کے سلسلے میں یہ واحد حربہ نہیں تھا لیکن اس کی وجہ سے خلافت کے خاتمے کی سازش کو بہت تقویت ملی۔ آخر کار مغربی ممالک اور یہودیوں کی یہ مشترکہ کوششیں رنگ لائیں اور ترکی میں خلافت کا وجود باقی نہ رہا۔

اسی انٹرویو میں مولانا بتاتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں یہودیت نے کیتھولک چرچ سے معاہدہ کر لیا ہے۔ اب یہ دونوں قوتیں اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ یہودیوں نے ماضی کے تجربات سے یہ سبق سیکھ لیا ہے کہ وہ تنہا مسلمانوں کے خلاف موثر کام نہیں کر سکتے۔ ادھر دنیائے مسیحیت مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کے لیے کسی موثر طاقت کی تلاش میں تھی۔ چنانچہ دونوں نے گٹھ جوڑ کر کے عالم اسلام کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے آس پاس عرب سلطنتیں پھیلی ہوئی ہیں اس لیے پہلا ہدف یہی سلطنتیں بنیں۔ یہ متحدہ عفریت عرب اتحاد پر کاری ضرب لگانا چاہتا تھا۔ مصر میں شاہ فاروق سنگ راہ بنا ہوا تھا جو مصر اور سوڈان کے اتحاد کا بہت بڑا حامی تھا۔ انگریزوں نے اسے رام کرنے اور ڈرانے دھمکانے کے تمام حربے استعمال کیے لیکن اس نے اپنی رائے نہیں بدلی۔ اس مسئلے پر انگریزوں اور شاہ فاروق کے درمیان گفت و شنید منقطع ہو گئی۔ یہ 1951ء کا وسط تھا۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اسی وقت شاہ فاروق کو ہٹانے کا فیصلہ کر لیا اور ''موزوں'' آدمی کی تلاش شروع ہونے لگی۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے یعنی مصر میں کوئی ایسا شخص برسر اقتدار لایا جائے جو ایک طرف مصر اور سوڈان کو متحد نہ ہونے دے اور دوسری طرف اخوان کی تحریک کچل ڈالے۔ ان کی نظر انتخاب جمال ناصر پر پڑی۔ اس کے لیے راستہ ہموار کیا گیا اور بالآخر 1952ء میں شاہ فاروق کو تخت و تاج سے محروم کر دیا گیا۔ جمال ناصر نے برسر اقتدار آنے کے بعد ان مقاصد کے لیے کام شروع کر دیا جو اسے پہلے سے بتا دیئے گئے تھے۔ اس نے سوڈان کو مصر سے متحد

نہیں ہونے دیا۔ اخوان کے پچاس ہزار افراد شہید کیے اور عرب ممالک کی پیٹھ میں ایک ایسا زہر آلود خنجر گھونپ دیا جس کا زخم خدا جانے کبھی مندمل ہوگا بھی یا نہیں۔

اس باب کی ابتدا میں ایک تنظیم جیوش الائنس اسرائیلائٹ یونیورسلے کا ذکر کیا گیا ہے جو فرانس کے ایک یہودی مدبر ایڈولف کریماکس نے 1860ء میں پیرس میں قائم کی۔ ایڈولف فرانس کی بااثر شخصیات میں شامل تھا اور ملک کے صدر کے عہدے پر بھی رہا۔ اسے پہلی باقاعدہ اور جدید یہودی تنظیم قرار دیا گیا جس کے ارکان کی تعداد اڑھائی لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ اس کے جو مقاصد ظاہر کیے گئے وہ یہودیوں کے انسانی حقوق کا تحفظ تھا۔ اسی مقصد کی آڑ میں کئی ایک ملکوں سے یہودیوں کے لیے مراعات حاصل کی گئیں۔ اس وقت یہ تنظیم دنیا بھر میں کام کر رہی ہے۔ یہودی بچوں کو اپنے مقاصد کے حوالے سے پروان چڑھانے کے لیے تنظیم نے پوری دنیا میں سکول قائم کیے۔ یہ سکول ایران، ترکی، مراکش اور الجزائر جیسے اسلامی ممالک میں بھی قائم ہوئے۔ ان میں غیر یہودی بچوں کو بھی جگہ دی جاتی تھی تاکہ انہیں اپنے رنگ میں رنگا جا سکے۔ یہ سکول انیسویں اور بیسویں صدی میں بحیرہ روم کے علاقے میں قائم کیے گئے جہاں طالب علموں کو فرانسیسی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے تاکہ مشرق وسطیٰ میں یہودی بچے فرانسیسی زبان سے آگاہ ہو کر مزید آگے جا سکیں۔ اس قسم کا پہلا سکول 1862ء میں مراکش میں قائم کیا گیا جس کے ابتدائی طالب علم یہودی تھے۔ سکول بنانے والی تنظیم بھی یہودیوں پر مشتمل تھی تاہم انجمن اتحاد و ترقی کی طرح اسے بھی عیسائیوں کی حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔

تنظیم کا بنیادی مقصد یہودیوں کو بالادست بنانا ہے۔ یہودی بچوں کی تربیت انہی خطوط پر کی جاتی ہے۔ 1860ء میں تنظیم قائم کی گئی تو یہ ان ممالک میں یہودیوں کے دفاع کے لیے سرگرم ہو جاتی جن میں اس کے بقول ان پر ظلم روا رکھا جا رہا ہے۔ ان سرگرمیوں میں وہاں کی ''ظالم'' حکومتوں کا خاتمہ اور دوست حکومتوں کا قیام بھی شامل تھا۔ 1978ء میں برلن کانگرس سے قبل تنظیم کے نمائندوں نے جزیرہ نما بلقان میں یہودیوں کے لیے ترجیحات کا اعلان کیا۔

اسی کی روشنی میں معاہدہ برلن ہوا۔ اس معاہدہ کے تحت رومانیہ، سربیا اور بلغاریہ نے یہودیوں کے ساتھ امتیازی سلوک ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس برس کی ابتدا میں فرانس، اٹلی، بیلجئم اور ہالینڈ نے سوئٹزرلینڈ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ یہودیوں کو مکمل شہری اور سیاسی حقوق دیئے جائیں گے۔ اسرائیل اور دوسرے ممالک میں تنظیم کے تحت سو سے زیادہ سکول قائم ہیں۔ شمالی افریقہ، ایران اور ترکی میں ساٹھ سکول ہیں۔ ان سکولوں میں تدریس کے لیے اساتذہ کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے جس کے لیے ترکی اور فرانس میں سکول بنائے گئے ہیں۔ تنظیم کے سکولوں میں لڑکوں ہی نہیں لڑکیوں کو بھی برابر کے مواقع میسر ہیں تاکہ انہیں بھی اپنے ڈھب کے مطابق تعلیم دی جاسکے۔ شمالی افریقہ کی لڑکیوں پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے تاکہ وہاں اثر ونفوذ بڑھایا جاسکے۔

تنظیم میں عالمی سطح کی کئی ایک بااثر اور ممتاز شخصیات شامل رہی ہیں اور شامل ہیں۔ اگر فرانس کو ہی دیکھا جائے تو انیسویں صدی سے موجودہ صدی تک اس کے صدور میں سے لوئس جین کوئنگ وارٹر، ایڈولف سرامکس، سالومن منک، سالومن ہیوم گولڈسمتھ، نارسے لیون، آرنلڈ نیئر، جارج لیون، رینے کاسن، جوئس برانشوگ، ایڈولف سٹگ اور مارک آئنزبرگ اس کے ارکان میں شامل تھے۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ یہ تنظیم کس قدر موثر انداز میں کام کررہی ہوگی۔

○

سو سالہ معاہدہ

ترکی کا ذکر آئے...... وہاں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا ذکر آئے مگر 1923ء اور 2023ء کا ذکر نہ آئے...... یہ ممکن نہیں۔

1923ء وہ سال ہے جب پہلی جنگ عظیم کی فاتح قوتوں نے ترکی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے تحت وسیع و عریض ترکی کی سرحدوں کو بہت مختصر کر دیا گیا۔ آج کا ترکی انہی محدود سرحدوں کے ساتھ دنیا کے نقشے پر موجود ہے جبکہ اس سے قبل یہ ملک اور خلافت عثمانیہ وسیع تر علاقے پر مشتمل تھی جس میں عراق، شام، مصر اور سوڈان کے علاوہ حجاز کے کئی ایک علاقے بھی شامل تھے۔ مدینہ بھی انہی علاقوں میں تھا جو خلافت عثمانیہ کے زیر نگین تھے۔ آج بھی مدینہ کا سفر کرنے والوں کو ترکی دور کی بہت سی یادگاریں ملیں گی۔ اس دور کا ریلوے سٹیشن بھی شہر نبیؐ میں موجود ہے اور ترکی ریلوے سٹیشن ہی کہلاتا ہے۔ قدیم مسجد نبویؐ کے تو ہر مقام سے ترکی کا رنگ ملے گا۔ قدیم سے مراد وہ مسجد نبوی ہے جو ربع صدی قبل کی وسیع و عریض توسیع سے پہلے موجود تھی۔

اور 2023ء...... ! یہ معاہدہ چونکہ ایک سو سال کے لیے موثر ہے لہٰذا 2023ء اس کے خاتمے کا سال ہے۔ اس سال اور اس کے بعد کے برسوں میں ترکی اپنے کھوئے ہوئے حقوق حاصل کرنے کے لیے کیا اقدامات کرتا ہے......؟ یہ دیکھنا ابھی باقی ہے مگر اس کے لیے بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ آج 2021ء ہے۔ اس وقت کے ترک حکمران جناب طیب اردوان واضح الفاظ میں اعلان کر رہے ہیں کہ 2023ء

کے بعد ایک نیا ترکی سامنے آئے گا جو تیل پیدا کرنے والا اور تیل برآمد کرنے والا ملک بھی ہوگا جبکہ 1923ء کے معاہدے کے تحت اس کے لیے تیل کی پیداوار کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

یہ معاہدہ ہوا تو خلافت ختم ہو چکی تھی اور اس کے روح رواں مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں قومی آزادی کی جدوجہد جاری تھی۔ ہم اس معاملے کی طرف نہیں جا رہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کا اقدام درست تھا یا نہیں۔ فی الحال اس معاہدے کا ذکر کیا جا رہا ہے جو سوئٹزر لینڈ میں ہوا اور ٹریٹی آف لوسان (TREATY OT LAUSANNE) کہلایا۔ اس معاہدے پر 24 جولائی 1923ء کو لوسان میں رومائین پیلس میں دستخط ہوئے۔ معاہدے کے تحت اس ''تنازعہ'' کو طے کیا گیا جو خلافت عثمانیہ اور پہلی جنگ عظیم کے فاتح ممالک کے درمیان موجود تھا۔ ان میں فرانس، برطانیہ، اٹلی، یونان اور رومانیہ کے علاوہ جاپان بھی شامل تھا۔ یہ دوسرا معاہدہ تھا۔ اس سے پہلے 1920ء میں بھی ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں یونان کے سوا مذکورہ فریقین نے دستخط کیے تھے تاہم مصطفیٰ کمال کی قیادت میں ٹرکش نیشنل موومنٹ نے اسے مسترد کر دیا تھا جو اس کی شرائط اور اس کے تحت وسیع ترک علاقہ کھو جانے کے خلاف جدوجہد کر رہی تھی مگر 1923ء کے معاہدے کے تحت یہ تنازعہ ختم ہو گیا۔ ترکی کو کئی ایک علاقوں سے محروم کرنے کے بعد اس کی سرحدوں کا تعین کر دیا گیا۔ اور وہ سیکولر مملکت قرار پائی۔ اسی معاہدے کے تحت ترکی خلافت عثمانیہ کے دعوؤں سے دستبردار ہو گیا جبکہ اتحادیوں نے نئی سرحدوں کے اندر اس کی خودمختاری کو تسلیم کر لیا۔

ترکی نے 23 اگست 1923ء یونان نے اس سے دو دن بعد یعنی 25 اگست، اٹلی نے 12 مارچ 1924ء، جاپان نے 15 مئی 1924ء جبکہ برطانیہ نے 16 جولائی 1924ء کو اس کی توثیق کی۔ توثیق کی تمام دستاویزات پیرس پہنچنے کے بعد 6 اگست 1924ء کو اسے باقاعدہ نافذ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے 1920ء کے معاہدے پر خلافت عثمانیہ کی طرف سے دستخط کیے گئے تھے مگر خلافت کو ختم کرنے والی نیشنل موومنٹ کی حکومت اسے مسترد کر چکی تھی۔

1923ء کے معاہدے کے لیے سوئٹزر لینڈ میں ہونے والے مذاکرات کئی ماہ پر محیط تھے

جن میں ترکی کی نمائندگی عصمت انونو نے کی جو طویل عرصہ تک حکمران جماعت کے سربراہ اور ملک کے وزیراعظم رہے۔ دوسری جانب اتحادیوں کی طرف سے برطانوی وزیر خارجہ لارڈ کرزن نے نمائندگی کی۔ لارڈ کرزن ہندوستان میں برطانوی وائسرائے بھی رہ چکے تھے۔ یونان نے بھی مذاکرات کے لیے اپنا نمائندہ بھیجا۔ ان مذاکرات یا امن کانفرنس کا آغاز 20 نومبر 1922ء میں ہوا۔ 9 فروری 1923ء کو ترکی کے احتجاج پر ان میں تعطل آ گیا تاہم 23 اپریل کو تعطل ختم ہوا۔ کافی لے دے کے بعد 24 جولائی کو سمجھوتے پر دستخط ہو گئے۔ اس سے پہلے یہ مذاکرات آٹھ ماہ تک جاری رہے تھے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ اتحادیوں کے وفد میں امریکی ایڈمرل مارک ابل برسٹل بھی شامل تھے جو اس وقت امریکی ہائی کمشنر تھے۔

143 آرٹیکلز پر مشتمل اس سمجھوتے کے تحت آبنائے ترکی میں تجارت کا کنونشن طے ہوا۔ ترکی میں یونانی آرتھوڈوکس عیسائیوں اور یونان میں موجودہ ترکوں کے تحفظ کی شرائط بھی طے کی گئیں حالانکہ یہ آبادی اس سے پہلے ہی اپنے متعلقہ ممالک میں منتقل ہو چکی تھی۔ ترکی سے دو لاکھ ستر ہزار عیسائی یونان جبکہ یونان سے ایک لاکھ 29 ہزار ایک سو مسلمان ترکی گئے اور یہ تبادلہ بھی 1923ء میں ہی ہوا تھا۔ دو جزائر کے لیے خصوصی انتظامی تنظیم قائم کی گئی۔ ترکی قبرص سے دستبردار ہو گیا جو 1878ء کی برلن کانگرس کے بعد برطانیہ کو لیز پر دے گیا تھا مگر پہلی جنگ عظیم تک عملی طور پر وہ خلافت عثمانیہ کے ماتحت ہی رہا۔ مصر اور سوڈان کے ساتھ بھی ایسی ہی صورتحال پیش آئی۔ ان ممالک پر برطانوی تسلط تسلیم کر لیا گیا جس نے 1914ء میں یکطرفہ طور پر ان کا انضمام کر لیا تھا۔ صوبہ موصل کے مستقبل کا فیصلہ لیگ آف نیشنز پر چھوڑ دیا گیا۔ موجودہ اقوام متحدہ سے پہلے یہ لیگ عالمی ادارے کے طور پر کام کر رہی تھی مگر اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اٹلی نے ڈوڈی کا یہ جزیرہ ترکی کو دے دیا کیونکہ 1912ء کے معاہدے کے تحت وہ اس کا پابند تھا۔

برلن کانگرس میں دریائے ڈینوب کے جزیرہ اداکیل کو فراموش کر دیا گیا تھا جو عملی طور پر خلیفہ عبدالحمید ثانی کی نجی ملکیت میں رہا تاہم رومانیہ نے 1920ء میں یکطرفہ طور پر اس کی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ 1970ء ہائیڈرو الیکٹرک پلانٹ کی تعمیر کے دوران اس جزیرے کا

وجود باقی نہ رہا لہذا خلیفہ کا کوئی وارث اب اس پر کئی قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

معاہدے کے تحت یونان، بلغاریہ اور ترکی کی سرحدوں کا تعین کر دیا گیا۔ جس کے بعد جزیرہ ڈوڈی کانز، قبرص، مصر، سوڈان،، شام اور عراق پر اس کا دعویٰ ختم ہو گیا۔ عراق اور شام کی سرحدوں کے تعین کے لیے معاہدہ انقرہ روبہ عمل لایا گیا۔ 30 اکتوبر 1918ء کے مدارس معاہدہ میں شام اور عراق کے جنوب جبکہ جزیرہ نما عرب کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور یہ ترکی کی عملداری میں ہی تھے مگر لوسان سمجھوتے کے تحت وہ سرکاری طور پر ان سے بھی دستبردار ہو گیا۔ ان میں یمن، مصر اور مدینہ سمیت حجاز کے کچھ علاقے شامل تھے۔ یہ 23 مئی 1919ء تک ترک فوج کے قبضے میں تھے۔

ترکی لیبیا کے بارے میں استحقاق سے بھی دستبردار ہو گیا جن کا 1912ء کے معاہدہ اوچے میں ذکر تھا۔ معاہدہ لوسان کے حوالے سے کئی دوسرے معاہدے بھی ہوئے۔ ترکی نے رعایتوں کے حوالے سے امریکہ کے ساتھ ایک علیحدہ سمجھوتہ کیا مگر امریکی سینٹ نے اس کی توثیق نہیں کی تو ترکی نے رعایتوں کو منسوخ کر دیا۔

ہیٹی صوبہ فرانس کے زیر قبضہ شام کے ساتھ ہی رہا لیکن 1938ء میں صوبے نے آزادی حاصل کر لی اور خود مختار ملک بن گیا۔ معاہدے کے تحت ڈیڑھ سو ناپسندیدہ افراد کو بھی معافی دے دی گئی۔ ان میں سے زیادہ تر خلافت عثمانیہ کے باغی تھے۔ انہوں نے آہستہ آہستہ باقاعدہ طور پر ترکی کی شہریت حاصل کر لی۔ ان میں سے آخری شخص کو 1974ء میں شہریت ملی۔

اسی معاہدہ کے تحت ترکی کو ایک اور اہم حق سے محروم کر دیا گیا۔ اس کے لیے آبنائے فارس کے علاقے میں تیل کی تلاش کی ممانعت کر دی گئی۔ یہی نہیں اسے بحیرہ ابیض اور بحیرہ مرمرہ سے گزرنے والے جہازوں سے محصول وصول کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ ترکی میں خلافت ہی ختم نہیں کی گئی، وہاں خلافت کے تحت قائم اسلامی نظام کو سمیٹ کر اسے سیکولر بنا دیا گیا اور کہا گیا کہ مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اسے جدید ملک بنایا گیا ہے۔ خلیفہ اس کے ساتھیوں اور اہل خانہ کو نہ صرف جلاوطن کر دیا گیا بلکہ ان کے اثاثے بھی ضبط کر لیے گئے۔

ترکی نے اس امر کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ بالادست قوتوں نے اسے انتہائی من مانی

شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کیا جو انتہائی تکلیف دہ اور غیر منصفانہ تھیں اور انہی کے تحت وسیع علاقے سے محروم کرتے ہوئے اس کی سرحدوں کو انتہائی محدود کر دیا گیا۔

وہ زمانہ اب انتہائی قریب ہے جب سو سالہ معاہدے کی مدت پوری ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تناؤ کی صورتحال کا اس معاملے سے گہرا تعلق ہے۔

خلافت کے دوران مغرب نے ترکی کو مرد بیمار قرار دے دیا تھا اور مصطفیٰ کمال کی قیادت میں جدید ملک کی داغ بیل دراصل مغرب کی آشیر باد سے ہی تھی۔ اس میں مغرب ہی نہیں یہودی ذہن بھی کارفرما تھا جس نے عثمانی خلافت کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا۔ جوں جوں لوسان معاہدے کے خاتمے کی مدت قریب آ رہی ہے، ترک قیادت کے خلاف یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ نت نئی سازشوں میں مصروف ہے کہا جا رہا ہے کہ موصل اور الرقاء کی لڑائی کے علاوہ طیب اردوان کے خلاف 2016ء کے وسط میں ہونے والی فوجی بغاوت کا تعلق بھی انہی سازشوں کے ساتھ ہے۔ اس حوالے سے ترک رہنما نے شدید ترین ردعمل کا اظہار کیا جس کی بظاہر کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی تھی مگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترک قیادت نے اصل معاملے کو بھانپ کر ہی یہ سب کچھ کیا۔

طیب اردوان کھلے عام اس معاہدے کا ذکر کرنے لگے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سو سال پورے ہونے پر وہ اس معاہدے کے اثرات سے نجات حاصل کریں گے اور اپنے حقوق حاصل کر کے رہیں گے۔ ترکی نے 2023ء کے بعد تیل نکالنے اور بحری جہازوں سے محصول وصول کرنے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو آنے والے دنوں میں یہ علاقہ شدید کشیدہ صورتحال سے دوچار ہوگا۔ فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں کچھ ہونے والا ہے۔ اس کا انحصار معاہدے کے خاتمے کے بعد ترکی کے اقدامات اور مغرب کے ردعمل پر ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ مغرب کسی اچھے ردعمل کا مظاہرہ کرے گا کیونکہ اس کی پشت پر یہودی ذہن موجود ہے جس نے مسلمانوں کی مرکزیت کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جس کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

○

حصہ ششم

دنیا پر قبضے کا خواب

تسخیر عالم کا منصوبہ

یہودی بڑوں کی طرف سے پوری دنیا پر غالب آنے اور قبضہ کرنے کے منصوبے کا انکشاف ہوا تو پوری دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ یہ منصوبہ 1860ء میں بنایا گیا تھا جس کا انکشاف سب سے پہلے انیسویں صدی کے آخری برسوں میں ہوا۔ معاملہ اس طرح منظر عام پر آیا کہ روس میں ایک یہودی جیکب بریف مین نے مذہب تبدیل کرلیا۔ وہ اس منصوبے سے آگاہ تھا تبدیلی مذہب کے بعد اس نے یہ خطرناک منصوبہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ 1905ء میں اس کا جو ایڈیشن منظر عام پر آیا وہ 417 صفحات پر مشتمل تھا۔ 1919ء میں انگریزی ترجمہ ہوا۔ بعد میں اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر ہوئی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں روسی حکمران ''زار'' نے اسے بڑے پیمانے پر تقسیم کرایا۔ صدی کے اختتام پر اسے ایک پمفلٹ کی شکل میں عوام تک پہنچا دیا گیا تھا۔

پمفلٹ میں یہودی بڑوں کی ان خفیہ ملاقاتوں کا ذکر تھا جن میں یہ منصوبہ تیا کیا گیا منصوبے کو ''پروٹوکولز'' کا نام دیا گیا۔ فورڈ موٹر کمپنی کے مالک ہنری فورڈ نے 1920ء میں پورے امریکہ میں اس کی پانچ لاکھ کاپیاں لوگوں تک پہنچائیں۔

یہودیوں کو دیکھا جائے تو وہ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور سفید جھوٹ قرار دیتے ہیں لیکن یہ ایسا ''جھوٹ'' ہے جسے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی کوئی جھوٹ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے انکشاف پر پورے یورپ میں تہلکہ مچ گیا تھا جبکہ روس میں زار کی حکومت نے بھی اس کا سنجیدگی سے نوٹس لیا کیونکہ اس سے پہلے ایک زار روس الیگزینڈر ثانی کو قتل کر دیا گیا تھا اور سارے ثبوت یہودیوں کی طرف جاتے تھے۔ زار الیگزینڈر

کے بعد نکولس دوم نے تخت سنبھالا تو اس کے پیش رو کے قتل کا معاملہ اس کے سامنے تھا۔ اس وقت تک یہودیوں کے پروٹوکولز بھی منظر عام پر آ چکے تھے اور پورا یورپ ان سے آگاہ ہو چکا تھا۔ نکولس نے ان پروٹوکولز کی نقل منگوائی تو یہودیوں کا ماتھا ٹھنکا۔ انہیں علم ہو گیا تھا کہ سارے حقائق ان کے خلاف جاتے ہیں۔ یہ معاملہ اپنے انجام کو پہنچا تو وہ سب مارے جائیں گے لہٰذا انہوں نے یہ قصہ ہی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے ایک سازش تیار کی اور نکولس کو اس کے پورے خاندان سمیت ہلاک کر دیا۔ یہ سازش اس طرح سے تیار کی گئی تھی کہ کسی کو ان پر الزام لگانے کا موقع نہ مل سکے کیونکہ قاتلوں کے ہاتھوں کا کسی کو علم نہیں تھا اور نہ کبھی علم ہو سکا۔

اس کے بعد یہودیوں نے اپنے منصوبے پر علمدرآمد بڑی تیزی کے ساتھ شروع کر دیا۔ یہ منصوبہ پروٹوکولز کی شکل میں موجود تھا۔ یہودی سازش کا سب سے پہلے انکشاف کرنے والا جیکب بریف مین 1858 میں آرتھوڈاکس سیمناری میں استاد بنا تھا۔ اس نے دلائل سے ثابت کیا کہ منصوبے پر کس طرح سے عمل ہو رہا ہے اور یہودی روسی حکام کی حکم عدولی کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کی اپنی عدالت اور خفیہ جماعت ہے جو ''کہل'' کے نام سے کام کر رہی ہے۔ اس زمانے میں ردکہل کے نام سے بھی ایک کتاب شائع ہوئی جبکہ خلافت عثمانیہ میں ایک شخص عثمان بے نے بھی پوری دنیا کو فتح کرنے کے صیہونی یا یہودی منصوبے کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی۔ کتاب میں عثمان بے نے منصوبوں کا کافی تفصیل سے ذکر کیا اور بہت سے حقائق بھی بیان کیے تھے۔

اگلے ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ یہ پروٹوکولز ہیں کیا اور ان کے ذریعے یہود کس طرح عالمی غلبہ حاصل کرنے کی پلاننگ کر رہے ہیں۔ یہاں دیکھتے ہیں کہ انگریزی کے اس لفظ PROTOCOL کا مطلب کیا ہے۔ آپ کوئی بھی لغت یعنی ڈکشنری اٹھالیں تو اس میں آپ کو لکھا نظر آئے گا کہ مہمانداری کے آداب اور رسوم کے علاوہ سیاسی تحریر کا اصل مسودہ بھی پروٹوکول کہلاتا ہے۔ انہیں پروٹوکولز کا نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ یہ یہودیوں کی اہم ترین سیاسی تحریر تھی جس پر گزشتہ دو صدیوں سے عمل ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ ابھی تک یہودی

رکاوٹوں کے باوجود اپنے اس منصوبے کی تکمیل کے سلسلے میں کافی کامیاب جارہے ہیں اور اس میں موجود بہت سے امور کے بارے میں وہ غلبہ حاصل کر چکے ہیں۔ مزید غلبہ کے حصول کے لیے دنیا بھر میں سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

بری مین کے انکشافات نے ان کے کان ضرور کھڑے کر دیئے تھے لیکن انہوں نے اپنی کوششوں کو ترک نہیں کیا اور کام جاری رکھا۔ روس میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ دراصل پولینڈ کی تقسیم کے وقت ان کی اکثریت روس کے حصے میں آئی جو مغربی علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ بعد میں روس کی اہم اور نامور شخصیات پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ قریباً سارے ہی یہودی تھے اور یہودی کبھی اپنے قومی مقصد سے نہیں ہٹ سکتا۔ وہ جہاں اور جس حیثیت میں بھی ہوگا اول و آخر یہودیت کا وفادار ہوگا کیونکہ یہودی اس میں اپنی فلاح اور بقا سمجھتے ہیں۔

جہاں تک پروٹوکولز کی تیاری کا تعلق ہے۔ یہ چند روز یا چند ماہ میں مکمل نہیں کر لیے گئے تھے۔ یورپ میں یہودیوں کے ساتھ جس قسم کا سلوک ہو رہا تھا اس کے پیش نظر ان کی اپنی سلامتی کا مسئلہ تھا۔ ان کے بڑے اس حوالے سے کافی فکر مند تھے اس لیے وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں بیٹھے تھے بلکہ مختلف مقامات پر ان کی کئی ایک نشستیں ہوئیں جو کافی عرصہ تک جاری رہیں۔ انہی نشستوں یا اجلاسوں میں پروٹوکولز تیار کیے گئے جو تعداد میں چوبیس ہیں۔ ان اجلاسوں میں شریک ہونے والے یہودی اعلیٰ ترین درجے کے حامل تھے۔ کوئی بھی 33ویں درجے سے کم نہیں تھا۔ اس درجے کے نمائندوں کے حوالے سے فری میسن کے باب میں ذکر آچکا ہے۔ انہوں نے جو کچھ تیار کیا اس پر سب نے اپنے دستخط ثبت کیے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ سب اس سے متفق ہیں اور اس کی تائید کرتے ہیں۔

اب معاملہ یہ ہے کہ دنیا کو منصوبے کی تفصیلات کا کیسے علم ہوا......؟ جبکہ بریف مین نے تو کسی ثبوت کے بغیر اس کا ذکر کیا تھا اور دنیا کو یہودیوں کے خطرناک عزائم سے آگاہ کیا تھا۔ اصل دستاویز کسی کے سامنے نہیں تھی۔ ان سب بڑوں کا تعلق فری میسن سے تھا۔ اس وقت تک

خواتین کے تنظیم میں داخلے پر پابندی نہیں تھی بلکہ انہیں عہدیدار بھی بنایا جاتا تھا۔ اعلیٰ عہدے کی حامل ایک خاتون کے پاس پروٹوکولز کی کاپی موجود تھی جو اس کے گھر سے چوری ہوگئی۔ یہ راز نہیں کھل سکا کہ اس دستاویز کو چوری کرنے والا کون تھا تاہم 1902ء میں دو روسی اخبارات نے اسے شائع کردیا۔ یہ اشاعت کافی تہلکہ خیز تھی۔ اسی واقعہ کے بعد عورتوں کو فری میسن میں عہدوں سے ہی محروم نہیں کردیا گیا، ان کے رکن بننے پر بھی پابندی لگادی گئی جو بعض استثنائی صورتوں کے سوا ابھی تک جاری ہے۔

دستاویز کے انکشاف کے بعد ان سازشوں کا بھی سرا ملنے لگا جو ایک طویل عرصے سے یورپ کے مختلف ممالک میں ہو رہی تھیں اور کافی پریشان کن تھیں۔ 1905ء میں اسے ایک روسی عیسائی پادری پروفیسر فائکس نے کتابی صورت میں شائع کردیا۔ اس کتاب کو کافی پذیرائی ملی اور اگلے برسوں میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ کتاب کی وجہ سے یورپ والوں کو کئی سوالات کے جواب بھی مل گئے جو بہت سے پراسرار واقعات اور حادثات کے سلسلے میں تھے۔ آخرکار یورپ کو علم ہوگیا کہ ان کے پس پردہ یہودیوں کی سازشیں اور یہودیوں کا ہاتھ تھا۔ اسی کتاب کا ایک ایڈیشن کسی طرح سے برٹش میوزیم کے ہاتھ لگ گیا جبکہ امریکہ میں بھی ایک نقل چلی گئی جہاں انگریزی ترجمہ کرکے اسے شائع کیا گیا۔ روس میں قید بھگت کرآنے والے ایک برطانوی صحافی نے برٹش میوزیم میں موجود نسخے کا ترجمہ کیا اور برطانیہ میں بھی یہ پروٹوکولز 1920ء میں انگریزی میں شائع ہوگئے۔ جرمنی میں ہٹلر نے کئی زبانوں میں تراجم کراکے انہیں شائع کیا۔ یورپی حکمرانوں میں یہودیوں کا ہٹلر سے بڑا کوئی دشمن نہیں تھا لیکن یہاں یہودیوں نے اس کے ساتھ ایک کھیل کھیلا۔ پروٹوکولز کے تراجم شائع ہوکر مارکیٹ میں آتے تو فوراً ہی بک جاتے۔ پہلے پہل تو سمجھا گیا کہ انہیں بڑی مقبولیت حاصل ہورہی ہے مگر آخرکار عقدہ یہ کھلا کہ مارکیٹ میں کتابوں کے پہنچتے ہی یہودی انہیں خرید لیتے ہیں جن کو بعد میں ضائع کردیا جاتا۔ اس کے باوجود دنیا ان کے ارادوں اور ان کی سازشوں سے باخبر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ہٹلر کی طرف سے ان کے قتل عام اور بڑی تعداد میں جرمنی سے انخلا کے باوجود ان کی تنظیم میں

دراڑیں نہیں ڈالی جاسکیں اور یہ آج بھی پورے زور وشور کے ساتھ عالمی تسخیر کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ احادیث مبارکہ کے مطابق ایک جنگ میں دو تہائی یہودی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے تاہم ابھی تک ان کی قریباً ہر سازش کامیاب ہو رہی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ ان کی طرف سے تمام عالمی وسائل پر قبضہ ہے۔ متعدد ممالک کی معیشت، ذرائع ابلاغ اور دیگر بہت سے معاملات انہی یہودیوں کے کنٹرول اور تسلط میں ہیں۔

اگلے ابواب میں آپ پروٹوکولز کی تفصیل دیکھیں گے تو آپ کو یقین کرنا پڑے گا کہ انہیں بڑی ذہانت کے ساتھ ہی نہیں سارے معاملات کا باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے کر تیار کیا گیا ہے۔ جب یہ پروٹوکولز تیار کیے گئے تو شاید دنیا کو ان کی حقیقت کے بارے میں کوئی شبہ ہو مگر آج ان کے مخالفوں ہی نہیں حامیوں کو بھی ان کی حقیقت کا پوری طرح ادراک ہے۔ غالباً کیا یقیناً حامی بھی مجبوراً ان کا ساتھ دے رہے ہیں کہ ان کا ہر اہم شعبۂ زندگی ان کے قابو میں ہے۔

اب ہم پروٹوکولز کا جائزہ لیتے ہیں جو تعداد میں چوبیس ہیں۔ ان میں کوئی ایسا امر نہیں چھوڑا گیا جس کو یہ اپنی مطلب براری کے لیے استعمال میں نہ لا رہے ہوں۔ اس بارے میں اخلاقیات وغیرہ ان کے نزدیک کسی مسئلے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ ویسے تو آج کی بعض بڑی اقوام کے نزدیک بھی ان کی اہمیت نہیں تاہم یہودی اس حوالے سے مختلف سوچ اور نظریہ رکھتے ہیں۔ غیر یہودی اقوام کے ہاں سیاسی، معاشرتی، معاشی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں جو نظریات وضع کیے گئے ہیں، یہودی ان کو نہیں مانتے، ظاہرداری میں ان کی مخالفت نہیں کرتے لیکن درپردہ وہ ان کی جڑیں کاٹنے میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ان سب کے برعکس ہر معاملے پر اپنے نظریات وضع کیے ہیں جن کا ایک ہی مقصد ہے اور یہ مقصد تسخیر عالم یا سپر گورنمنٹ کے قیام کے نظریہ کی طرف جاتا ہے۔

چوبیس پروٹوکولز کے بارے میں خاصی تفصیلات موجود ہیں مگر یہاں ہم انہیں اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں تاکہ تفصیل میں جائے بغیر بات قاری کی سمجھ میں آجائے۔

○

یہودی پروٹوکولز

یہودی بڑوں کے مختلف تصورات اور نظریات ان کے زمانہ شناس اور مطلب آشنا ذہن کی پوری طرح عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے سب سے پہلے پروٹوکول میں جن معاملات کو زیر بحث لایا گیا ہے ان میں قوت و اقتدار،، حقوق، سیاسی آزادیوں کا نظریہ، مطلق العنانی کا جبر، عوام کی رہنمائی اور ان کے ذہنوں کو تسخیر کرنے کا حربہ، نئی اخلاقی قدریں، استحکام کی حدود، عوام کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا، عیاشی اور فحاشی کے ذریعے صاحبان اقتدار کو اپنے دام میں پھنسانا، دھوکہ، فریب، غداری اور بے وفائی، جبر اور تشدد کے ذریعے مطلب براری کے علاوہ آزادی، مساوات اور بھائی چارے کا تصور شامل ہے۔

اس پروٹوکول کے مطابق دنیا میں اچھے لوگوں کی نسبت برے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان برے لوگوں پر بحث مباحثہ کے ذریعے حکمرانی نہیں کی جاسکتی اس کے لیے تشدد اور دہشت گردی کا راستہ مناسب ہے۔ انسان ایک درندہ ہے۔ ابتدائی دور معاشرت میں ان درندوں کو تشدد، جبر اور ایسی قوت کے ذریعے ہی قابو میں لایا گیا جو اندھی بھی تھی اور بہری بھی۔ بعد از اں اسی قوت کو قانون کا نام دے دیا گیا لہٰذا قانون فطرت یہی ہے کہ قوت اور طاقت ہی حق ہے۔

سیاسی آزادی محض تصور ہے۔ ہمیں اس تصور کو چارے کے طور پر استعمال کرنا ہے تاکہ عوام کو اپنا ہمنوا بنایا جاسکے اور پھر انہی کی مدد سے مقتدر افراد کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ سیاسی آزادیوں کے حامی حکمرانوں کو زیادہ آسانی سے گرایا جاسکتا ہے۔ ان کو زیر کرنے کے بعد عوام کی اندھی طاقت کو حصول مقصد کے لیے رہنمائی فراہم کی جاسکتی ہے۔ اب ایمان کی حکمرانی

ہے اور نہ عقیدے کی۔ اب مال و دولت اور سونے کو قوت حاصل ہے۔ کسی کو محدود آزادی دینے سے کئی گروہ پیدا ہو جائیں گے جو ایک دوسرے سے ہی لڑتے رہیں گے۔ غالباً آج کے دور میں فلسطین کو اسی پروٹوکول کے تحت محدود آزادی دی گئی ہے جو ایک قسم کی سیلف گورنمنٹ کے طور پر ہے۔

ریاستوں کو داخلی انتشار یا بیرونی دشمن کے ذریعے ہم ہی ختم کرا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس سرمایہ ہوگا تو وہ ہمارا سہارا لینے کے لیے آگے بڑھیں گی ورنہ ختم ہو جائیں گی۔ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور اسی طرح کے ادارے اسی تصور کے تحت قائم کیے گئے ہیں جن پر یہودیوں کا مکمل کنٹرول ہے۔ عوام کے ہجوم کی رہنمائی منطق اور دلیل سے نہیں کی جا سکتی لہٰذا جاہل اور بیوقوف عوام ایسا رویہ بھی اختیار کر لیتے ہیں کہ انتظامیہ میں انتشار اور بدامنی کی جڑیں بو دیتے ہیں۔ سیاست اور اخلاق میں کوئی تال میل نہیں اور نہ اخلاقی قدروں کا حامل انسان اچھا اور کامیاب سیاستدان بن سکتا ہے۔ مضبوط حکمرانی کے لیے مکروفریب، عیاری، چالاکی اور بناوٹی رویہ بہت ضروری ہے۔ سچائی، دیانت، اچھے قومی کردار وغیرہ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جو حکمرانوں کے لیے عیب بن جاتی ہیں اور انہیں ختم کر دیتی ہیں۔

حق یا استحقاق کی بھی کوئی حد نہیں۔ اس کا تعلق طاقت کے ساتھ ہے۔ آج کے حکمرانوں کے مقابلے میں ہماری طاقت ناقابل تسخیر ہوگی۔ انتہائی مکار اور عیار بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ مکمل طاقت کے حصول تک یہ راز میں رہے گی۔ ہم اپنے منصوبے سے ہٹ گئے تو یہ صدیوں کی محنت اور کاوش کو ضائع کر دینے کے مترادف ہوگا۔ عوام میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ تر کے جذبات ہلا گلا کرنے کی طرف مائل رہتے ہیں۔ ان میں کوئی شعور نہیں ہوگا۔ وہ معاملات کو سمجھنے والی آنکھ بھی نہیں رکھتے لہٰذا کوئی بھی انہیں اپنی انگلیوں کے اشارے پر نچا سکتا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والا کوئی بھی شخص ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا کیونکہ عوام اس کی عالمانہ باتوں کو سمجھ ہی نہیں پائیں گے لہٰذا قوم کی قسمت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی جو اس کی تباہی و بربادی کا باعث بن جائیں گے۔

منشیات اور فحاشی کے معاملے میں یہودیوں کا رویہ غیر یہودی اقوام سے مختلف ہے۔ غیر یہودی چونکہ منشیات کے عادی ہیں لہٰذا وہ عقل و خرد سے عاری ہیں۔ ان کی نئی نسلیں ادب، فلسفہ اور اسی طرح کے دوسرے معاملات کی اندھی تقلید کر رہی ہیں جو انتہائی احمقانہ ہے۔ ہم نے اپنے خاص ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں جو غیر یہودی اقوام کی نوجوان نسل کو اس قسم کے امور کی جانب مائل کرتے ہیں۔ یہ ایجنٹ ان کو تعلیم دینے والے ہی نہیں بلکہ ان کے ملازمین وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔ ان اقوام کے دولت مندوں کے ہاں ہماری عورتیں، گھریلو ملازماؤں ہی نہیں استانیوں کی شکل میں بھی ہوتی ہیں جو ان کے بچوں کو تعلیم دیتیں اور ان کی عیاشی کے کام بھی آتی ہیں۔ عیاشی کے اڈوں پر ہماری عورتیں ان کو اپنے دام میں پھنساتی ہیں اور پھر کچھ عورتیں بھی عیاشی کی خاطر مردوں کی تلاش میں ہوتی ہیں انہیں عموماً سوسائٹی لیڈیز کہا جاتا ہے اور یہ فحاشی کے دلدادہ افراد کو اپنے جال میں پھنسا لیتی ہیں۔

سیاست میں مکر و فریب سے کام لے کر لوگوں کو اپنی راہ پر ڈالا جاسکتا ہے اس حربے کو ذہانت سے استعمال کر کے طاقتور سے طاقتور حکمران کو بھی زیر کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں دوسروں کو بیوقوف بنانے میں بھی کوئی عار نہیں۔ دھوکہ، فریب، رشوت، دغا بازی، غداری اور بے وفائی سے بھی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ سپر گورنمنٹ بنانے کے لیے ذرائع اور وسائل کے ساتھ تشدد اور وحشیانہ افعال بھی استعمال ہوسکتے ہیں۔ غیر یہودی اقوام میں سے جو ہمارے راستے میں حائل ہوں انہیں بے رحمی کے ساتھ کچل دیا جائے۔

ہمارے ایجنٹوں نے آزادی، مساوات اور بھائی چارے کا نعرہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا ہے۔ غیر یہود اقوام کے لیے یہ نعرے دیمک کی طرح ہیں جو ہر دور میں ان کی جڑیں کھوکھلی کرتے اور ان میں امن و سکون کا خاتمہ کرتے رہے ہیں اور ہماری کامیابی کی یہی بڑی وجہ ہے۔ غیر یہودی اقوام کی تباہی کے کھنڈرات پر ہم اپنے تعلیم یافتہ طبقے کی بالادستی کا لوہا منوائیں گے۔ اس کے لیے دولت کا استعمال بھی ہو رہا ہے جو ہر طرح سے ہماری پہنچ میں ہے۔ ہم انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ دوسروں سے ہمارے

تعلقات کی بنیاد دولت ہی نہیں حسن و عشق اور انسان کی نا آسودہ ضرورتیں بھی ہیں۔ ہمارا طریقہ کار ان کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔ کیونکہ عیاشی کی خاطر وہ ہمارے ہاتھوں میں کھلونے کی طرح ہوں گے۔ آزادی کے مجرد تصور کے ذریعے بھی ہم ان کے حکمرانوں کو پرانے اور پھٹے ہوئے دستانے ثابت کریں گے۔ ہمیں موقع ملا ہے کہ انہی امکانات کی وجہ سے ہم دوسرے ممالک کے عوام کو اپنے ہاتھ میں لیں اور عہدیداروں کے تقرر کا اختیار حاصل کریں۔

پروٹوکول نمبر 2

اس پروٹوکول کا تعلق جنگوں کے اقتصادی پہلو، ان کی وجہ سے یہودیوں کا غالب آنا، نام نہاد حکومتوں کے قیام، یہودی ماہرین اور مشیروں کے ذریعے حکمرانی، تباہ کن نظریات کا پھیلاؤ اوران کی کامیابی، پریس یعنی میڈیا کے کردار، سونے کے نرخوں اور یہودیوں کی طرف سے دی جانے والی ''قربانیوں'' سے ہے۔

اس میں سب سے پہلے جنگوں کا ذکر ہے اور یہودی بڑوں نے قرار دیا ہے کہ جنگوں کی نوعیت اور ان کے نتائج میں اقتصادی پہلو کو پیش نظر رکھا جائے۔ ایسے نتائج کی صورت میں جنگیں لڑنے والی اقوام اور ممالک کو آخر کار یہودیوں کی امداد اور تعاون کی ضرورت پڑے گی اور یہ فریق یہودیوں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودی ایجنٹوں کا کردار اہم ہوگا کیونکہ یہ ایجنٹ کسی پابندی کے بغیر دنیا بھر میں مصروف عمل ہیں اور ان کی عالمی حالات پر بھی گہری نظر ہے۔ جو قومیں اور ممالک یہودیوں کی امداد و تعاون حاصل کریں گی وہ اصل میں ہماری ہی تابع و فرمان رہیں گی اور ان پر حقیقی حکمرانی ہماری ہی ہوگی۔

جہاں تک یہودی ایجنٹوں کا تعلق ہے تو ضروری نہیں کہ وہ یہودی ہی ہوں بلکہ جن اقوام پر حکمرانی مقصود ہوئی انہی میں سے کچھ افراد کو منتخب کر کے ان سے کام لیا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ ان لوگوں کو اس بارے میں علم بھی ہو۔ ان میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے گا جن کی

اہلیت برائے نام ہوگی۔ اس طرح وہ یہودی مشیروں اور ماہرین کے دست نگر بن کر رہ جائیں گے۔ ان ماہرین کو اوائل عمری سے ہی تیار کیا جائے گا اور وہ آداب حکمرانی سے پوری طرح آگاہ ہوں گے۔ یہ لوگ عالمی حالات سے آگاہ ہی نہیں ہوتے بلکہ جانتے ہیں کہ ہمارے مقاصد اور منصوبے کیا ہیں۔ وہ متعلقہ قوموں کو کھیل تماشوں میں مصروف کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے رہیں گے۔ انہیں نظری بحث مباحثوں میں مصروف رکھنا بھی ان کی ذمہ داری ہوگی۔ ہم اپنے میڈیا کے ذریعے ان سائنسی نظریات پر ان کے یقین کو مستحکم کریں گے جو ہم نے پھیلا رکھے ہیں۔ یہ بڑی محنت اور ذہانت کے ساتھ تیار کیے گئے ہیں۔ ہمارے پھیلائے ہوئے نظریات ہی کی وجہ سے غیر یہودی اقوام انتشار اور نفاق کا شکار ہیں لیکن خیال رکھنا ہوگا کہ ہم سیاسی اور انتظامی غلطیاں نہ کرنے پائیں۔

آج کے دور میں پریس چونکہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے لہٰذا اسی کے ذریعے بے چینی کو فروغ دیا جائے گا۔ آج کا پریس مکمل طور پر یہودیوں کا آلہ کار ہے۔ اسی لیے ہم خود پس منظر میں رہ کر اس سے کام لیتے ہیں۔ اسی طریقہ کار کے ذریعے ہم دنیا بھر میں سونے جیسی دھات پر قابض ہو گئے ہیں لیکن اس کے لیے ہمارے لوگوں کو بے پناہ قربانیاں دینا پڑی ہیں۔ ہم نے آنسو بہائے ہیں اور خون بھی دیا ہے۔ آخر کار فائدے میں ہم ہی رہے۔ اسی پروٹوکول میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ خدا کی نظروں میں ایک یہودی ایک ہزار غیر یہودیوں کے برابر ہے۔

پروٹوکول نمبر 3

یہ پروٹوکول ان طریقوں کی نشاندہی کرتا ہے جن کو اپنا کر یہودی فتح حاصل کر سکتے ہیں اور عالمی حکمرانی کے بارے میں ان کے خوابوں کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اشرافیہ یا طبقہ امراء کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔

اس میں علامتی سانپ کو بہت اہمیت دی گئی ہے کہ ہماری منزل اب زیادہ دور نہیں۔ ہم اپنی قوم کے افراد کو علامتی سانپ سے تشبیہ دیتے ہیں اور ہمارے علامتی سانپ کا حلقہ اب مکمل

ہونے ہی والا ہے۔ یہ حلقہ مکمل ہوتے ہی یورپ کی تمام حکومتیں ہماری مٹھی میں ہوں گی۔جن غیر یہودی اقوام نے اپنے دساتیر کو مضبوط اور مستحکم تصور کرلیا ہے۔ یہ ہمارے ہی مرتب کردہ ہیں۔ہمیں ان میں موجود خامیوں کا علم ہے اور جلد ہی یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہی دساتیر ان ممالک کی جڑوں کو کھوکھلا کردیں گے۔ان حکمرانوں کے اردگرد ان کے درباری مسخرے ہیں۔ان کے ایوانوں میں جنم لینے والی دہشت گردی اور ظلم و ستم ہی ان کی طاقت ہے۔ان کے اور عوام کی اندھی طاقت کے درمیان بہت بڑی خلیج موجود ہے۔"اندھے پن" کی وجہ سے دونوں اپنی اپنی جگہ بیکار ہیں۔

ہم نے اقتدار کی ہوس میں مبتلا افراد کو مسخ کردیا ہے جبکہ ریاست کو بے شمار متنازعہ مسائل کا اکھاڑہ بنادیا گیا ہے۔ ہر جگہ بے چینی اور بے اطمینانی کا دور دورہ ہوگا۔اسمبلیوں یا پارلیمنٹ کے اجلاس محض فضول اور یاوہ گوئی کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔صحافی عوام کو ریاست کے خلاف اکسا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ریاستی ادارے تہہ و بالا ہوکر رہ جائیں گے۔لوگ غربت اور افلاس کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔وہ حکمرانوں سے تو نجات حاصل کرسکتے ہیں۔مگر اپنی ضرورتوں سے نجات حاصل کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔دساتیر میں شامل عوامی حقوق محض خواب اور سراب ہیں۔جمہوری حقوق غیر آدمی کے لیے مذاق سے زیادہ کچھ نہیں۔اسے تو ان حقوق کے استعمال کی فرصت تک نہیں ملتی۔ایسی صورتحال میں ان کے لیے نجات دہندہ کا کردار ادا کرتے ہیں۔انہیں ایسی تنظیموں میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں جو دراصل عسکری ہیں۔ان تنظیموں کو فری میسن کے ذریعے ہر قسم کی مدد فراہم کی جاتی ہے۔ہمارا مقصد ان کو حقوق دلانا نہیں بلکہ ان کو رسوا کرنا ہے جس کے پس پردہ غیر یہودی اقوام کے خاتمے کی سوچ کارفرما ہے اسی طرح ہم اپنی کامیابی کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کرتے جائیں گے۔

غیر یہودیوں کی اب اپنی کوئی سوچ نہیں۔ان کی سوچ اور فکر ہمارے ہی ماہرین اور مشیروں کی مرہون منت ہے۔ہم سماجی اور معاشرتی نظام کا اصل علم ان تک پہنچنے ہی نہیں دیتے۔ہم نے لوگوں کو علم کے فروغ کے لیے طبع شدہ یا پرنٹڈ مواد کی راہ پر ڈال دیا ہے اسی لیے

وہ انسانی حالات اور طبقات کے بارے میں کسی قسم کا ادراک نہیں رکھتے۔ اقتصادی بحران نہ صرف ان طبقوں میں نفرت کو ہوا دے گا بلکہ بحران کی وجہ سے زر کے تبادلہ میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ ایسی صورت میں اپنے خفیہ حربے استعمال کر کے ہم ایک عالمی اقتصادی بحران پیدا کر دیں گے اور پورے یورپ میں محنت کشوں کو سڑکوں پر نکال لائیں گے۔ یہ بپھرے ہوئے لوگ معاشی وسائل پر قابض لوگوں کی املاک پر قبضہ کر لیں گے اور ان کا قتل عام تک کریں گے۔

ہم ناقابل تسخیر بین الاقوامی قوت بن چکے ہیں۔ کوئی ہماری طرف بری آنکھ سے دیکھے گا تو دیگر ممالک ہمارے ساتھ ہوں گے۔ یہ ان ممالک کی ریاکاری ہے کہ وہ کمزور کے سامنے شیر بن جاتے ہیں اور طاقتور کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ وہ طاقتور کے بڑے جرائم کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں بلکہ اس کے ظلم اور جبر کو بھی نیکی ہی سمجھ کر برداشت کر جاتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے آمروں کے مظالم بھی سہہ جاتے ہیں۔

''آزادی'' کا لفظ بھی دھوکہ اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ یہ لفظ عوام کو ہر قسم کی اتھارٹی حتیٰ کہ قانون فطرت کے خلاف بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔ جب ساری دنیا پر ہماری حکومت قائم ہو جائے گی تو ہم اس لفظ کو ڈکشنری سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے کیونکہ یہ عوام کو خون آشام بنا دیتا ہے۔ ان کی یہ پیاس بجھ جاتی ہے تو وہ خوب غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ موقع ہوتا ہے جب ان کو زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے۔ ان پر یہ غفلت بہرصورت اسی وقت طاری ہوتی ہے جب یہ خون سے اپنی پیاس بجھا لیتے ہیں۔

پروٹوکول نمبر 4

یہودی بڑوں نے جمہوریت، تخریب کاری، آزادی وایمان، سٹہ بازی اور جوئے کو بھی موضوع بنایا ہے بلکہ دنیا کے لیے ان کے نظام معیشت میں سٹے بازی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جو اب کل عالم میں جاری ہے۔ وہ کہتے ہیں جمہوری ممالک میں بپا ہونے والی شورشیں

ملک میں فتنہ وفساد بپا کرتی ہیں جس کے نتیجے میں افراتفری اور مطلق العنانی وجود میں آتی ہے لیکن شورش بپا کرنے والی قوتیں خود کسی خفیہ طاقت کے زیر اثر ہوتی ہیں بلکہ یہ کسی خفیہ تنظیم کے آلہ کار ہوتے ہیں۔ یہ خفیہ یا غیر مرئی طاقت بلا شبہ ہماری ہوتی ہے اور کسی میں جرأت اور طاقت نہیں کہ ہماری اس قوت کا مقابلہ کر سکے۔ فری میسن میں غیر یہودی بھی ہیں، اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے ہماری قوت اور ہمارے منصوبے لوگوں کے سامنے نہیں آپاتے۔ اگر کچھ جان بھی پاتے ہیں تو اسے ایک معمہ ہی سمجھتے ہیں۔

ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام مذاہب کی اہمیت کو ختم کردیں۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ان کے ذہنوں سے اللہ تعالیٰ اور روحانیت کے تصور کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے برعکس انہیں حساب کتاب اور مادی ضرورتوں کے چکر میں الجھا دیا جائے تا کہ انہیں کسی اور معاملے پر سوچ بچار اور غور وفکر کے لیے وقت ہی نہ مل سکے۔ وہ زر کے چکر میں اس طرح پھنس جائیں گے کہ ان کی اپنے مشترکہ دشمن کی طرف توجہ ہی نہیں جائے گی۔ سٹے بازی اسی لیے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کمائیں یا حاصل کریں گے آخر کار وہ پھر سٹہ کی مارکیٹ میں پہنچ جائے گا۔ سٹے کا یہ سارا مال آخر کار یہودیوں کا ہی ہوگا۔ معاشی میدان میں جھٹکے کھا کر ایسے طبقے جنم لیں گے جو بے حس، بے رحم اور ضمیر فروش ہوں گے جن کی بنیاد اصولی سیاست، مستحکم سیاسی نظام اور مذہب سے نفرت پر ہوگی، منافع ان کا پیر اور زر ان کا مذہب ہوگا کیونکہ ان کی مادی ضرورتیں، خوشیاں اور راحتیں صرف اسی طرح حاصل ہوسکیں گی۔ آخر کار ان مراعات یافتہ اور طاقتور طبقوں کے خلاف نچلے طبقے بغاوت کردیں گے جن کی بنیادی وجہ ان طبقوں کے ساتھ بغض، عناد اور نفرت ہوگی۔ ان میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور بھی شامل ہوں گے اور وہ یہودیوں کے اشاروں پر چل رہے ہوں گے۔

پروٹوکول نمبر 5

یہ پروٹوکول آمریت اور آمرانہ طرز حکومت سے متعلق ہے۔ اس میں ان طریقوں کا بھی

ذکر ہے جو اقتدار پر قبضے کے لیے صیہونیوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ تنقید اور الفاظ کے گورکھ دھندے کا ذکر ہے۔ رائے عامہ ہموار کرنے کی اہمیت اور برتر حکومت کا تصور دیا گیا ہے۔

یہودیوں نے ایسے قوانین وضع اور نافذ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جو آخر کار ایک کے بعد ایک سب مراعات، آزادیوں اور سہولتوں کو چھین لیں گے۔ تمام محکوموں کو اپنے ہاتھ میں رکھا جائے گا اور ان کی سیاسی سرگرمیوں کو ایک غیر محسوس انداز میں نیا رخ دے دیا جائے گا۔ یہود کی مطلق العنان حکومت اس قدر طاقتور ہوگی کہ وہ غیر یہود قوتوں کو ختم کر سکے گی لیکن یہ ایسی قوتوں کے ساتھ ہوگا جو یہود کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گی۔

یہودیوں کے پھیلائے ہوئے تصورات کی وجہ سے اب یہ سوچ مٹ چکی ہے کہ بادشاہ ظل الٰہی ہوتا ہے۔ اقتدار کی قوت کو گلی کوچوں میں پہنچا کر ہم نے اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے انتظامی امور اور حالات کی باریکیوں کو سمجھنے والے افراد کی تربیت کا خصوصی اہتمام کر رکھا ہے جو کسی اور کے پاس نہیں۔ ہم سیاسی حوالوں سے جو منصوبے بناتے ہیں ان میں بھی کوئی ہمارا حریف نہیں۔ صرف قدیم رومن کیتھولک جیسوئیٹس (JESUITS) فرقہ ہماری ہمسری کر سکتا تھا مگر اس کو بے اثر بنا دیا گیا ہے۔ اب وہ کسی بھی حکمران کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ چرچ ہو یا یہودی، ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے خلاف غیر یہودیوں کا مشترکہ محاذ بن سکتا ہے۔ لیکن ہم نے قومی اور ذاتی مفادات کے حوالے سے انہیں آپس میں ہی دست و گریباں کر دیا ہے۔

توراۃ میں لکھا ہے کہ "بادشاہ میرے ہی واسطے سے حکمرانی کرتے ہیں" ...... پیغمبروں کے ارشادات کے مطابق خدا نے ہمیں پوری دنیا پر حکمرانی کے لیے منتخب کیا ہے۔ آج کوئی طاقت ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہو تو کوئی دوسرا اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ بیس صدیاں گزر گئیں ہم غیر یہودی اقوام کے درمیان مذہبی، نسلی اور گروہی تعصبات کو ہوا دے رہے ہیں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ کوئی چھوٹا موٹا خفیہ معاہدہ بھی ہمارے خفیہ ہاتھ کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا

کیونکہ ہم بہت زیادہ طاقتور ہو چکے ہیں۔ کوئی ہمارے مقابلے میں آنا چاہے تو اس کے ساتھ انتہائی سنگدلی کے ساتھ نمٹا جائے گا جو دنیا کے لیے بالکل نئی بات ہوگی۔

ریاستوں اور مملکتوں کی مشینری کا انجن سرمایہ ہے اور یہ سرمایہ صرف ہمارے پاس ہے کیونکہ ہمارے ہی بزرگوں نے سیاسی معیشت کی سائنس ایجاد کی ہے۔ آج ہمارا مقصد عوام کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنا نہیں بلکہ انہیں غیر مسلح کرنا اور ان کے برانگیختہ جذبات کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا زیادہ ضروری ہے۔ دوسروں کے تصورات و نظریات کو مسترد کرنے کی بجائے انہیں اس طرح کا رخ دے دیا جائے کہ وہ ہمارے تصورات اور نظریات کے مطابق ہو جائیں۔

غیر یہودی عوام کے ذہنوں کو سنجیدہ سوچ بچار سے عاری کر دینا بھی ہمارا نظریہ ہے۔ اس کے لیے انہیں فصاحت و بلاغت اور بیان بازی کی غیر حقیقی جنگوں میں الجھانا ضروری ہے۔ ان لوگوں کو ترقی کا احساس دلانے کے لیے ایسے نمائشی ادارے قائم کیے جائیں گے جو کام کے برعکس دعوے کرنے میں ہوشیار ہوں گے۔ ہر مکتبہ فکر میں سے ایسے افراد کو سامنے لایا جائے گا جو دعوے پہ دعوے کیے جائیں گے۔ آخرکار عوام ان سے عاجز اور تنگ آجائیں گے۔ اس حوالے سے ہمارا پہلا راز یہ ہے کہ ہمیں بے اطمینانی اور مایوسی کی فضا پیدا کرنا ہوگی۔ اس قدر متضاد خیالات کو پیش کیا جائے گا کہ عوام ان کے جال میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ آخرکار وہ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ سیاست میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ دوسرا راز کسی قوم کی ماضی کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہے تاکہ لوگ آپس میں ہی دست و گریباں ہو جائیں۔ بدنظمی اور انتشار کے ماحول میں عوام ایک دوسرے کو پہچان ہی نہیں سکیں گے۔

غیر یہودہ لوگوں کا نظام تعلیم ہمارا خصوصی نشانہ ہوگا۔ جو ایسے انداز میں مرتب کیا جائے گا کہ وہ کبھی کسی درست نتیجے پر نہ پہنچ سکیں اور ہمیشہ انتشار کا شکار رہیں۔ غیر یہود ہمارے ان طریقوں اور حربوں سے اس قدر عاجز آجائیں گے کہ آخر باہمی اختلافات میں ہماری ثالثی قبول کرنے لگیں اور ہمیں عالمی حکمرانی پیش کر دیں گے۔ ہماری سپر گورنمنٹ کے قائم کردہ

ہمارے کے ہاتھ ہر سمت میں پہنچیں گے۔ یہ ادارہ ایک ہزار پہلو رکھے گا اور کبھی ناکام نہیں ہوگا۔

پروٹوکول نمبر 6

حصول اقتدار کے مختلف طریقے بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہود بہت جلد بڑی بڑی اجارہ داریاں قائم کریں گے۔ غیر یہودی کی قسمتوں کا فیصلہ یہی اجارہ داریاں کریں گی۔ یہ اصل میں مال و دولت کے وسیع ذخائر ہوں گے کوئی ہم سے ٹکرانے یا سیاسی تصادم مول لینے کی کوشش کرے گا تو اگلے ہی روز اس کے قرضے اسے غرق کر دیں گے۔ ہمیں اپنی سپر گورنمنٹ کو اس انداز سے استوار کرنا ہے کہ ہماری اطاعت کرنے والی اقوام ہمیں اپنا محسن اور محافظ سمجھیں۔ غیر یہود اشرافیہ اب ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن اپنے ذرائع آمدنی میں خودکفیل ہونے کی وجہ سے یہ ہمارے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ ان کا ذریعہ آمدنی ان کی اراضی ہے جس پر ٹیکسوں اور قرضوں کا بوجھ ڈال کر آخر کار انہیں اراضی سے محروم کر دیا جائے گا پھر یہ لوگ بھی ہماری غیر مشروط حمایت پر مجبور ہوں گے۔ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی روایات ترک کرنے کے علاوہ آہستہ آہستہ اپنا وجود کھو دیں گے۔

صنعت و تجارت میں سٹہ بازی کا فروغ ہماری اولین کوشش ہوگی۔ سٹہ صنعتی و تجارتی سرگرمیوں کو قابو میں رکھے گا بصورت دیگر یہ فروغ پاتی رہیں گی اور یہاں سے ملنے والا سرمایہ زراعت کی ترقی پر صرف ہوگا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں۔ ہمارا مقصد سٹے کے ذریعے سارا سرمایہ اپنے قبضہ اور کنٹرول میں لانا ہے تاکہ غیر یہود ہمارے سامنے سر جھکائے رہیں۔ ان کی صنعت کے خاتمے کے ساتھ ہی سٹہ کے ذریعے انتشار کا فروغ ہمارا منصوبہ ہے تاکہ عیش پرستی انہیں نگل جائے۔ ہم محنت کش کی اجرت ضرور بڑھائیں گے لیکن ضرورت کی اشیا بھی مہنگی کرتے جائیں گے۔ ذرائع پیداوار کو بیکار کرنے کے لیے محنت کشوں میں شراب نوشی عام کر دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی کوشش کریں گے کہ غیر یہودی افراد میں تعلیم کا خاتمہ ہو جائے۔ ہماری سیاسی معیشت کے اصول راز میں رہیں گے اور دنیا میں ان کے پراپیگنڈا کو بڑھایا جائے گا۔

پروٹوکول نمبر 7

غیر یہودی اقوام میں جنگ و جدل کی آگ بھڑکانا اور مار دھاڑ کرانا بھی انہی پروٹوکولز کا حصہ ہے۔ یہود کا منصوبہ ہے کہ غیر یہود اقوام میں محض چند لوگ کروڑ پتی یا ارب پتی ہوں اور باقی سب محنت کش طبقہ میں تبدیل ہو جائیں۔ چند کو دولتمند رکھنے کا مقصد انہیں اپنے مقاصد اور مفادات کے لیے استعمال میں لانا ہے۔ اسلحہ کی بھرمار اور پولیس کی بڑی تعداد اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ اس مقصد کا یورپ اور اس کے ذریعے دوسرے براعظموں میں فسادات اور جنگیں کرائی جائیں گی۔ اس طرح سے دوسرے ممالک ہم سے خوفزدہ رہیں گے۔ ہماری قوت کی وجہ سے وہ ہمیں مطلق العنان تسلیم کر لیں گے۔ اس کے علاوہ وہ سارے تار ہلا کر رکھ دیئے جائیں گے جو سیاسی نظام، معاہدوں اور قرضوں کے ذریعے تمام ممالک کی وزارتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے ہم اسی وقت دانشمندی اور ہوشیاری سے کام لیں گے جب یہ معاہدے وغیرہ طے کیے جا رہے ہوں گے۔ سرکاری زبان کے حوالے سے ہم دیانتداری اور خلوص کا اظہار کریں گے تاکہ دوسری قومیں ہمیں انسانیت کے محسن، نجات دہندہ اور اس سے محبت کرنے والے قرار دیں۔ یہ محض ہمارا ظاہری رخ ہوگا اور لوگ ہمارے ظاہری رخ کو ہی دیکھنے اور اس پر یقین کرنے کے عادی ہو چکے ہوں گے۔

سیاستدانوں کے قول اور عمل میں عدم مطابقت کے علاوہ ہماری تمام کارروائیاں راز میں رہیں گی اور ہم اسی طرح کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جبکہ دوسرے اپنی سرگرمیاں اور منصوبے ہماری مرضی اور منشا کے مطابق رکھیں گے۔ ہماری عظیم قوت اور ہمارے منصوبوں کے حوالے سے پریس رائے عامہ کو ہموار کرتا رہے گا۔ چند مثالوں کو چھوڑ کر بالعموم پریس ہمارے کنٹرول میں ہے اور جو تھوڑا بہت کنٹرول میں نہیں اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا...... یورپ کے غیر یہود کی کڑی نگرانی ہوگی۔ دوسرے ممالک کو عبرت دلانے کے لیے ہم کسی خاص ملک میں تشدد یا دہشت کے ذریعے اپنی قوت کا مظاہرہ کریں گے۔ ہمارے خلاف جو بھی تحریک اٹھے گی یا پھیلے گی اس کا جواب امریکہ، چین یا جاپان کی بندوقوں اور توپوں سے دیا جائے گا۔

پروٹوکول نمبر 8

اس پروٹوکول میں بتایا گیا ہے کہ یہود کے پاس ہر قسم کے ہتھیار اور ہر قسم کا اسلحہ ہوگا تا کہ اسے دشمن کے خلاف موثر انداز میں استعمال کیا جا سکے۔ بعض اوقات ہمیں غیر معقول اور غیر منصفانہ قرار پانے والے فیصلے بھی کرنا ہوں گے مگر ہم ان کے لیے قانونی جواز پیش کریں گے تا کہ لوگ مطمئن ہو سکیں۔ ایسا ہم خوبصورت زبان اور خوبصورت انداز بیان کے ذریعے کریں گے تا کہ اخلاقی قدروں اور قانونی ضابطوں کا تاثر پیدا کیا جا سکے۔

مقصد براری کے لیے فری میسن تنظیم کے معاونین کو بھی استعمال کیا جائے گا۔ یہودی انتظامیہ اردگرد کی ان تمام قوتوں کو مجتمع کرے گی جن کے درمیان رہ کر اسے فرائض انجام دینا ہیں۔ یہ تنہا نہیں ہوں گے۔ ان کے گرد قانون اور انتظامیہ کے ماہرین کے علاوہ مشتہرین بھی ہوں گے۔ سفارتکاری کے ماہرین ان کی مدد کریں گے خصوصی سکولوں کے اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ کے افسر موجود ہوں گے۔ یہ سیاسی فکر کے لیے استعمال ہونے والی زبانوں کے ماہر نہیں ہوں گے۔ سماجی ڈھانچے کے اسرار و رموز پر بھی حکمران کی گہری نظر ہوگی۔ انہیں انسانی فطرت کے ان حساس تاروں سے روشناس کرایا جائے گا جن پر انگلیاں رکھ کر وہ مقاصد حاصل کر سکیں گے ان سارے امور کے لیے یہود کا انتخاب کیا جائے گا کیونکہ غیر یہود تو سرکاری امور کی انجام دہی میں یہ تک سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ وہ کن مقاصد کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں اور ان کا حصول کیوں ضروری ہے۔ یہ ہوس کے بندے ہوتے ہیں کاغذات پر دستخط کرتے وقت انہیں پڑھنے تک کی تکلیف اور زحمت گوارا نہیں کرتے۔

ہماری انتظامیہ ماہرین معاشیات کے حصار میں ہوگی۔ یہود کی تعلیم میں اقتصادی سائنس کو بہت زیادہ سرمایہ کاروں اور کروڑ پتی افراد کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب بہت بڑی تعداد میں ہمارے پاس موجود ہوں گے۔ وہ وقت دور نہیں جب تمام کلیدی عہدوں پر ہمارے یہودی بھائی قابض ہوں گے لیکن اس وقت سے پہلے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیئے جائیں

گے جو اپنے ماضی اور حال سے ثبوت دے سکیں کہ عوام اور ان کے درمیان وسیع خلیج حائل ہے۔ انہوں نے ہماری ہدایات کے خلاف کام نہ کیا تو یہ مصیبت میں پڑ جائیں گے اور ایسے سنگین الزامات کا سامنا کریں گے کہ خودکشی کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ یہ ان کے دوسرے ساتھیوں کے لیے سبق ہوگا کہ ہمارے مفادات کے خلاف سوچنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پروٹوکول نمبر 9

فری میسن، اس کے اصول، اس کی آمریت، اس کے شناختی الفاظ اور اس قسم کے دوسرے معاملات اس پروٹوکول کا بنیادی نقطہ ہے۔ اس کے مطابق قواعد وضوابط پر عمل درآمد کے سلسلے میں ان لوگوں کے کردار پر نظر رکھنا ضروری ہے جن میں رہ کر کام کیا جائے گا۔ ان قواعد کے یکساں اطلاق کے لیے تعلیم ہمارے نصاب کے مطابق مرتب کرنا ضروری ہے۔ پھر دس برس کے اندر ہی ان لوگوں کے اذہان میں بھی تغیر نظر آئے گا جو ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ اس طرح ہمارے تابع فرمان افراد کی تعداد بڑھتی جائے گی۔

ہمارا شناختی یا علامتی لفظ ''لبرل'' آج آزادی، مساوات اور اخوت کہلاتا ہے۔ جب ہماری عالمی حکومت قائم ہو جائے گی تو ہم انہیں نئے معنی دیں گے۔ پھر یہ خفیہ علامت نہیں محض تصور کی حیثیت رکھیں گے۔ اس وقت ان کے نئے معنے ''آزادی کا حق، مساوات اور اخوت کا فرض'' ہوں گے۔ ہمارے پیش نظر یہ محاورہ ہوگا کہ بیل کو سینگوں سے پکڑا جائے۔

آج آئینی حکمران تو ہیں مگر حقیقی حکمران کوئی نہیں کیونکہ ہم نے ان کا وجود ختم کر دیا ہے۔ کوئی حکومت ہماری مرضی اور رضامندی سے ہی ہمارے خلاف بولتی ہے۔ یہ ''دشمنی'' دراصل ہمارے درمیان بھائی چارے کو مستحکم کرتی ہے۔ ہماری سپر گورنمنٹ کی بنیاد بہرحال آئینی یا قانونی نہیں بلکہ آمرانہ ہوگی۔ ہم قانون بنائیں گے۔ سزائیں دیں گے اور بوقت ضرورت قتل عام بھی کریں گے کیونکہ فوج ہماری ہوگی۔ ایک دور میں صاحب اختیار لوگ اب ہمارے رحم و

کرم پر ہوں گے۔ انہیں قابو میں رکھنے کے لیے قوت ارادی کو بروئے کار لانا ضروری ہوگا......
ہمارے ہتھیار کیا ہوں گے......؟ لامحدود امنگیں، مشتعل جذبات، حرص و ہوس کی فراوانی، بے رحمی، نفرت اور غیض وغضب...... یہی ہمارے ہتھیار ہوں گے۔

آج ہر طرف خوف و دہشت اور ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔ یہ سب کچھ ہم ہی کرا رہے ہیں۔ اس کے لیے ہمارے کارندے مصروف عمل ہیں۔ ان کارندوں میں سوشلسٹ، کمیونسٹ، تاج وتخت کے مالک اور خوابوں کی دنیا میں بسنے والے بھی شامل ہیں۔ یہ ہمارے غلام ہیں۔ یہ سب بچی کھچی حکومتوں کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ یہ حکومتیں سخت بے چینی میں ہیں مگر ہم انہیں اس وقت تک چین اور آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے جب تک یہ ہماری سپر گورنمنٹ کی اطاعت تسلیم نہیں کر لیتے۔

کئی گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم سوشلسٹ ہمارے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ انہیں بھی سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سرمایہ وہ ہم سے حاصل کرتے ہیں۔ ہم نے عقابی نگاہیں رکھنے والے غیر یہود حکمرانوں اور ان کے عوام کے درمیان خوف وہراس کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں کیونکہ ان کے درمیان اتحاد کے امکانات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اسی طرح عوام کی اندھی طاقت حاصل کرتے ہیں جنہیں قیادت ہم فراہم کریں گے تاکہ وہ ہماری منزل تک جانے والے راستوں پر چل پڑیں۔ غیر یہودی اداروں کے سرچشمے خشک کرنے تک ہم انہیں نہیں چھیڑیں گے۔ عدلیہ اور پریس سمیت قریباً ہر شعبہ میں ہمیں پہلے ہی عمل دخل حاصل ہے جو تعلیم وتربیت کے ذریعے ہیں۔ اسی طریقے سے غیر یہود نوجوان نسل کو احمق، بدچلن، لاابالی اور اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا گیا ہے کیونکہ ہم نے بے بنیاد اور غلط نظریات پر اس کی تربیت کی ہے۔

موجودہ قوانین کی متضاد وضاحتوں کے ذریعے ہم نے جاندار نظر آنے والے نتائج وضع کیے ہیں جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ معاملہ حکومتوں کی نظروں سے بھی اوجھل ہے اور یہیں سے ثالثی کی تھیوری کی ابتدا ہوتی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہمارے منصوبوں کا علم ہو جائے تو غیر یہود مسلح ہو کر ہم پر ہلہ بول دیں لیکن اس کے پیش نظر ہم نے مغربی ممالک کے لیے دہشت گردی کا ایسا منصوبہ تیار کیا ہے جو مضبوط دل انسان کو بھی لرزا کر رکھ دے گا۔ ہم نے ان ممالک کے دارالحکومتوں میں زیر زمین بارودی سرنگوں کا جال بچھا دیا ہے۔ کوئی ایسا وقت آیا تو ان دارالحکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے ایک چنگاری ہی کافی ہو گی۔

پروٹوکول نمبر 10

قریباً سارے پروٹوکولز میں فری میسن کا کردار بہت اہم ہے۔ فری میسن کا ایک گزشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس پروٹوکول میں بھی جن امور کا ذکر ہے ان میں سے زیادہ تر کی انجام دہی فری میسن کی ذمہ داری ہے جس کو ان دیکھی عالمی حکومت کی حیثیت دی گئی ہے۔ بڑوں نے اختیارات کی تقسیم، پریس اور تحریر و تقریر کی آزادی، مذہب کی آزادی، تنظیم سازی کی آزادی، املاک کے تحفظ کی ضمانت، قانون کی نظر میں برابری، ٹیکسوں کے نفاذ اور ٹیکس چوری کے معاملات کو خاصی اہمیت دی ہے اور قرار دیا ہے کہ ان پر خاموشی اختیار کی جائے، اگر بات کرنا ہی پڑ جائے تو دوٹوک موقف اختیار نہ کیا جائے کیونکہ ہم کسی کو شبہہ میں ڈالے بغیر کسی بھی آزادی کو مرضی کے بغیر استعمال یا ترک کرنا چاہتے ہیں۔

عوام سیاست کے نام پر جارحانہ کارروائیوں کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ اقوام عالم کے لیے جو بنیادی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا ہے وہ ان کے لیے بڑا پرکشش ہو گا۔ ہماری ساری منصوبہ بندی کی بنیاد یہی ڈھانچہ ہے۔ خود کو مسلح کرنا اور ایک ناقابل تسخیر قوت بنانا ناگزیر ہے۔ راستے کی تمام رکاوٹیں اور مزاحمتیں پرجوش کارکنوں (فری میسنریز) کے ذریعے دور کی جا سکتی ہیں۔ اپنے انقلابی پروگرام کی تکمیل کے بعد ہم اقوام عالم کو سب کچھ برباد ہونے کی خبر دیتے ہوئے ایک موقع طلب کریں گے۔ لوگ نئی امیدوں اور توقعات کی بنا پر ہمارے گن گائیں گے۔ اسی طرح ہم ان کی حمایت کے ذریعے اکثریت

حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیں تعلیم یافتہ اور بالا دست طبقہ نہیں دلا سکتا۔ لوگوں کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا کر ہی ہم عالمی اقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کی اندھی قوت ہمارے ساتھ ہو گی اور ہم اپنے ایجنٹوں اور کارکنوں کے ذریعے ان کو اپنی مرضی کی رہنمائی فراہم کریں گے۔

ہمارے منصوبے کسی ایک ذہن کی پیداوار ہونے چاہئیں تا کہ انہیں پوری احتیاط سے تیار کیا جا سکے اور وہ موثر بھی ثابت ہوں۔ ہمیں اپنے ذہین لوگوں کے کام کو عوام یا سلیکٹ کمیٹیوں کے زہر آلود دانتوں تلے نہیں دینا۔ ہم نے مملکتوں کے نظام میں لبرل ازم کا زہر بھر دیا ہے جس سے ان کا سیاسی رنگ ہی تبدیل ہو گیا ہے۔ ہمارا زہر انہیں جلد موت سے ہمکنار کر دے گا۔ اس زہر کی وجہ سے آئینی حکومتیں وجود میں آ چکی ہیں۔ دستور یا آئین وہ ملغوبہ ہے جو ریاست کی تمام خصوصیات کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔ حکمرانوں کو مجبور اور بے بس بنانے میں پریس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے بعد جمہوریت کا دور شروع ہو گیا تو ہم نے عوام ہی میں سے اپنی مرضی کے لوگوں کو صدر وغیرہ بنوا دیا جو ہماری غلامی پر فخر کرتے ہیں۔ یوں ہم نے غیر یہودی اقوام کے لیے ایک طرح کی بارودی سرنگیں بچھا دی ہیں۔

ہمیں نظام میں رکاوٹوں یا ملکوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی کوئی پروا نہیں۔ ہم سیاہ کار لوگ آگے لائیں گے تا کہ ہمارے منصوبے مکمل ہو سکیں۔ اسمبلیوں کی حیثیت تو محض آڑ کی سی ہو گی۔ یہ سربراہ مملکت کو منتخب ضرور کریں گے مگر انہیں حقیقی قانون سازی کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ یہ حق صدر کو دے دیا جائے گا۔ صدر چونکہ مسلح افواج کا سپریم کمانڈر ہو گا لہٰذا اعلان جنگ بھی اسی کا اختیار ہو گا۔ اس طرح سے اس سارے خزانے کی چابی ہمارے ہاتھ میں رہے گی۔ پارلیمنٹ اور جمہوری اداروں کے حوالے سے کئی ایک دوسرے منصوبے بھی پیش کیے گئے ہیں۔

پروٹوکول نمبر 11

یہ امر دلچسپ ہی نہیں افسوسناک بھی ہے کہ غیر یہودیوں کو محض بھیڑوں کا گلہ قرار دیا

ہے۔اس پروٹوکول میں نئے آئین اور مجوزہ انقلاب کی کچھ خصوصیات کے علاوہ فری میسنری اور دکھاوے کی اجتماع گاہوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ یہودیوں نے اپنے نئے آئین کے تحت قانون، حقوق اور انصاف کے جو اصول وضع کیے ہیں ان کے مطابق قانون سازی کی پلٹن (LEGISLATIVE CORPS) کو تجاویز پیش کرنے کا معاملہ محض دکھاوے کا ہوگا جبکہ یہ کور قوانین کے نفاذ کا معاملہ پہلے ہی طے کر چکی ہوگی۔صدر اور سینٹ کے احکامات کو قانون کی حیثیت حاصل ہوگی۔اسی طرح وفاقی کونسل کے احکامات بھی قانون کا درجہ پائیں گے۔موقع کی مناسبت سے ریاست میں انقلاب برپا کردیا جائے گا اور نئے قوانین بھی منظور کرالیے جائیں گے۔ان قوانین کے ذریعے پریس کی آزادی، تنظیم سازی کا حق، ضمیر کی آزادی، ووٹ کا حق اور بہت سی دوسری آزادیوں اور حقوق کو انسانی ذہن سے مٹا دیا جائے گا بصورت دیگر ان کے تصورات میں بنیادی تبدیلیاں کردی جائیں گی۔ جبر وتشدد کی بجائے ہم خاموشی کے ساتھ اپنا کام کر جائیں گے کیونکہ جبر وتشدد کی وجہ سے عوام میں خوف و ہراس اور مایوسی و بددلی پھیل جائے گی۔ہم اپنی ''غلطی'' کو بھی تسلیم کرلیں گے جو ہمارے لیے عزت وتکریم کا باعث ہوگا۔

اقوام عالم خوف ودہشت اور بے یقینی میں ہی تسلیم کرلیں گی کہ ہم ایک ایسی طاقت ہیں جو قابل تسخیر ہے اور نہ مٹ سکتی ہے۔ہمیں ان کی پروا بھی نہیں کیونکہ ہم انہیں کچل دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ہم انہیں یہ احساس بھی دلادیں گے کہ جو کچھ ہمیں درکار تھا ہم نے حاصل کرلیا ہے اور انہیں اقتدار میں بھی شریک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اسے کوئی ڈرامہ سمجھیں گے اور آنکھیں بند کر کے اس کے خاتمے کا انتظار کریں گے۔ہم بھیڑیے اور غیر یہودی قومیں بھیڑوں کا گلہ ہیں۔ہم ان کی آزادیاں اسی صورت میں واپس کریں گے کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کا یقین دلائیں۔

فری میسن تحریک کی بنیاد ہی یہی ہے کہ جو کچھ براہ راست حاصل نہیں کیا جاسکتا اسے بالواسطہ طور پر حاصل کرلیا جائے۔غیر یہود مویشی کی طرح ہیں اور انہیں ہمارے عزائم پر شک

تک نہیں ہے۔ ہم فری میسن کی اجتماع گاہوں میں ان کا دل لبھاتے ہیں اور انہیں مسحور کر لیتے ہیں۔اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دوسرے ہم وطنوں کو ہماری دکھائی ہوئی تصویر بھی پیش کریں۔

یہودی بڑوں نے اعتراف کیا ہے کہ ہم خدا کی محبوب قوم ہیں مگر اس نے ہمیں انتشار اور جلاوطنی کا تحفہ دے رکھا ہے۔اگرچہ بظاہر یہ ہماری کمزوری ہے مگر ہماری قوت کا راز اسی میں ہے۔اسی کی وجہ سے ہم عالمی شہنشاہی کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے ہیں۔ہم نے بنیادیں رکھ دی ہیں۔اب تعمیر کا تھوڑا ہی کام باقی ہے۔

پروٹوکول نمبر 12

یہ پروٹوکول بنیادی طور پر پریس پر کنٹرول سے متعلق ہے جس میں فری میسن کے نزدیک آزادی کے مفہوم سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

یہودیوں نے لفظ آزادی کی جو توجیہ کی ہے اس کے مطابق یہ ایسے کام کا حق ہے جس کی قانون میں اجازت ہو اور کہا یہ گیا ہے کہ قوانین صرف ایسے امور کے آڑے آئیں گے جو ہمارے پروگرام سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔آج کا پریس ہمارے مقاصد کی تکمیل کی غرض سے جذبات کو ابھارتا ہے۔ساتھ ہی پریس کو بے مغز، غیر منصفانہ اور دروغ گو قرار دے دیا گیا ہے لیکن وہ اس سے آگاہ نہیں ہوتے۔ہم پریس ہی نہیں ہر قسم کے مطبوعہ مواد کے منہ میں کس کر لگام دیں گے۔پریس ضمانت دے گا کہ حکومت پر تنقید نہیں کرے گا بصورت دیگر اسے بھاری جرمانوں کا سامنا ہوگا۔پھر بھی باز نہ آئے تو پابندی لگا دی جائے گی۔کچھ اخبارات کے ذریعے ہم خود پر تنقید کرائیں گے لیکن یہ تنقید ہمارے طے کردہ امور پر ہی ہوگی۔تمام خبر رساں ایجنسیوں پر بھی ہمارا قبضہ ہوگا اور وہ ہماری مرضی کی خبریں ہی جاری کریں گی۔

دنیا بھر میں غیر یہود حالات و واقعات کو ہماری عینک سے دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن ہمارے قبضہ میں ہیں۔دنیا بھر میں کوئی ریاست ایسی نہیں جس کے ''سرکاری راز'' ہمارے علم

میں نہ ہوں۔آج یہ صورتحال ہے تو ہماری عالمی حکومت کے قیام کے بعد حالات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔فکرو تدبر کے تمام آلات ہمارے ہاتھ میں ہوں گے۔"ترقی" کی برکتوں کے احمقانہ اور پرفریب تصور نے مادر پدر آزادی کو فروغ دیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔انارکسٹ (انتشار پسند) آزادی کے خیالی منصوبوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اخبارات کے علاوہ جرائد اور کتب پر بھی بھاری ٹیکس عائد کر دیا جائے گا تا کہ یہ کم سے کم تعداد میں ہوں کیونکہ یہ مطبوعہ زہر سے کم نہیں ہوتے۔اس کے مقابلے میں ہم اپنے مفادات اور عزائم کو پیش نظر رکھتے ہوئے سستا لٹریچر شائع کریں گے جو دلچسپ ہوگا اور عوام اسے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھیں گے۔عوامی ملکیت میں بہت کم اور سرکاری ملکیت میں بہت زیادہ جرائد ہوں گے جن کا تناسب ایک اور تین کا ہوگا۔اس طرح ہماری بات زیادہ پڑھی اور سنی جائے گی۔ہم تیسرے درجے کے اخبارات کے ذریعے آزمائشی فائر کریں گے جس کی نیم سرکاری ترجمان تردید کریں گے۔فرانسیسی اخبارات کی مثال ہمارے سامنے ہے جو متضاد خیالات کے باوجود فری میسن کے مقاصد اور پروگراموں کے سلسلے میں یک زبان ہوتے ہیں۔یہ ذرائع نہیں بتاتے اگر بتاتے بھی ہیں تو ان کا یہ فیصلہ "متفقہ" ہوتا ہے۔صحافیوں کی کمزوریاں، گزشتہ زندگی کے شرمناک افعال اور سکینڈل وغیرہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہوں گے لہٰذا انہیں ہمارے خلاف جانے کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ان کی دکھتی رگوں پر ہمارا ہاتھ رہے گا۔

پروٹوکول نمبر 13

حصول مقصد کی راہیں بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ غیر یہودیوں کی ضروریات نہ صرف انہیں خاموش رکھتی ہیں بلکہ انہیں ہمارا غلام بھی بنائے رکھتی ہیں۔یہی امر ان میں سے کچھ کو ہمارا ایجنٹ بننے پر مجبور کر دے گا۔ان میں سے کچھ کو اخبارات میں بھیج کر ان سے اپنی مرضی کی بحث کرائیں گے۔یہ ایسی بحث ہوگی جو ہم سرکاری طور پر نہیں کر سکتے۔پریس لوگوں کے

خیالات تبدیل کرنے کے سلسلے میں ہمارا ساتھ دے گا۔ رائے عامہ ہموار ہوجائے تو ہماری مشینری کا کام آسان ہو جاتا ہے کیونکہ الفاظ کے ہیر پھیر سے ہی مقاصد حاصل کیے جا سکیں گے۔ اصل سیاسی مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر ہم انہیں "نئے" سیاسی مسائل میں الجھا دیں گے۔ اس طرح غیر یہودی فضول بحث مباحثہ میں الجھے رہیں گے۔

ہماری تربیت کے مطابق ہی غیر یہودی عوام غیر فعال اور سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس بات کا بھی اہتمام کرلیا ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں ہم نے انہیں اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ ان کی توجہ کھیلوں، تفریحات، تماشا، ہوٹلوں حتیٰ کہ ہوس پرستی کی طرف موڑ دی جائے گی۔ آرٹ کی نمائشوں اور کھیلوں کے مقابلوں کا انعقاد کیا جائے گا۔ اس طرح وہ سوچ بچار کو پس پشت ڈال دیں گے اور ان کی توجہ اصل مسائل سے ہٹی رہے گی جس کے بعد انہیں فکر کی نئی راہوں پر ہم ڈالیں گے۔ ہماری عالمی حکومت کو تسلیم کرلیا جائے گا تو خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں لبرل ازم کا پرچار کرنے والوں کی ضرورت بھی ختم ہوجائے گی پھر ہم ان کے ذہنوں کو عجیب و غریب نظریات کی آماجگاہ بنا دیں گے جن کو یہ غیر یہود ترقی پسندانہ سمجھنے میں فخر محسوس کریں گے۔ ہمارا یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ایک بھی غیر یہود حقیقی سوچ رکھتا ہو کیونکہ خدا کی محبوب قوم ہونے کے حوالے سے وہ نہیں بلکہ حق و صداقت کے ہم امین ہیں۔

اپنی سلطنت کے قیام کے بعد ہمارے لوگ ان مسائل کو تفصیل سے بیان کریں گے جو انسانیت کو درہم برہم کر کے رکھ دیں گے اور آخر کار وہ ہماری حکومت کے تحت آ جائیں گے جو ان کے نزدیک مخیّر اور پر امن ہوگی، اس سارے ڈرامے میں ہم غیر یہود اقوام کو صدیوں سے استعمال کرتے ہیں مگر کسی کو آج تک اس کا احساس تک نہیں ہونے پایا اور یہ امر واقعی بڑا دلچسپ ہے۔

پروٹوکول نمبر 14

چودھویں پروٹوکول کا تعلق مذہب سے ہے جس میں مستقبل کے مذہب، مذہبی معلومات کی راہ میں دشواریوں، مستقبل کے کسانوں اور فحش لٹریچر کا بھی ذکر ہے۔ یہود کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب ہی حقیقی توحیدی مذہب ہے ہماری سلطنت میں کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے یا پروان چڑھانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہم اس امر کو برداشت نہیں کریں گے۔ ہم خدا کی محبوب قوم ہیں اور ہمارا مقصد ہی خدائے واحد کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے۔ ایمان اور اعتقاد کی دوسری تمام صورتوں کو مٹا دیا جائے گا۔ ہمارے اس رویے کے پیش نظر کچھ لوگ مسلم اور لامذہب ہو جائیں گے مگر یہ عارضی مرحلہ ہوگا۔ دین موسوی کی بدولت دنیا بھر کی اقوام ہماری محکوم بن چکی ہوں گی۔ ہم اپنے ''بابرکت'' دور کے ماضی کی حکومتوں کے ساتھ موازنہ پر مبنی مضامین شائع کریں گے تاکہ ہمارے دور کی ''برکتوں'' کو مان لیا جائے۔ صدیوں کے بعد قائم ہونے والے ''امن'' کے فوائد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے گا۔ غیر یہودی حکومتوں کی غلط کاریوں کو اس طرح بیان کریں گے کہ لوگوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہوں۔ وہ ان کی آزادی پر ہماری غلامی کو ترجیح دیں۔ ہم بتائیں گے کہ ان حکومتوں نے انسانی زندگی کے سرچشموں کو خشک کر کے رکھ دیا اور وسائل کا بری طرح استحصال کیا۔

ہمارے فلاسفر غیر یہودیوں کے اعتقادات کی خامیوں کو زیر بحث لائیں گے مگر ہمارے یقین اور اعتقاد کو اس کے اصل پس منظر میں زیر بحث لانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ ہمارے فلسفیوں کے سوا کوئی ان سے آگاہ ہی نہیں۔ روشن خیال اور ترقی پسند قرار پانے والے ممالک میں ہم نے پہلے فحش اور غیر اخلاقی لٹریچر کو پھیلا رکھا ہے۔ اقتدار سنبھالنے کے کچھ عرصہ بعد تک ہم ایسے مواد کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ ہم اپنے دانشوروں کو غیر یہود کی قیادت سنبھالنے کی تربیت دیں گے۔ ان کے تیار کردہ مضامین اور تقریروں کو ذہن فوراً قبول کرے گا۔ پھر نئی نسل ہماری ہی متعین کردہ راہوں پر سفر کرے گی۔

پروٹوکول نمبر 15

اس پروٹوکول میں کافی معاملات پر بات کی گئی ہے اور تان یہاں پر ٹوٹتی ہے کہ اسرائیل کا بادشاہ یا حاکم تمام دنیا کا باپ ہے۔ اس میں انقلاب قتل و غارت، حاکمیت کا رعب، فری میسن تنظیم کے غیر یہودی ارکان کا مستقبل، اس کی اجتماع گاہوں میں اضافہ، اس کے رہنماؤں کا مرکزی کنٹرول، فری میسن کارکنوں کا قتل، اختیارات کے غلط استعمال، سزاؤں، دنیا بھر کی دولت، جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور خدا کی محبوب قوم کی حیثیت سے یہود کی پوزیشن شامل ہیں۔

یہ یہودی بڑے کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی دن میں کئی ممالک میں فوجی بغاوتیں کرا کے اپنی حکومت قائم کر لیں گے تو ان تمام لوگوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا جائے گا جو ہماری مخالفت کریں گے۔ اپنی خفیہ جماعتوں کے ذریعے ہر نئی تنظیم کو ختم کر دیں گے جبکہ موجودہ خفیہ جماعتوں کا بستر بھی گول کر دیا جائے اور ان کے کارکنوں کو کالے پانی میں بھیج دیا جائے گا حالانکہ انہوں نے ہماری خدمت کی ہے اور کر رہے ہیں۔ فری میسن کے غیر یہودی ارکان چونکہ ہمارے بارے میں کافی معلومات رکھتے ہوں گے اس لیے ان کے قتل کے سوا بھی کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ جس کو قتل نہ کیا گیا اس کو ایک قانون کے ذریعے یورپ سے نکال دیا جائے گا کیونکہ ہمارا دارالحکومت یورپ میں ہی ہوگا۔ ہمارے فیصلوں کے خلاف کسی کو اپیل کا حق بھی نہیں دیا جائے گا۔ نظم و نسق موثر بنانے اور لوگوں کے دلوں میں حکومت کی طاقت کا رعب بٹھانے کے لیے بے رحمانہ اقدامات کیے جائیں گے۔ چونکہ یہ سختی حکومت کی طرف سے ہوگی لہٰذا کوئی ان پر ترس بھی نہیں کھا سکے گا۔ ہمیں کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں، ہمارے استحکام اور فلاح و بہبود کا انحصار اسی پر ہوگا۔ اپنے گرد طاقت کا مضبوط ہالہ بنانے کے لیے اس کا بے لچک استعمال ضروری ہے۔ تا کہ لوگ ہمارے احکامات کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کی طرح ہی سمجھیں۔ ماضی میں اشرافیہ کی روسی حکومت کا یہی طرز عمل تھا جو پاپائیت کو چھوڑ کر ہماری سب

سے بڑی اور واحد دشمن تھی۔ (زار روس کے قتل کا الزام یہودیوں پر ہی تھا) اٹلی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ سارا ملک خون میں نہایا ہوا تھا لیکن خون بہانے والے سولا (SULLA) کو لوگ دیوتا سمجھ بیٹھے تھے۔ دلیری اور شجاعت کی بنا پر لوگوں کو مسحور کرنے والے پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔

عالمی حکومت کے قیام تک دنیا بھر میں فری میسن کی زیادہ سے زیادہ اجتماع گاہیں قائم کی جائیں گی۔ نمایاں حیثیت کے حامل افراد کو اس میں شامل کیا جائے گا۔ یہ اجتماع گاہیں بالآخر ہمارے جاسوسی کے بہت بڑے اڈے ہوں گے۔ ان میں قومی اور بین الاقوامی پولیس کے قریباً تمام ایجنٹ شامل ہوں گے۔ پولیس نہ صرف حکم عدولی کرنے والوں کو راہ راست پر لاتی ہے بلکہ بوقت ضرورت انتشار وغیرہ بھی پیدا کر لیتی ہے۔ خفیہ تنظیموں میں شامل پر جوش افراد کی رہنمائی ہمارے ہی لوگ کریں گے کیونکہ فری میسن کی اصل سرگرمیوں کا علم صرف ہمیں ہوتا ہے۔ غیر یہود کو ان کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جاتی۔ فری میسن میں لوگ فائدہ حاصل کرنے یا تجسس کی خاطر آتے ہیں اور زبانی جمع خرچ میں ان کی ہم سے بہتر تسکین کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی بنا پر وہ ہمارے بے دام غلام بننے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسے احمقوں کو ہم تصور کے چوبی گھوڑے پر سوار کر دیتے ہیں۔

فری میسن میں ہمارے کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں جن کا ہمارے لوگوں کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ ہمارے حکم پر جان دینے والے بھی انہیں نہیں جان پاتے۔ ہمارے اپنے بھی ہمارے لیے غیر مشروط اطاعت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ جج حضرات تک ہمارے آلہ کاروں کے ذریعے ہماری مرضی کے فیصلے کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ارکان اور انتظامی افسر بھی ہمارے مشوروں کو رد نہیں کر سکتے۔ غیر یہود ایجاد و اختراع کی صلاحیت نہیں رکھتے اسی لیے خدا نے دنیا کی حکمرانی اور قیادت ہماری قسمت میں لکھ دی ہے۔

حکومتی مشینری چلانے والے اہلکاروں کا لبرل ازم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ڈالر اور پونڈ ہمارے پاس ہی ہوں گے اسی لیے ہمیں اخراجات کی پروا نہیں ہوگی۔ ججوں کے لیے سزا کا

نظام رکھا جائے گا تا کہ وہ فرائض سے غفلت نہ برتیں۔ ہماری رعایا ہمیں ایسا باپ سمجھے گی جو بچوں کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے اسی لیے وہ حکمرانوں کے تقدس سے پہلو تہی نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں ان سے ہمارا تقاضا اطاعت اور فرمانبرداری کا ہوگا۔ قانون شکنی پر کڑی سے کڑی سزا دی جائے گی تا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

پروٹوکول نمبر 16

تعلیم اور نظام تعلیم کے حوالے سے برین واشنگ کی غرض سے بھی پروٹوکول شامل ہے۔ یہودیوں کا پروگرام ہے کہ ان کے سوا ساری اجتماعی قوتوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ یونیورسٹیاں اس پروگرام کی ابتدائی سیڑھی ہیں لہٰذا ان کی تنظیم نو کے سلسلے میں اساتذہ کو تیار کیا جائے گا اور ان کے لیے خصوصی پروگرام شروع کیے جائیں گے۔ جن سے وہ مکمل طور پر حکومت کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ نصاب تعلیم میں ریاستی قوانین ہوں گے اور نہ سیاسی معاملات۔ ان معاملات کی تعلیم بہت تھوڑے لوگوں کو دی جائے گی۔ ہر ایک کو سیاسی معاملات کی تعلیم دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے گھٹیا لوگ بن جاتے ہیں جو تصوراتی فلاحی ریاست کا خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ غیر یہود کے نصاب میں ایسے معاملات شامل کیے جائیں گے جن کو روبہ عمل لانے سے نظم و نسق تہہ و بالا ہو کر رہ جائے جبکہ ہمارے لوگوں کے نصاب میں سے ایسی ہر چیز خارج کر دی جائے گی۔ نوجوانوں کی تربیت اسی طرح کریں گے وہ حکومت کے فرمانبردار ہی نہ بنیں اسے اپنا محسن بھی تصور کریں۔ قدیم تاریخ اور کلاسیکی ادب کو ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ گھٹیا مثالوں کا مجموعہ ہے۔ طلبا کے ذہنوں سے ماضی کے نقوش مٹا کر انہیں مستقبل کی راہ پر ڈالا جائے گا۔ ماضی سے کچھ رہے گا تو وہ غیر یہودی حکمرانوں کی برائیاں، خامیاں اور کوتاہیاں ہی ہوں گی۔

چند ذہین افراد کی خاطر نااہل لوگوں کو عہدے دینا زیادتی ہوگی۔ غیر یہود کی اس حماقت کے انہیں نتائج بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ تعلیم و تدریس کے شعبے میں ہر قسم کی آزادی کا خاتمہ کر دیا

جائے گا اور لوگوں کو مذہب کی طرف راغب کیا جائے گا۔ غیر یہود کو قوت فکر سے عاری اور اطاعت گزار حیوان بنانے کا عمل جاری ہے۔ ان کے سامنے جو تصور لایا جائے گا وہ اسے اپنے ذہن میں بٹھا لیں گے۔ فرانس میں ہمارے ایجنٹوں نے خارجی (OBJECTIVE) اسباق کے ذریعے اسی طریقہ سے تعلیمی پروگرام کو مقبول کیا ہے۔

پروٹوکول نمبر 17

اس پروٹوکول کے اہم نقاط میں وکالت کا پیشہ، ضمیر کی آزادی، مذہبی عدالتیں، یہودیوں کا حکمران بحیثیت مقدس پوپ، موجودہ چرچ کا مقابلہ، پولیس، رضا کاروں اور جاسوسی نظام کی تنظیم نو کے علاوہ اقتدار کے غلط استعمال سے ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ وکیل غیر جذباتی اور قانونی موقف اختیار کرتے ہیں۔ یہ پیشہ انہیں ظالم، سرد مہر، اور بے اصول بنا دیتا ہے۔ وہ اپنے موکل کو سچا ثابت کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں لہٰذا وہ عدل و انصاف کی اہمیت اور وقعت کو گھٹا دیتے ہیں۔ ہم اس پیشے کو محدود کرتے ہوئے سرکاری انتظامیہ کے تحت لے آئیں گے۔ ججوں کی طرح وکیل بھی مقدمے کے فریقوں سے براہ راست گفتگو نہیں کر سکیں گے بلکہ وکیلوں کے مقدمات خود عدالت دے گی۔ ان کی فیس بھی حکومت ادا کرے گی اسی طرح وہ تعصب سے بالاتر ہو کر کام کریں گے اور ان میں سودے بازی کی گندی عادت بھی ختم ہو جائے گی۔

غیر یہود عوام کا مذہب سے لگاؤ اور مذہبی رہنماؤں کی ان کے دلوں میں عزت ہماری راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اسی لیے ہم نے ان کا وقار اور مذہبی مشن تباہ کرنے کی راہ اختیار کی ہے۔ ہمارے ضمیر کی آزادی کے نعرے کی وجہ سے عیسائیت چند برس میں مکمل تباہی سے ہمکنار ہو جائے گی۔ ہم پاپائیت اور پادریوں کو اس قدر محدود کر دیں گے کہ یہ مذہب تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جائے گا۔ جب لوگ یورپی عدالت کے درپے ہوں گے تو ہم اس کے دفاع کے لیے سامنے آئیں گے مگر اس سے ہمارا مقصد ہوگا کہ ہم اس کا سارا خون پی جائیں۔ ہم

اس کی قوت کو مکمل طور پر ختم کر دیں گے۔ ہمارا قائم کردہ بین الاقوامی چرچ حقیقی رہنما ہو گا اور یہودیوں کا بادشاہ ہی اصل پوپ ہو گا۔ ہم نوجوان نسل کو مذاہب کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد اصل میں اپنے مذہب کی تعلیم دینا ہے۔ ان کے دلوں میں چرچ کے خلاف جذبات ابھارے جائیں گے۔ اس معاملے میں ہمارا پریس کام آئے گا۔

ہماری سلطنت کے سینکڑوں ہاتھ ہوں گے جو سماجی زندگی کے تمام سرچشموں پر قابض ہوگی۔ اس کی حیثیت دیوتا کی طرح ہی نہیں اس سے بھی برتر ہوگی۔ ہماری رعایا کا ایک تہائی حصہ رضا کارانہ خدمات جبکہ دو تہائی نگرانی کے فرائض انجام دے گا۔ وہ اسے مخبری کا بے توقیر کام نہیں بلکہ قابل فخر خدمت تصور کریں گے۔ ہمارے ایجنٹ معاشرے کے ہر طبقے سے ہوں گے۔ ان کا کام محض معلومات حاصل کرنا ہو گا۔ جن پر کارروائی انتظامی اختیارات رکھنے والے لوگ کریں گے۔ درست معلومات نہ دینے والوں کو سزا دی جائے گی۔ آج بھی یہ اصول رائج ہے کہ خاندان کے ''مرتد'' افراد کے بارے میں اطلاع دی جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا بھر میں ہماری رعایا حکومت مخالف سرگرمیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرے گی۔ جس سے رشوت، بدعنوانی، اختیارات کا غلط استعمال اور دیگر سماجی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

پروٹوکول نمبر 18

ہمیں خفیہ دفاع کے لیے سخت اقدامات کی ضرورت پڑے گی تو شعلہ بیان مقرروں کی خدمات حاصل کریں گے۔ افراتفری پیدا کر دیں گے۔ فسادات پھیلائیں گے اور اپنی کاسہ لیس غیر یہودی پولیس کے ذریعے خانہ تلاشی کرائیں گے جس کا ہمارے پاس جواز موجود ہو گا۔ ہمیں مسخرہ پن کرنے والوں کی پروا نہیں ہوگی لیکن خطرناک سرگرمیوں میں ملوث لوگوں کی نگرانی شروع کرا دی جائے گی۔ جو ایجنٹ ہمارے گلے کی اندھی بہری بھیڑیں ہیں ان کے ذریعے غیر یہودی حکمرانوں پر حملے کرائے جائیں گے کیونکہ آزادی اور لبرل ازم کا نعرہ دے کر ان سے ہر جرم کرایا جا سکتا ہے۔

ہم اپنے حکمرانوں کی حفاظت کے لیے ایسے لوگ رکھیں گے جو بظاہر غیر معروف ہوں گے کیونکہ ہمارے حکمرانوں کے خلاف بھی بغاوت ہوسکتی ہے۔ یہ باور کرائیں گے کہ ہر شہری کی فلاح و بہبود حکمران کے ساتھ وابستہ ہے لہٰذا وہ عوام ان کی حفاظت کا فرض انجام دیں گے اور یہی امر ہمارے حکمران کو عظمت اور تقدس عطا کرے گا۔ جبکہ غیر یہود کے لیے ہماری تعلیمات اس کے برعکس ہوں گی۔ سیاسی غلطیوں اور جرائم کے مرتکب افراد کے ساتھ بے رحمی سے نمٹا جائے گا۔

پروٹوکول نمبر 19

پروٹوکول نمبر 19 کا تعلق عوام کے لیے اپیل کے حق، سیاسی جرائم پر مقدمات اور ان جرائم کی تشہیر سے ہے۔ یہودی بڑے کہتے ہیں کہ عوام کو اپیل کا حق نہ دینے کے باوجود اپنی انتظامیہ کی خامیاں اور کوتاہیاں جاننے کے لیے انہیں درخواستیں اور عرضداشتیں پیش کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ہماری رعایا کیا سوچتی ہے۔ عوامی قوت کی حامی تنظیم حکومت کے لیے باغیانہ تقریریں کرنے والوں کی حیثیت ہاتھی پر بھونکنے والے پالتو پلے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ کتے ان کی نظریں دیکھتے ہوئے ہی سہم جائیں گے اور دم ہلانا شروع کردیں گے۔

سیاسی جرائم کو بھی گھناؤنے اور اخلاقی جرائم کی طرح لیا جائے گا تاکہ ایسے جرائم کے مرتکب افراد کا وقار خاک میں مل جائے اور سیاسی جرائم کو بھی اخلاقی جرائم کی طرح قابل نفرت سمجھا جانے لگے۔ ہماری کوشش ہے کہ غیر یہود ایسے طریقے نہ جان سکیں جو ہم نے وضع کیے ہیں۔ ہم نے غیر یہود میں اس کے برعکس طریقے متعارف کرائے ہیں جن سے ان کے اندر لبرل ذہن کی ایک ایسی سوچ تیار ہوجائے گی جو ہمارے کام آئے گی بلکہ ہمارے لیے قربانی کے بکرے کے طور پر کام کرے گی۔

پروٹوکول نمبر 20

یہ مالیاتی حوالے سے پروٹوکول ہے جس میں ترقیاتی ڈیوٹی، سودی دستاویزات، سرمائے کے انجماد، کرنسی نوٹوں کے اجرا، زر اور افرادی قوت کے معیار سرکاری قرضوں، صنعتی شیئرز یا حصص، فضول رسموں کے خاتمہ، غیر یہودی حکمرانوں، درباری مخلوق پر نوازشات اور فری میسن ایجنٹوں کی بات کی گئی ہے۔

ان پروٹوکول کو تشکیل دینے والے کہتے ہیں کہ مالیاتی پروگرام انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہونے کے علاوہ ہمارے منصوبوں کا فیصلہ کن پہلو ہے کیونکہ تمام سرگرمیاں اعداد و شمار کی روشنی میں ہی تیار کی جائیں گی۔ دنیا کا اقتدار سنبھالنے کے بعد ہم بھاری ٹیکسوں کی احمقانہ پالیسی نہیں اپنائیں گے۔ اس وقت ہمارا کردار ایک باپ اور محافظ کا ہوگا۔ اخراجات کے لیے سرمایہ بہر صورت درکار رہتا ہے اور ہم خصوصی احتیاط کے ساتھ توازن کا حصول طے کریں گے۔ ہمارا اصول ہوگا کہ ریاست کی ہر شے کا مالک حکمران ہے لہٰذا ہر قسم کی رقوم بحق سرکار ضبط کی جاسکیں گی۔ دولت مندوں کو بتایا جائے گا کہ اپنی فاضل دولت ریاست کے حوالے کرنا ان کا فرض ہے کیونکہ انہیں جائیداد کے تحفظ اور جائز منافع کمانے کا حق ریاست کی طرف سے ہی ملے گا۔ املاک پر ریاستی کنٹرول قانونی ڈکیتی کے امکانات کو ختم کر دے گا اور اس سے امن عامہ کی ضمانت بھی ملے گی۔

بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بجائے غریبوں پر ٹیکس لگانا تباہ کن ہی نہیں ہوگا ان میں بغاوت کو بھی جنم دے گا۔ امیروں پر سے دولت کے غیر سرکاری ہاتھوں میں ارتکاز کو روکے گا۔ اس پالیسی سے غیر یہودی طاقتیں کمزور ہوں گی۔ انفرادی یا املاک پر ٹیکس کی نسبت بڑھتے ہوئے سرمائے پر ٹیکس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ موجودہ پراپرٹی ٹیکس غیر یہودیوں میں اضطراب کا باعث بنے گا۔ ہم ملکی ضرورتیں ان لوگوں سے پوری کریں گے جو اس کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ اس سے دولت مندوں کے خلاف غریبوں کے دل میں موجود نفرت بھی ختم ہوجائے گی۔

ہمارا حکمران ساری ریاستی جائیداد کا مالک ہوگا اس لیے اس کی کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہوگی ورنہ وہ حکمرانی کے حق سے محروم ہو جائے گا۔ حکمران ہی نہیں اس کے سارے رشتہ دار بھی سرکاری ملازم تصور ہوں گے۔ املاک کی خریداری اور فروخت پر ٹیکس لگے گا۔ ٹیکس دیئے بغیر املاک کی فروخت کی صورت میں ٹیکس معہ سود وصول کیا جائے گا۔ اس طرح غیر یہود ریاستوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ آمدنی ہوگی۔

سرکاری رقوم کی حد مقرر ہوگی۔ فاضل رقم زیر گردش رقم کے ساتھ شامل کر دی جائے گی اور تعمیر عامہ کے کام اسی سے ہوں گے۔ ایجادات کرنے اور پیداوار بڑھانے والوں کو اسی میں سے انعامات دیئے جائیں گے۔ ریاست کی آمدنی اور اخراجات کی دیکھ بھال کے لیے کورٹ آف اکاؤنٹس قائم کی جائے گی۔ حکمران وہ واحد شخص ہوگا جس کو لوٹ کھسوٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی لہٰذا ریاستی مالیات پر اس کا ذاتی کنٹرول فضول خرچی کو ختم کر دے گا۔ نظم ونسق اور انتظامی معاملات پر غور وفکر کی وجہ سے حکمران استقبالیہ یا سماجی تقریبات میں شریک نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ خوشامدیوں سے بچا رہے گا۔ ہم نے سرمائے کو گردش سے نکال کر غیر یہودیوں کے لیے خاصے معاشی بحران پیدا کیے ہیں۔

سرمائے کے ذخیرے جامد ہونے سے ریاستوں کو قرضوں کا سہارا لینا پڑ رہا ہے جس کا نتیجہ سود کے بوجھ تلے دب جانا ہے جس کی وجہ سے حکومتیں سرمائے کی غلام بن کر رہ گئی ہیں اور صنعتیں چھوٹے کی بجائے بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اور حکومت کا سرمایہ ان کی تجوریوں میں پڑا ہے۔ زر کا اجرا آبادی میں اضافے کے تناسب سے ہونا چاہیے لہٰذا ہم بچوں کو بھی روز اول سے ہی زر استعمال کرنے والوں میں شمار کریں گے۔

سونے کو زر کا معیار بنانے والی تمام ریاستیں تباہی سے دوچار ہیں۔ ہم نے سونے کی کافی مقدار گردش سے نکال لی ہے۔ مصارف کے لیے زر لکڑی یا کاغذ کی صورت میں یا پھر اشیا کے تبادلے کی شکل میں ہوگا۔ غیر یہود مالیاتی اداروں کی وجہ سے معیشت جس صورتحال

سے دوچار ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔ ان کی سب سے بڑی غلطی سال میں صرف ایک بجٹ بنانا ہے جو ہر سال بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہ بجٹ ختم ہو جاتا ہے جس کے بعد ضمنی بجٹ لانا پڑتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بجٹ دیوالیہ پن کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے غیر یہودیوں کے خزانے خالی رہتے ہیں۔ قرضے بڑھتے جاتے ہیں اور ریاستیں کنگال ہو جاتی ہیں۔ غیر یہود کو اقتصادی غلام رکھنے کے لیے ایسے طریقے ہم نے ہی پڑھائے ہیں مگر ہم خود ان کو بروئے کار نہیں لائیں گے۔

غیر ملکی قرضے ننگی تلواریں ہیں، یہ ایسی جونکیں ہیں جن کو جسم سے اتار پھینکنا ممکن نہیں۔ غیر یہودی ریاستیں ان کا بوجھ اتارنے کی بجائے اس میں اضافہ کرتی رہتی ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اپنے جسم کا تمام خون نچڑ جانے کے باعث وہ مکمل تباہی سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں قرضوں کا سود ہی اتارتی رہتی ہیں جبکہ اصل زر باقی رہتا ہے۔ اس سے نجات کے لیے غریب عوام پر ٹیکس لگا کر ان سے آخری پیسے بھی نکال لیے جاتے ہیں۔ غیر ملکی قرضے شروع ہوئے تو ریاستوں کی دولت ہماری تجوریاں بھرنے لگی۔ ہم غیر یہود سے مدد کی شکل میں خراج وصول کر رہے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے ہمیں پانی کی طرح پیسہ بہانا پڑا جبکہ آگ اور خون کے دریا بھی عبور کرنا پڑے۔ ہماری حکومت محض چھوٹے چھوٹے قرضے جاری رکھے گی جس سے ان جونکوں کو کچھ بھی نہیں ملے گا جو کسی بھی ریاست کا سارا خون پی جاتی ہیں۔

غیر یہود ہمارے قرضے اتارنے کی خاطر ہم سے ہی سود پر مزید قرضے لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ان کا فائدہ ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات ہم نے ہی ڈالی ہے۔ ہم ان خرابیوں کا قلع قمع کر دیں گے جس کی وجہ سے غیر یہود کو زیر بار ہونا پڑ رہا ہے۔ غیر یہود ہمارے مشورے سے رنگ رلیوں میں مصروف ہوئے اور مملکت سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔ انہیں عیاشیوں میں مبتلا رکھ کر در پردہ ان کی مملکتوں پر ہماری ہی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی لاپروائی کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے عوام کی محنت اور اپنی صنعتی صلاحیت کو ضائع کر دیا ہے۔

پروٹوکول نمبر 21

اس پروٹوکول کا تعلق بھی قرضوں اور سرمائے سے ہے۔ یہ ملکی قرضوں سے متعلق ہے جس میں واجبات، ٹیکس، تبادلہ زر، دیوالیہ ہو جانا، بچت کے بنک، زر کی منڈیوں کے خاتمہ اور مصنوعات کی قیمتوں کے تعین پر بحث کی گئی ہے...... کہا گیا ہے کہ یہودی ریاست غیر ملکی قرضے دے کر مالا مال ہوتی ہے لیکن یہ خود کوئی غیر ملکی قرضہ نہیں لے گی بلکہ ان معاملات میں خود کفیل ہوگی۔ ہم نے غیر یہود کی رشوت خوری، بدعنوانی، نااہلی اور ضمیر فروشی سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن ہم اپنے ساتھ کسی کو ایسا کھیل نہیں کھیلنے دیں گے۔

ملکی قرضوں کے حوالے سے حکومتیں سودی تمسکات کے ڈرامے کر کے اپنی تجوریاں ضرورت سے زیادہ بھر لیتی ہیں مگر بعد میں ادائیگی کے معاملے میں یہ امر تکلیف دہ بن جاتا ہے جس کے لیے مزید قرضے لینا پڑتے ہیں اور ٹیکس بھی لگائے جاتے ہیں۔ مالی سوجھ بوجھ رکھنے والی غیر یہود حکومتوں نے ہمیشہ نئی سرمایہ کاری پر مبادلے کے نقصانات اور سود میں کمی قبول کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح حکومتیں قرض اتارنے کے قابل ہو جاتی ہیں غیر ملکی قرضوں کے ساتھ ایسی چال نہیں چلی جا سکتی ایسی صورت میں ہم ساری رقم کی واپسی کا مطالبہ کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ دیوالیہ پن ہوتا ہے۔

سیونگ بینک ادا شدہ رقوم اور محفوظ سرمائے سے بنتے ہیں۔ یہ کچھ عرصہ تک حکومت کے پاس رہیں تو غیر ملکی قرضوں کا سود ادا کرنے کے کام آتے ہیں لیکن انہیں پورا کرنے کے یے متوازی رقوم کی ضرورت پڑتی ہے یہی رقوم غیر یہود کے خزانوں کے رازوں کی پیوندکاری کرتی ہے۔ ہماری عالمی حکومت اس قسم کے مالیاتی اور غیر مالیاتی جھگڑوں کو ختم کر دے گی۔ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ حکومتی وقار کے منافی ہوتا ہے اس لیے ہم زر کی منڈیوں کو ختم کر دیں گے۔ ان کی جگہ قرض کے لین دین کے سرکاری ادارے بنائے جائیں گے۔ یہ پانچ سو ملین کے تمسکات ایک ہی دن میں خریدنے یا فروخت کرنے کے اہل ہوں گے۔ اس طرح تمام سرگرمیوں کا انحصار ہم پر ہوگا جو ہمیں عظیم طاقت کا مالک بنا دے گا۔

پروٹوکول نمبر 22

اس پروٹوکول میں قوت زر کا ذکر ہے۔ اصل میں یہ گزشتہ چند پروٹوکولز کا تسلسل ہی ہے۔ اس کے مطابق اب تک ماضی، حال اور مستقبل کے اسرار و رموز کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ غیر یہود سے تعلقات اور مالی معاملات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔

آج وقت کی اہم ترین قوت سونا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم جس قدر سونا چاہیں اپنے گوداموں سے باہر لا سکتے ہیں۔ خدا نے حکومت ہمارے لیے مقرر کر دی ہے۔ اب تک ہم نے جو لڑائیاں کی ہیں ان کا مقصد ہر چیز کو نظم و ضبط کے تحت لانا ہے۔ اس کے لیے ہمیں کچھ تشدد بھی کرنا پڑے گا۔ ہم خود کو انسانیت کے سچے خیر خواہ ثابت کر دیں گے جنہوں نے زخموں سے چور چور انسانیت کو شخصی آزادی کا تحفہ دیا لیکن اس آزادی کے لیے ہمارے مرتب کردہ قوانین پر عملدرآمد لازمی ہوگا کیونکہ آزادی انتشار، بے راہ روی اور بے لگامی نہیں ہے۔ حقیقی آزادی سے مراد ہر شخص کی عزت و ناموس کا تحفظ ہے۔ دوسروں کے حقوق پورے کرنے کا مطلب اپنے فرائض ادا کرنا ہے۔

ہماری جاہ و جلال کی مالک حکومت فرمانروائی کے ساتھ رہنمائی بھی کرے گی۔ ہم نظم و ضبط کی معراج کے ذریعے انسانوں کو مسرتیں فراہم کریں گے۔ ہماری حکومت کا ہالہ نور لوگوں کے ضمیر روشن کرے گا جس سے باطنی طور پر ان میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا۔ تمام قومیں بھی خوف کی وجہ سے اس کو احترام دیں گی۔ حقیقی قوت (توبہ نعوذ باللہ) خدا کے ساتھ بھی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ اس کے قریب آنے کی بجائے خوف اور احترام کی وجہ سے اس کے ساتھ دوری ہی اختیار کی جاتی ہے۔

پروٹوکول نمبر 23

پروٹوکول نمبر 23 میں وہ طریقے بتائے گئے ہیں جن کو اپنا کر لوگوں کو اطاعت گزار اور فرمانبردار بنایا جائے گا۔ اس کے لیے سب سے پہلا طریقہ اشیائے تعیشات کی پیداوار میں کمی کو

بتایا گیا ہے۔تعیشات کے ساتھ مقابلے میں پیچھے رہ جانے والوں کے اخلاق کی ترویج اور ترقی کی بات بھی کی گئی ہے۔ اس کے مقابلے میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں خود کفالت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اس طرح بڑے صنعتکاروں کے ذاتی سرمایہ تلے ایک قسم کی سرنگ بنادی جائے گی جبکہ بڑے صنعتکار عوام کو حکومت کے خلاف کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دوسری جانب خود کفیل گھریلو صنعتکاروں کی وجہ سے حکومت کے ہاتھ مضبوط رہتے ہیں۔ بیروزگاری بھی تباہ کن ہوتی ہے اور ہمارے برسر اقتدار آنے تک بیروزگاری موجودہ حکومتوں کو کمزور کرنے میں اپنا کردار ادا کر چکی ہوگی۔

نشہ جرائم کو جنم دیتا ہے اسی لیے ہم شراب نوشی پر پابندی لگا دیں گے۔ عوام طاقتور اور خود مختار حکومت کے سامنے ہی سر جھکاتے ہیں۔ ایسی حکومت جو شورشوں سے محفوظ رکھ سکے اور بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکے۔ عوام اپنے حکمران کو طاقت اور قوت کا مجسمہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے حکمران کا سب سے پہلا کام شر پسندی کی آگ کو مکمل طور پر بجھانا اور موجودہ معاشرے کو تباہ کرنا ہوگا خواہ اس کے لیے خونریزی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ معاشرے کی ازسرنو تشکیل کے خلاف اٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ دیا جائے گا۔

خدا کے اس محبوب (ہمارے حکمران) کے انتخاب کا مقصد عقل اور منطق سے عاری اندھی بہری قوتوں کا خاتمہ ہے۔ پھر ان کے کھنڈرات پر ہمارے حکمران کا تخت سلطانی تعمیر ہوگا۔ اس وقت ہم دنیا سے کہہ سکیں گے کہ اللہ کا شکر ادا کرو جس نے ہمارے حکمران کی خود رہنمائی کی ہے۔

پروٹوکول نمبر 24

یہودی بڑوں کا تیار کردہ یہ آخری پروٹوکول ہے جس کا تعلق حکمرانی کی اہلیت سے ہے۔ اس میں عالمی سطح پر شاہ داؤدؑ کے خاندان کی حکومت کو مضبوط کرنے کا طریقہ کار بھی درج ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم انسانی فکر کی راہیں متعین کریں گے۔ جناب داؤدؑ کی نسل کے کچھ لوگ باہم مل کر

حکمرانوں اور ان کے وارثوں کا انتخاب کریں گے لیکن یہ وراثت موروثی نہیں ہوگی۔ ہم حکمرانوں کو امورِ مملکت کے راز بتائیں گے مگر خیال رکھیں گے کہ یہ راز انہی تک محدود رہیں۔ اس طرح باقی لوگوں کو علم ہو جائے گا کہ جہاں بانی کے فن کے خفیہ معاملات تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے یہ راز صدیوں کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ فطرت کے اٹل قوانین کی روح ان میں پھونک دی جائے گی۔

تربیت کے دوران کسی قسم کی غیر ذمہ داری، رحم دلی یا اسی طرح کے دوسرے معاملات کو اپنایا تو انہیں حکمرانی کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسے ممالک حکمرانی کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حکمرانوں کے رعب اور دبدبہ کے لیے بھی خطرناک ہیں۔ حکمرانی وہی کر سکیں گے جو ظلم و تشدد کر سکیں اور اس سلسلے میں کسی رعایت سے کام نہ لیں۔ حکمران کا طرزِ عمل اور مستقبل سے متعلق تجاویز ان کے قریب ترین مشیروں سے بھی پوشیدہ رہیں گی۔ ان کا علم صرف حکمران اور اس کے نائبین کو ہوگا۔ حکمران کو مقدر اور اس کے پراسرار مظاہر کا نمائندہ سمجھا جائے گا اور سب اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے۔ اقتدار سونپنے سے پہلے حکمرانوں کی اہلیت، قابلیت اور ذہنی وسعت کا امتحان بھی لیا جائے گا۔ عوام اور حکمرانوں کو ایک دوسرے سے قریب آنے کا موقع بھی دیا جائے گا۔

ہمارا بادشاہ یا حکمران اپنے جذبات خصوصاً شہوانی جذبات کا غلام نہیں ہوگا کیونکہ جنسی خواہشات ذہنی صلاحیت اور قوت فیصلہ کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ جناب داؤدؑ کی مقدس نسل کے اعلیٰ حاکم کو اپنے ذاتی جذبات کی قربانی دینا پڑے گی تاکہ بادشاہ کا کردار مثالی اور بے داغ ہو۔

یہ تھے یہودیوں کے پروٹوکول جن پر 33 ویں درجہ کے یہودی نمائندوں کے دستخط ہیں۔ اس درجے کے حامل نمائندوں کے بارے میں وضاحت گزشتہ ابواب میں دی جا چکی ہے۔

○

حصہ ہفتم

خوابیدہ مسلمان

اقلیت ظالم، اکثریت مظلوم

یہ حدیث پاک سنن ابوداؤد میں ہے اور اس کے راوی حضرت ثوبانؓ ہیں۔

آپؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ایک موقع پر فرمایا:

قریب ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر چڑھ آئیں گی اور ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح پیالے (کھانے) پر دعوت دی جاتی ہے۔ نبی کریمؐ کے اس فرمان پر ایک صحابیؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ اس زمانے میں ہم بہت کم تعداد میں ہوں گے جس پر آپؐ نے فرمایا کہ نہیں تم اس وقت بہت کثرت میں ہوگے لیکن تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر پھیلے ہوئے کوڑ کباڑ کی طرح ہوگی۔ باری تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے سینوں سے تمہارا رعب نکال دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ''وہن'' ڈال دے گا۔۔ جس پر ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! یہ ''وہن'' کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ دنیا کی محبت اور موت سے کراہت ہے۔

جی ہاں! کوڑ کباڑ...... دنیا سے محبت اور موت سے کراہت ...... اور واقعی تمام قومیں ہم پر چڑھ آئی ہیں۔ جیسے ہم بکریوں کا ریوڑ ہیں۔ جدھر جی چاہا ہمیں ہانک لیا گیا۔ یہ حدیث مبارکہ 14 صدی قبل کی ہے اور غالباً آج ہی کے لیے کہی گئی تھی کیونکہ آج یہ حرف بحرف ہم پر صادق آرہی ہے...... نبی کریمؐ کو تو ہر دور اور ہر زمانے کے حالات کا پوری طرح علم تھا۔ آپؐ آگاہ تھے کہ کب کیا ہونے والا ہے بلکہ ایک بار تو جناب رسول اللہؐ نے مسجد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ کو آنے والے وقتوں کے مکمل حالات سے آگاہ بھی فرمایا تھا۔

یہاں ہم بات صرف آج کی کر رہے ہیں۔ اس وقت دنیا کی مجموعی آبادی سات ارب

سے زیادہ ہے جس میں دو مذاہب اکثریتی ہیں۔ یہ دونوں اسلام اور عیسائیت ہیں۔ چند سال پہلے تک عیسائیت دنیا کا غالب مذہب تھا مگر آج صورتحال یہ نہیں۔ اسلام اگر غالب نہیں تو عیسائیت سے کم بھی نہیں۔ اگرچہ سروے بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد اب عیسائیوں سے بڑھ چکی ہے لیکن ان سروے رپورٹوں کے برعکس ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس وقت دونوں برابر ہیں۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ آنے والے سالوں میں مسلمان غالب اکثریت میں ہوں گے۔ بتایا یہ جارہا ہے کہ زیادہ شرح پیدائش اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی بڑی تعداد میں تبدیلی مذہب کی بناپر مسلمان تیزی سے آگے جارہے ہیں جبکہ کم شرح پیدائش کی وجہ سے دیگر تمام مذاہب کی تعداد کئی برسوں سے بڑھ نہیں سکی اور بعض صورتوں میں تو کم ہوئی ہے کیونکہ ان مذاہب سے بیزاری اور اسلام سے محبت کا رجحان پیدا ہورہا ہے۔ جہاں تک شرح پیدائش کا معاملہ ہے۔ مسلمانوں میں یہ اضافہ 1.84 فیصد سالانہ اور عیسائیوں میں 1.13 فیصد ہے۔

چند سال قبل تک عیسائی دو ارب سے زیادہ تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ارب بھی نہیں تھی مگر اب صورتحال یہ ہے کہ 2014ء کے جائزوں کے مطابق خصوصاً مغرب اور امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے۔

ایک تنظیم CAMEQIE ENDOMENT FOR INTERNATIONAL PEACE نے مذاہب کی آبادی کے اعتبار سے جو شرح دی ہے اس کے مطابق 2014ء میں مسلمان 29 فیصد، عیسائی 28 فیصد، ہندو 13.8 فیصد اور بدھ 6.77 فیصد ہیں۔ یہودی ان سب سے کم یعنی صرف 5.22 فیصد ہیں۔ اس کے علاوہ لادین افراد کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے جبکہ چینی مذاہب (394 ملین) اور افریقی مذاہب (100 ملین) میں ہیں۔

ہندوؤں کی تعداد ایک ارب سے بھی کم یعنی نوے کروڑ ہے۔ سکھ سوا دو کروڑ سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔ ان دونوں مذاہب کی غالب تعداد کا مسکن بھارت ہے۔ اس ملک سے باہر ہندو اور سکھ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہوں گے۔

یہودیوں نے ساری دنیا میں فتور مچا رکھا ہے۔ خصوصاً عالم اسلام ان کے نشانے پر ہے

حالانکہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ یہودیوں کو مسلمانوں سے بہت کم نقصان پہنچا ہے۔ ماضی میں دور تک چلے جائیں تو بخت نصر سے لیکر ہٹلر تک یہودیوں کا قتل عام عیسائیوں اور دیگر کے ہاتھوں ہوا مگر انہوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن نمبر ایک سمجھ لیا ہے۔ یہ درست بھی ہے کہ ان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں۔

اس سے پہلے ذکر آ چکا ہے کہ بین الاقوامی تنظیموں کے سروے عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ بتاتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ صورتحال نہیں ہے۔ غلط یا درست ان جائزوں کے مطابق دنیا کی کل آبادی میں مسلمانوں کی تعداد 29 اور عیسائیوں کی 28 فیصد ہے۔ لیکن سروے کرنے والوں نے قادیانیوں کو بھی مسلمانوں کا حصہ ظاہر کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک مسلم آبادی میں یہ ایک فیصد ہیں...... یہ کتنے فیصد بھی ہوں، مسلم آبادی کا حصہ نہیں بن سکتے۔ ساری اسلامی دنیا اس امر کو تسلیم کرتی ہے۔ اگر نہیں کرتا تو مغرب نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بیج اسی کا بویا ہوا ہے۔ انہیں پروان چڑھانے کے پس پردہ اسی کے عزائم ہیں اور ان عزائم سے ساری دنیا آگاہ ہے کہ یہ مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کی گھناؤنی سازش تھی جسے اہل اسلام نے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ لہٰذا انہیں مسلمانوں کی صفوں میں سے خارج کر کے ہی مسلمانوں کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس نام نہاد ایک فیصد کے اخراج کے بعد مسلمان بھی 28 فیصد ہی رہ جائیں گے۔

اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمان ذلیل و رسوا کیوں ہو رہے ہیں......؟ محمد عربی کو معلوم تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے کرتوتوں کے سبب یہ ذلت و خواری ہمارے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ آج ہم سب اپنے اپنے دامن کی جانب دیکھیں تو شاید ہی کہیں اجلا پن نظر آئے ورنہ تو ہر دامن پر داغ ضرور ہوں گے۔ کہیں کم کہیں زیادہ...... ذلت کی یہ مہریں ہم اپنے ساتھ ساتھ لیے پھر رہے ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ ہمارے رہنما ہی نہیں ہم سب اپنے اپنے مفادات کے سوداگر بن چکے ہیں۔ دور نہ جائیں۔ ماضی قریب اور حال کو ہی دیکھ لیں۔

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ ہماری نئی نسل اس سے آگاہ ہی نہیں جبکہ پرانی نسل اسے طاق نسیاں میں رکھے بیٹھی ہے۔

افغانستان کو تہس نہس کر دیا گیا بلکہ ابھی تک کیا جارہا ہے۔

دہشت گردی کے ذریعے پاکستان کا حلیہ بگاڑنے کی کوششیں کی گئیں اور ہو رہی ہیں۔

بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام معمول کی بات ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں کسی کی عزت اور جان و مال محفوظ نہیں۔

عراق کو دوبارتاخت و تاراج کیا گیا۔عراقیوں کی مصیبتوں کے دن ابھی کٹے نہیں۔

لیبیا کو مسل کر رکھ دیا گیا۔

شام کی خانہ جنگی کو مسلسل ہوا دی جارہی ہے۔

مصر میں ایک اور قسم کا فساد برپا ہے۔

بوسنیا اور چیچنیا میں کیا کچھ نہیں ہوا۔

میانمار کے مسلمان نقش فریادی ہیں۔

دنیا کا کون سا ایسا خطہ ہے جہاں مسلمان ظلم نہیں سہہ رہے۔لیکن ظلم کے سامنے سینہ سپر نہ ہونے والا تو خود ظالموں کی صف میں ہوگا۔

اور پھر ہمارا اصل موضوع...... اسرائیل...... منہ زور ہے۔کوئی اسے لگام ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لے رہا۔ اس نے پورے خطے میں افراتفری مچا رکھی ہے...... معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانا معمول بن چکا ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ کوئی ہمارے لیے کیوں پریشانی میں پڑے گا۔

پونے دو ارب مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں کی تعداد ہی کتنی ہے......؟ صرف ڈیڑھ کروڑ جس میں مرد و زن سب شامل ہیں۔

ہندوؤں کی کل آبادی کتنی ہے......؟ صرف نوے کروڑ

بدھوں کی گنتی کیا ہے......؟ صرف ساڑھے 37 کروڑ...... وہ بھی سارے کے سارے

میانمار میں نہیں رہتے۔ بہت معمولی سی تعداد ہے وہاں ان کی۔

اتنی بڑی تعداد کے باوجود ہم مظلوم ہیں...... ظالم کی گنتی تو بہت مختصر ہے...... ہم خدا کے حضور کیا جواب دیں گے۔ وہاں ہم کوئی فریاد کرسکیں گے...... ہمیں شرم نہیں آئے گی۔ بقول سلطان صلاح الدین ایوبیؒ ہم نے اپنی تلواروں کو محض لوہے کا ایک ٹکڑا بنالیا ہے۔

دوبارہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی گنتی کی جانب آتے ہیں کہ مسلمان مسلسل اکثریت جبکہ نصرانی اقلیت میں جارہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی مسلسل عمل نہیں۔ عیسائی یا نصرانی آج اقلیت ہیں تو کل وہ اکثریت بھی بن سکتے ہیں۔ ان کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہوسکتی ہے بلکہ ہوجائے گی...... اسی سلسلے میں ایک حدیث پاک موجود ہے۔ مناسب ہوگا کہ اسے بیان کردیا جائے۔

مسلم کی کتاب الفتن کے مطابق حضرت مستورد قرشیؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی موجودگی میں کہا میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک نصاریٰ (عیسائی) تمام لوگوں سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان سے کہا کہ غور کرو کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے کہا میں وہ کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے۔ حضرت عمروؓ نے کہا اگر تو یہی کہتا ہے تو ان میں چار خصلتیں ہوں گی۔ وہ آزمائش کے وقت لوگوں میں سب سے بردبار ہوں گے۔ اور مصیبت کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ جلدی اس کا ازالہ کرنے والے ہوں گے اور بھاگنے کے بعد سب سے پہلے حملہ کرنے والے ہوں گے اور لوگوں میں سے مسکین، یتیم اور کمزور کے لیے بہترین ہوں گے اور پانچویں خصلت نہایت عمدہ یہ ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ بادشاہوں کو ظلم سے روکنے والے ہوں گے۔

ایک دوسری جگہ ایک حدیث پاک دی گئی ہے جس میں مسلمانوں اور رومیوں (عیسائیوں) میں خوفناک جنگ کی خبر ہے۔ اس جنگ میں شریک ایک تہائی مسلمان شہید ہوجائیں جو افضل شہداء ہوں گے۔ ایک تہائی بھاگ جائیں گے جن کی توبہ کبھی قبول نہیں کی

جائے گی اور رومیوں کی کثرت کے باوجود ایک تہائی فتح حاصل کر کے آئیں گے جن کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس حدیث پاک میں آخری دن (چوتھے دن) کی لڑائی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ باقی اہل اسلام ان پر حملہ کر دیں گے اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا کہا کہ ویسی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ یہاں تک کہ پرندے بھی ان کے پہلوؤں کے پاس سے گزریں گے تو آگے نہ بڑھ سکیں گے۔ یہاں تک کہ مردہ ہو کر گر پڑیں گے اور ایک باپ کی اولاد کو شمار کیا جائے گا تو وہ سو ہوں گے اور ان میں سے ایک کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔

یہ احادیث مبارکہ اپنی جگہ۔ ہم ایک اور حدیث پاک کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو کوئی بھی مسلمان اس کی سختیاں برداشت کرنے کے لیے موجود نہیں ہوگا۔ بزرگان دین کا بھی کہنا ہے کہ جب تک روئے زمین پر اللہ کا ایک بھی جان لیوا موجود ہے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔

مسلم میں ہی حضرت یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے سنا اور ان کے پاس ایک آدمی نے آ کر عرض کیا کہ یہ حدیث کیسے ہے جسے آپؓ روایت کرتے ہیں کہ قیامت اس اس طرح قائم ہوگی تو انہوں نے کہا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ کہا کہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ میں کسی نے کبھی کوئی حدیث روایت نہیں کروں گا۔ میں نے تو یہ کہا تھا: عنقریب تھوڑی ہی مدت بعد ایک بہت بڑا حادثہ دیکھو گے جو گھر کو جلا دے گا اور جو ہونا ہے وہ ضرور ہوگا۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال میری امت میں خروج کرے گا اور ان میں چالیس ٹھہرے گا اور میں نہیں جانتا کہ چالیس دن، چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا۔ گویا کہ وہ عروہ بن مسعودؓ ہیں (یعنی ان کے مشابہ ہوں گے) تو وہ تلاش کر کے دجال کو قتل کر دیں گے۔ پھر لوگ سات سال اس طرح گزاریں گے کہ کسی بھی دو افراد کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے زمین پر کوئی بھی ایسا

شخص باقی نہیں رہے گا کہ اس کی روح قبض کر لی جائے گی، جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی پہاڑ کے اندر داخل ہوگیا تو وہ اس میں اس تک پہنچ کر اس کی روح قبض کر کے ہی چھوڑے گی...... اسے میں نے رسول اللہؐ سے سنا۔ پھر برے لوگ ہی باقی رہ جائیں گے۔ جو چڑیوں کی طرح جلد باز اور بے عقل درندہ صفت ہوں گے۔ وہ کسی نیکی کو نہ پہچانیں گے اور نہ کسی برائی کو برائی تصور کریں گے۔ ان کے پاس شیطان کسی بھیس میں آئے گا تو وہ کہے گا: کیا تم میری بات نہیں مانتے......؟ تو وہ کہیں گے کہ تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے۔ تو شیطان انہیں بتوں کی پوجا کرنے کا حکم دے گا اور وہ اسی بت پرستی میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ ان کا رزق اچھا ہوگا اور ان کی زندگی عیش و آرام کی ہوگی۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ جو بھی اس کی آواز سنے گا وہ اپنی گردن کو ایک طرف جھکانے لگا اور دوسری طرف سے اٹھالے گا۔ اور جو شخص سب سے پہلے صور کی آواز سنے گا وہ اپنے اونٹوں کا حوض درست کر رہا ہوگا۔ وہ بیہوش ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی بیہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ بھیجے گا یا اللہ شبنم کی طرح بارش نازل کرے گا جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے۔ پھر صور دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھتے ہوں گے پھر کہا جائے گا: اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ اور ان کو کھڑا کرو۔ ان سے سوال کیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا دوزخ کے لیے ایک جماعت نکالو تو کہا جائے گا کہ کتنے لوگوں کی جماعت۔ تو کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ آپؐ نے فرمایا یہ وہ دن ہوگا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور اس دن پنڈلی کھول دی جائے گی۔

تو قیامت کے وقت مسلمانوں اور مشرکوں کی یہ صورتحال ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جن کو روز قیامت اور اس کے بعد کی سختیاں برداشت نہیں کرنا پڑیں گی۔ (آمین)

○

کہاں کہاں کتنا ''کوڑ کباڑ''

گزشتہ باب کے ابتدا میں ایک حدیث پاک دی گئی ہے۔اس حدیث میں ایک وقت کے مسلمانوں کو تعداد میں کثیر مگر سیلاب کے اوپر کوڑ کباڑ قرار دیا گیا۔ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ہی کا دور ہے۔کیونکہ مسلمانوں کی جتنی کثیر تعداد آج موجود ہے۔پہلے کبھی نہیں تھی......مگر یہ کثیر تعداد دوسروں کی دست نگر اور مظلومیت کا لبادہ اوڑھے مارے مارے پھر رہی ہے۔پہلے ایسی صورتحال کبھی نہیں تھی۔

یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ دنیا میں کوئی اور مذہب عملی طور پر ہماری ہمسری نہیں کرتا۔49 ممالک میں ہم اکثریت میں ہیں۔بعض جگہ تو قریباً سو فیصد ہیں۔براعظم افریقہ میں ہم سب سے زیادہ اور ایشیا میں بڑی تعداد میں ہیں۔اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ارکان کی تعداد 59 ہے۔5 ممالک کو مبصر کا درجہ حاصل ہے۔کئی تنظیمیں بھی یہی سٹیٹس رکھتی ہیں۔بہت سے ممالک نے رکنیت کی درخواست دے رکھی ہے۔اس سب کچھ کے باوجود ہماری حیثیت کوڑ کباڑ کی نہیں تو پھر کیا ہے۔

اسلامی کانفرنس تنظیم سے پہلے مختلف براعظموں میں مجموعی آبادی اور اس میں مسلمانوں کی تعداد کا جائزہ لے لیا جائے تو 2014ء میں یہ اسی طرح سے تھا۔

	نام براعظم	کل آبادی (ملین میں)	مسلم آبادی (ملین میں)	تناسب
-1	افریقہ	1096.6	581.58	53.4فیصد
-2	ایشیا	4319.96	1389.5	32.16فیصد
-3	یورپ	739.31	56.18	7.6فیصد

4-	شمالی امریکہ	469.1	8.04	1.8 فیصد
5-	جنوبی امریکہ	485.5	2.07	0.42 فیصد
6-	آسٹریلیا	38.04	1.77	0.67 فیصد
کل تعداد		7151.51	2038.04	28.26 فیصد

اب دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم اسلامی کانفرنس کی جانب آتے ہیں جو 1969ء میں قائم کی گئی اور اس کی پہلی سربراہ کانفرنس مراکش کے دارالحکومت رباط میں بلائی گئی جہاں شاہ حسن پوری اسلامی دنیا کے میزبان تھے۔ یہ کانفرنس 24 ستمبر 1969ء کو شروع ہوئی تو میزبان ہی نہیں سارے اسلامی سربراہوں کو ایک عجیب صورتحال کا سامنا کرنا پڑا بلکہ سب پریشان ہو کر رہ گئے کہ اس معاملے کو کیسے سنبھالا جائے کیونکہ یہ انتہائی حساس اور سنگین نوعیت کا تھا۔

یہ معاملہ کیا تھا......؟

ایک چھوٹا سا قصہ سن لیں۔ جب کانفرنس ہال سجا اور اس میں سربراہوں کی آمد شروع ہوئی تو بھارتی وفد بھی وہاں موجود تھا۔ بھارت نے ساری اسلامی دنیا کے منہ پر اس طرح سے طمانچہ مارا کہ اس نے اپنے وفد کی سربراہی ایک سکھ کے حوالے کر دی۔ مراکش میں بھارت کا سفیر گوربچن سنگھ بھارتی وفد کو لیکر بڑے طمطراق کے ساتھ کانفرنس ہال میں بیٹھا تھا۔ دوسری جانب مسلم سربراہ بھی آ رہے تھے۔ سعودی عرب کے شاہ فیصل، ایران کے شاہ رضا شاہ پہلوی، اردن کے شاہ حسین سب پہنچ گئے۔ پاکستانی وفد کی سربراہی جنرل یحییٰ خان کر رہا تھا۔ وہ بھی ہال میں داخل ہوا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر وفود پر نظر ڈالی تو اس کی نگاہ بھارتی وفد پر ٹک سی گئی۔ وہاں ایک سکھ کو بیٹھے دیکھ کر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا...... وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا وہ تمام وفود اور مندوبین کو مخاطب کرتے ہوئے بولا...... میں اس شخص کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتا ہوں جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں...... اتنا کہہ کر یحییٰ خان نے

کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا اور اشتعال کے عالم میں ہال سے باہر نکل گیا۔ تمام سربراہ حیران و پریشان تھے کہ یہ کیا ہوگیا..... کےکے بعد دیگرے سب نے یحییٰ خان کو منانے کی کوشش کی مگر اس نے کسی کو بھی سننے سے انکار کر دیا۔

تب مراکش کی حکومت حرکت میں آئی۔ اس نے فوری طور پر گوربچن سنگھ کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دیکر ملک سے چلے جانے کا حکم دیدیا جبکہ بھارتی وفد کو بھی کانفرنس ہال سے نکال دیا گیا۔ اس اقدام نے یحییٰ خان کا اشتعال ختم کیا..... وہ کانفرنس میں واپس آیا..... اس نے وہاں جو معرکتہ الارا تقریر کی..... جس جوش و جذبے سے اپنی بات دوسروں تک پہنچائی وہ سارے عالم اسلام کے دل پر نقش ہوگئی..... یوں اس واقعہ کی بنا پر یحییٰ خان نے پاکستانیوں کے ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کے دل جیت لیے۔

اسی یحییٰ خان نے بعد میں کیا کیا.....؟ یہ ایک دوسری کہانی ہے۔ اسے بیان کرنے سے دل کے درد میں اضافہ ہوگا۔

کاش! یحییٰ خان بعد میں بھی ایسا ہی رہتا۔

کاش! ہم اسی طرح دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہتے۔

کاش! ہماری اسلامی حمیت بیدار رہتی تو آج ہم دنیا میں ذلت و رسوائی کا طوق نہ پہنے ہوتے بلکہ اللہ اکبر کی للکار دشمنوں کے دلوں کو دہلا دیتی۔

اب اسلامی کانفرنس تنظیم کی جانب واپس آتے ہیں جو 1969ء میں رباط میں باقاعدہ طور پر قائم ہوگئی۔ آج اس کے ارکان کی تعداد 57 مگر ابتدا میں 24 تھی۔ باقی ارکان اور تنظیمیں بعد میں شامل ہوئیں۔ یہاں اس تنظیم کے ارکان کی قوت و استعداد کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ ذیل میں 2014ء میں ان کی کل آبادی مسلم آبادی اور تنظیم کی رکنیت کے سال کا ذکر ہے۔

نمبر شمار	ملک	کل آبادی	مسلم آبادی	رکنیت کا سال
-1	افغانستان	34,000,000	34,000,000	1969
-2	الجزائر	38,300,000	38,190,000	//
-3	چاڈ	12,200,000	6,100,000	//
-4	مصر	81,748,000	80,470,000	//
-5	جمہوریہ گنی	108,24,200		//
-6	انڈونیشیا	248,500,00	218,680,000	//
-7	ایران	76,100,000	75,740,000	//
-8	اردن	7,300,000	6,860,000	//
-9	کویت	3,500,000	2,980,000	//
-10	لبنان	4,800,000	2,870,000	//
-11	لیبیا	6,500,000	6,440,000	//
-12	ملائیشیا	29,800,000	18,000,000	//
-13	مالی	15,500,000	13,590,000	//
-14	موریطانیہ	3,700,000	3,700,000	//
-15	مراکش	33,600,000	32,260,000	//
-16	نائجر	16,900,000	16,060,000	//
-17	پاکستان	190,700,000	183,640,000	//
-18	فلسطین	4,400,000	4,310,000	//
-19	سعودی عرب	30,600,000	30,100,000	//
-20	سینیگال	13,500,000	12,690,000	//
-21	صومالیہ	10,500,000	10,400,000	//

-22	سوڈان	34,200,000	33,170,000	//
-23	تیونس	10,900,000	10,790,000	//
-24	ترکی	76,100,000	75,950,000	//
-25	یمن	25,200,00		//
-26	بحرین	1,100,000	940,000	1970
-27	اومان	4,000,000	3,960,000	1970
-28	قطر	2,700,00	1,710,000	1970
-29	شام	21,900,000	19,710,000	//
-30	عرب امارات	9,300,000	7,070,000	1971
-31	سیرالیون	6,200,000	3,720,000	1972
-32	بنگلہ دیش	171,360,000	154,910,000	1974
-33	گبون	171100	------	//
-34	زمبیا	1,900,000	1,710,000	//
-35	گنی بساؤ	1,700,000	850,000	//
-36	یوگنڈا	34,000,000	12,080,000	//
-37	برکینافاسو	18,000,000	10,890,000	1975
-38	کیمرون	21,500,000	5,160,000	//
-39	کوموروز	800,000	780,000	1976
-40	عراق	35,100,000	34,500,000	//
-41	مالدیپ	400,000	400,000	//
-42	جیبوتی	900,000	860,000	1978
-43	بینن	9,600,000	2,340,000	1982

-44	برونائی دارالسلام	400,000	270,000	1984
-45	نائیجیریا	173,600,000	121,520,000	1986
-46	آذربائیجان	9,400,000	8,780,000	1991
-47	البانیہ	7,800,000	2,240,000	1992
-48	کرغیزستان	5,700,000	4,280,000	//
-49	تاجکستان	8,100,000	7,290,000	//
-50	ترکمانستان	5,290,000	4,630,000	//
-51	موزمبیق	24,300,000	4,860,000	1994
-52	قازقستان	17,000,000	11,930,000	1995
-53	ازبکستان	30,200,000	26,580,000	//
-54	سری نام	600,000	117,600	1996
-55	ٹوگو	6,200,000	3,100,000	//
-56	گیانا	78,100,000	11,750,000	//
-57	ایوری کوسٹ	21,100,000	8,140,000	2001

اسلامی کانفرنس کا ایک رکن زنجبار بھی تھا۔ مگر اس نے 1993ء میں رکنیت سے دستبرداری اختیار کرلی۔ یہ واحد ملک ہے جس نے تنظیم میں رہنا پسند نہیں کیا۔ یقیناً اس پر کسی قسم کا داخلی یا خارجی دباؤ ہوگا۔

اب ہم مبصر ممالک کا جائزہ لیتے ہیں جن کی تعداد اس وقت پانچ ہے۔ ان میں ماضی کی سپر طاقت روس بھی شامل ہے۔ مبصر ممالک کی صورتحال اس طرح سے ہے۔

نمبر شمار	ملک	کل آبادی	مسلم آبادی	مبصر کب بنا
1	شمالی قبرص	2,94,906	210,000	1979ء
2	جمہوریہ وسطی افریقہ	4,709,000	0,710,000	1997ء

3	بوسنیا ہرز گوینا	3791622	2,280,000	1994ء
4	تھائی لینڈ	64,456,700	6,620,000	1998ء
5	روس	146048500	27,270,000	2005ء

دنیا کے بہت سے دوسرے ممالک میں بھی مسلمان موجود ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا ملک ہوگا جس میں مسلم آبادی نہ ہو۔ مسلم دنیا کے باہر مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد بھارت میں ہے۔ اس ملک کی کل آبادی 1276 ملین اور مسلمانوں کی تعداد 255.30 ملین ہے جبکہ چین میں یہ تعداد 135.74 ہے۔ چین کی آبادی کا ذکر کریں تو دنیا میں اتنی آبادی کسی اور ملک کی نہیں۔ بہت سے براعظم چین سے بہت کم آبادی رکھتے ہیں۔ اس کی آبادی 1357 ملین سے زیادہ ہے۔ دیگر ممالک کی صورتحال یہ ہے:

میانمار 8 ملین، سنگاپور 0.86 ملین، کینیڈا 1.06، امریکہ 6.67 ملین، فرانس 6.13 ملین، جرمنی 4.3 ملین، اٹلی 1.55 ملین، کوسوو 1.62 ملین، میساڈونیا 0.73 ملین، مونٹی نیگرو 0.11 ملین، سپین 1.07 ملین، ایتھوپیا 44.60 ملین، گنی 10.03 ملین، کینیا 14.59 ملین، لائبیریا 1.54 ملین، ملادی 5.87 ملین، میوٹ 0.20 ملین، تنزانیہ 27.1 ملین، زمبیا 2.13 ملین، بھوٹان 0.04 ملین، سری لنکا 2.10 ملین، نیپال، مغربی صحارا، اسرائیل، جنوبی افریقہ، ارجنٹائن، ہالینڈ اور بلغاریہ میں ایک ملین سے زیادہ مسلمان ہیں۔ دنیا کے کچھ دوسرے حصوں میں بھی مسلمان موجود ہیں جن کی تعداد ایک کروڑ کے قریب بتائی گئی ہے۔ یہ مسلمان زیادہ بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ ایک کروڑ محض اندازہ ہے۔

اگرچہ ان سارے اعداد و شمار کو حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ سرکاری طور پر جاری کردہ نہیں بلکہ یہ این جی اوز یا تھنک ٹینکس کی طرف سے جاری کردہ ہیں تاہم کہیں کوئی فرق ہے تو وہ کوئی خاص یا قابل ذکر نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی بڑی وجہ ان میں شرح پیدائش اور تبدیلی مذہب ہے۔ دنیا کے کسی اور مذہب میں ایسا نہیں ہو رہا۔ دوسرے مذاہب میں شرح پیدائش کم جبکہ تبدیلی مذہب قریباً صفر ہے۔ اس وقت عالمی سطح پر شرح پیدائش 1.1

فیصد جبکہ مسلمانوں میں یہ 1.8 فیصد ہے۔ اگرچہ 2050ء تک یہ کم ہو کر ایک فیصد رہ جائے گی مگر ساتھ ہی عالمی شرح بھی 0.4 فیصد پر آجائے گی یعنی مسلمانوں میں شرح پیدائش عالمی پیمانے سے بہت زیادہ ہوگی۔ اس تبدیلی سے جو مسلمان ملک سب سے زیادہ متاثر ہوں گے ان میں انڈونیشیا، پاکستان اور بنگلہ دیش شامل ہوں گے جو کثیر مسلم آبادی والے ممالک ہیں۔ 2050ء تک ان کی آبادی میں اضافہ وہ نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔

اسلامی ممالک کی چند سال پیشتر کی آبادی کا تو گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کثیر مسلم آبادی والے ممالک کی 1950ء میں کیا صورتحال ہوگی۔ یہاں ایسے دس ممالک کی آبادی کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو اس طرح سے ہے۔

نمبر شمار	ملک	2010 میں مسلم آبادی	عالمی تناسب	2050 میں متوقع	مسلم آبادی میں تناسب
-1	انڈونیشیا	209,120,000	13.1	256,820,000	
-2	بھارت	176,200,000	11.00	310,660,000	
-3	پاکستان	167,410,000	10.5	273,110,000	
-4	بنگلہ دیش	134,430,000	8.4	182,360,000	
-5	نائیجیریا	77,300,000	4.8	230,700,000	
-6	مصر	76,990,000	4.6	119,530,000	
-7	ایران	73,570,000	4.6	86,190,000	
-8	ترکی	71,330,000	4.5	89,320,000	
-9	الجزائر	34,730,000	2.2		
-10	مراکش	31,930,000	2.00		

20509ء تک الجزائر اور مراکش دس ممالک سے باہر ہو جائیں گے اور ان کی جگہ عراق اور افغانستان لے لیں گے جن کی متوقع آبادی ان سے بڑھ جائے گی۔ ان کی آبادی اس طرح

سے ہوگی۔

1- عراق 80.190,000 کل مسلم آبادی میں حصہ 2.9 فیصد

2- افغانستان 72,190.000 2.6 فیصد

2010ء میں دنیا کی کل آبادی میں مسلم آبادی کا حصہ 24 فیصد جبکہ 2014ء میں بڑھ کر 28 فیصد ہوگیا تھا۔ ہم صرف اسلامی کانفرنس تنظیم کے ممالک کی مسلم آبادی کا جائزہ لیں تو وہ ایک ارب 65 کروڑ کے قریب ہوگی۔ اس سے باہر کے ممالک کی مسلم آبادی اس میں شامل نہیں۔ عالمی جائزوں کے مطابق 2030ء میں مسلم آبادی دو ارب اکیس کروڑ 2040ء میں اڑھائی ارب اور 2050ء میں قریباً دو ارب اسی کروڑ ہوگی۔ اس وقت کل عالمی آبادی میں مسلمان تیس فیصد ہوں گے۔ ان کے مقابلے میں باقی تمام مذاہب کی آبادی میں اضافے کی بجائے کمی ہوگی لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ 2050ء میں مذہبی بنیادوں پر مسلمان سب سے زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے مذاہب کے مقابلے میں یہ ایک تہائی سے تھوڑے ہی کم ہوں گے اور دنیا میں اس وقت دو چار نہیں بڑی تعداد میں مذاہب موجود ہیں۔

افریقی صحارہ میں اس وقت مسلم آبادی سولہ فیصد ہے 2050ء تک ریجن میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور یہ چوبیس فیصد ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایشیا بحرالکاہل ریجن میں یہ ہندوؤں سے بڑھ جائیں گے جبکہ شمالی امریکہ میں شرح پیدائش دوگنا یعنی ایک سے بڑھ کر دو فیصد ہو جائے گی۔

یہ ہے صورتحال مسلمانوں کی ...... یہ تعداد میں بہت ہی کم تھے تو دنیا ان کے نام سے لرزتی تھی۔ اب یہ بہت زیادہ ہیں تو قریباً ہر خطے اور ہر علاقے میں اغیار اور کفار سے لرزیدہ ہیں...... خوفزدہ ہیں...... ڈرے ہوئے ہیں...... سہمے ہوئے ہیں...... محمد عربی کی امت کا یہ حال ...... ! اللہ کی پناہ...... اس کی وجہ کوئی اور نہیں، ہم خود ہیں، ہمارے اعمال و افعال ہیں، ہمارا کردار ہے۔۔۔

ہمارے سوچنے کا مقام ہے کہ صورتحال کہاں تک آن پہنچی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ عیسائیوں

کی تعداد کم ہوگی یا زیادہ...... ہم تو اکثریت کے باوجود ''مظلوم'' ہیں اور کفار اقلیت کے باوجود ظالم...... گزشتہ باب میں نصاریٰ کے حوالے سے حدیث مبارکہ میں جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ ہم میں موجود نہیں۔ ہم تو بس ایک ریوڑ بن کر رہ گئے ہیں جسے ایک ہی گڈریا ہانک سکتا ہے۔ ہماری ہی خامیوں...... کوتاہیوں...... نالائقیوں اور نااہلی کے باعث وہ خوبیاں دوسرے سمیٹ رہے ہیں جن کے حامل ہمیں ہونا چاہیے تھا۔

بہرحال......! آج صورتحال مایوس کن ہے تو کل ہمارے لیے نوید بن کر بھی آسکتی ہے...... احادیث مبارکہ کی روشنی میں یقیناً ایسا ہی ہوگا۔

لیکن......! باری تعالیٰ اس وقت ہماری مدد کرے گا جب ہم اس کے احکامات کو بجالائیں گے اور خود اپنی مدد پر کمربستہ ہوجائیں گے۔



5 مما لک کو 14 بنانے کی سازش

اسرائیل کے عزائم، ارادوں اور سازشوں سے آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ وہ ان پر کس طرح سے عمل کرنا چاہتا ہے۔ان کو کیونکر روبہ عمل لانا چاہتا ہے...... ایک منصوبہ ہمارے سامنے موجود ہے۔29 ستمبر 2013ء کے نیویارک ٹائمز میں رابن رائٹ نے سنڈے ریویو میں تجزیہ پیش کیا ہے ظاہر ہے یہ تجزیہ بے بنیاد نہیں ہوسکتا۔ یہ یقیناً کسی نہ کسی منصوبے کا حصہ ہوگا۔اس میں پانچ مما لک کو 14 مما لک میں تقسیم کرنے کا ذکر ہے۔اور یہ ذکر یہودی ذہن کی پیداوار ہی ہوسکتا ہے۔ جو مشرق وسطیٰ کے نقشے کو اپنے انداز میں دیکھنا چاہتا ہے۔تجزیہ میں جن مما لک کو مزید ریاستوں میں تقسیم کر کے 14 مما لک بنانے کی بات کی گئی ہے وہ شام، لیبیا، سعودی عرب، یمن اور عراق ہیں۔

یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ عمل کرنے کی نوبت آتی ہے یا نہیں، لیکن منصوبہ کیا ہے......؟ یہاں اس کا تھوڑی تفصیل سے ذکر دیا جائے تا کہ اسلام دشمن عزائم سے آگاہی ہو سکے۔

شام

علوی مملکت ہے جس میں اقلیت اکثریت پر حکمرانی کر رہی ہے اور طویل عرصے سے کرتی آرہی ہے۔باپ یعنی حافظ الاسد کے بعد بیٹا بشار الاسد حکمران بنا۔اس ملک کے مشرق میں عراق، مغرب میں لبنان اور بحیرۂ روم، شمال میں ترکی، جنوب میں اردن جبکہ جنوب مغرب میں اسرائیل ہے۔شام میں اسی فیصد عرب اور بیس فیصد غیر عرب ہیں۔سنی مسلمان اکثریت میں ہیں۔ملکی آبادی میں سنیوں کی تعداد 64 فیصد ہے۔ یہ آبادی سوا دو کروڑ کے قریب ہے۔

آبادی کا 13 سے 21 فیصد تک حصہ اہل تشیع پر مشتمل ہے۔ غیر عرب لوگوں میں کرد (21 فیصد)، ترکمان، فلسطینی، سرکاسین وغیرہ ہیں۔ دس فیصد شہری غیر مسلم ہیں۔ ان میں دو مذاہب غالب ہیں۔ ان دونوں میں عیسائی (دروز) اور یہودی شامل ہیں۔ سنیوں میں حکمران علوی آبادی زیادہ تر ساحلی علاقوں میں رہتی ہے اور ساحلی کاریڈور پر قابض ہے۔

شام کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین مملکتیں بنانے کی سازش ہے۔ ان میں علوی، شامی کردستان اور سنی مملکت شامل ہیں۔

1۔ علوی مملکت: چونکہ یہ آبادی ساحلی علاقوں پر قابض ہے اس لیے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ لہٰذا ان کی علیحدہ مملکت ساحلی علاقوں میں ہی بنانے کا منصوبہ ہے تاکہ انہیں محدود کر دیا جائے۔

2۔ شامی کردستان: زیادہ تر کرد عراقی کردوں کے علاقوں کے قریب آباد ہیں۔ منصوبہ یہ ہے کہ ان کو علیحدہ ریاست دیدی جائے جو کہ کردوں کا دیرینہ خواب ہے اور بظاہر اس کے شرمندہ تعبیر ہونے کا امکان نہیں۔ منصوبہ سازوں یا سازشیوں کا خیال ہے کہ بعد میں یہ لوگ عراقی کردوں کے ساتھ بھی مل سکتے ہیں۔

سنی مملکت: سنی اکثریت میں ہیں۔ علویوں کو ان سے علیحدہ کر کے ایک تیسرا ملک بنا دیا جائے۔ ان کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ یہ بعد میں عراق کے سنی صوبوں کے ساتھ اتحاد کر کے ایک وسیع مملکت قائم کر سکتے ہیں جو سنیستان SUNNISTAN کہلائے گی۔

عراق

پونے چار کروڑ سے زائد آبادی والے دنیا کے اس 59ویں بڑے ملک میں صرف پچاس لاکھ غیر مسلم ہیں۔ غالب آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں بھی شیعہ اکثریت میں ہیں جن کی تعداد 60 فیصد بتائی جاتی ہے جبکہ باقی 40 فیصد سنی ہیں۔ قدیم دریا دجلہ و فرات اسی سرزمین پر بہتے ہیں اور کئی ایک داستانوں کا موضوع ہیں۔ دارالحکومت بغداد سے بصرہ تک کا

علاقہ زرخیز ہے۔ آبادی کا تین چوتھائی حصہ اسی پٹی میں آباد ہے۔ اس کا ساحلی علاقہ صرف 58 کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ جو خلیج فارس کے ساتھ ہے۔ 438,317 مربع کلومیٹر پر قائم عراق کے مشرق میں ایران مغرب میں شام، شمال میں ترکی، جنوب مشرق میں کویت اور جنوب مغرب میں اردن واقع ہے۔ اس کی سنی آبادی میں عرب، ترکمان اور کرد ہیں۔ کچھ کرد اہل تشیع بھی ہیں۔ غیر مسلموں میں عیسائی، یہودی، بہائی اور یزیدی عراق میں رہائش پذیر ہیں۔ آبادی کے تناسب کا جائزہ لیا جائے تو 75.80 فیصد عرب، 15.62 فیصد کرد اور 5 فیصد دوسرے لوگ ہیں۔ شام کی طرح اس ملک کی بھی تین حصوں میں تقسیم کی سازش ہے۔ اسی کی طرح سنی، شیعہ اور کرد مملکتیں بنانے کی خیال آرائی کی گئی ہے۔ یہاں کے وسطی علاقوں میں سنیوں کی بالادستی ہیں لہٰذا اسے سنی مملکت کا نام دیا گیا ہے۔ جنوبی علاقوں میں شیعہ آباد ہیں اس لیے یہ شیعستان مملکت کہلائے گی۔ شمالی علاقوں کی کرد آبادی کو بھی علیحدہ ریاست دینے کی سازش ہے۔ کرد اگرچہ اقلیت میں ہیں مگر وہ طویل عرصہ سے علیحدہ مملکت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہاں بھی وہی اصول اپنایا جانا مقصود ہے کہ یہ کرد بعد میں سرحد کی دوسری جانب شامی کردوں سے مل سکتے ہیں۔

عراق ایسا ملک ہے جس سے اسرائیل بہت زیادہ خوفزدہ رہا ہے۔ غالباً اسی لیے عراق کو جنگ وجدل اور تباہی و بربادی کا مرکز بنا دیا گیا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ اس کو کمزور کر دیا جائے تاکہ اس میں مزاحمت کی ہمت اور سکت نہ رہے۔ ایران کے ساتھ اس کی آٹھ سالہ طویل جنگ سب کے ذہن میں ہوگی۔ اس جنگ نے دونوں ملکوں کی معاشرت اور معیشت کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس پر بس نہیں کیا گیا۔ بعد میں یہ ملک دوبار امریکی حملے کا نشانہ بنا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک حملہ باپ یعنی بش سینئر اور دوسرا بیٹے یعنی بش جونیئر کے عرصہ صدارت میں کیا گیا۔ ان حملوں کا اثر اور اس کے نتیجے میں مسلسل خانہ جنگی نے اسے برباد کر دیا ہے۔ اب شاید کیا واقعی اس میں مزاحمت کا حوصلہ نہیں رہا ہوگا۔ تیل کی دولت سے مالا مال یہ ملک چند عشرے پہلے تک جس خوشحالی کی زندگی گزار رہا تھا، اب وہ خواب وخیال بن کر رہ گئی ہے۔

لیبیا

یہ بدقسمت ملک اب جس حال میں ہے، ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح امریکہ اس ملک کے بھی اس طرح پیچھے پڑا کہ اسے غارت کر کے ہی دم لیا۔ اور اب وہاں کے نظام زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ 65 لاکھ کی آبادی کے اس ملک میں زیادہ تر عرب جبکہ غیر مسلم صرف ساٹھ ہزار کے قریب ہیں۔ اس کی زیادہ تر آبادی قبائلی ہے لہذا قبائلی اصول کے مطابق ان میں دشمنیاں زوروں پر ہیں۔ اکثر اوقات جنگ و جدل کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ ان قبائل کی اکثریت بربر پر مشتمل ہے۔ لیبیا میں دو واضح طبقات ہیں۔ ایک ترپپولین اور دوسرے CYRENAICA کہلاتے ہیں۔ لیبیا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے دو حصے ہو سکتے ہیں اور یہ دونوں حصے انہی دونوں طبقات کے زیر تسلط ہوں گے۔ جنوب مغربی علاقے میں مملکت فیصان کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا گیا۔

لیبیا کے خلاف امریکی سازشوں کا اصل مقصد اس کی طاقت، قوت اور معیشت کو رو بہ زوال لانا ہے۔ سازشی اس میں کامیاب رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اگرچہ سامنے امریکہ کی کارروائیاں ہیں مگر پس پردہ اسرائیلی اور یہودی کارفرما ہیں۔ امریکہ بھی یہ سب کچھ اسرائیل ہی کی خاطر کر رہا ہے۔

قارئین کو لیبیا کے بارے میں کچھ مزید بنیادی معلومات فراہم کر دی جائیں۔ پاکستان کی طرح یہ ملک بھی 1947ء میں آزاد ہوا تھا۔ اسے 10 فروری کو آزادی کا سورج دیکھنا نصیب ہوا مگر یہ ''آزاد'' ملک آج بے بسی اور بے چارگی کا شکار ہے۔ بحیرہ روم کی 1200 میل لمبی ساحلی پٹی کے سوا قریباً سارا ملک صحرا پر مشتمل ہے۔ اس کی 80 فیصد آبادی اسی ساحلی پٹی کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔ 18 لاکھ مربع کلومیٹر علاقے کے ساتھ یہ افریقہ کا چوتھا بڑا ملک ہے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں اس کا نمبر دسواں ہے۔ لیبیا کو بہت سے ملکوں نے گھیر رکھا ہے۔

یعنی اس کے ارد گرد کئی ایک ملک ہیں۔اس کے مشرق میں مصر اور سوڈان، مغرب میں الجزائر، تیونس، شمالی افریقہ، شمال میں سمندر، جنوب میں چاڈ اور نائیجر ہیں۔

یمن

ماضی کی خوشحالی اور شاندار روایات کی یہ ریاست اب دنیا کی غریب ریاستوں میں شمار کی جاسکتی ہے جو 527,969 مربع کلومیٹر پر مشتمل اپنے اندر اڑھائی کروڑ سے زیادہ نفوس کو سموئے ہوئے ہے۔امیر ملکوں کے پہلو میں یمن غربت و درماندگی اور افلاس کی تصویر ہے۔اس کے شمال میں سعودی عرب اور مشرق میں اومان ہیں۔اس کی ساحلی پٹی سات سو کلومیٹر طویل ہے۔ یمن دو حصوں پر مشتمل ہے۔ایک حصہ عوامی جمہوریہ یمن اور دوسرا یمن عرب ری پبلک ہے۔

یمن کو مزید دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کی سازش ہے۔کہا یہ جارہا ہے کہ جنوبی یمن میں علیحدگی کے لیے ریفرنڈم ہوسکتا ہے۔اس کے علاقے کے کچھ حصے یا سارا علاقہ سعودی عرب کے ساتھ شامل ہونے کی بات بھی کی جارہی ہے۔اس وقت قریباً ساری سعودی تجارت بذریعہ سمندر ہوتی ہے۔ مذکورہ صورتحال میں سعودی عرب بحیرہ عرب تک براہ راست رسائی حاصل کرے گا اور خلیج فارس کے ذریعے تجارت کی محتاجی ختم ہوجائے گی جبکہ ایران کی جانب سے کسی وقت آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔یمن میں حوثی شورش کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو صورتحال مزید واضح ہوجاتی ہے۔یہ امر بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ سعودی عرب میں تیل کے زیادہ تر ذخائر شیعہ اکثریتی علاقے میں ہیں۔

سعودی عرب

دنیا کا یہ 13 واں بڑا ملک اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی جائے پیدائش ہے۔اسلام کی کونپل یہیں سے پھوٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے گھنے تناور درخت میں تبدیل ہوگئی۔اس کے سایہ کو امن و سلامتی کا درجہ حاصل ہوا۔ اور اس نے کفر کے اندھیروں میں گم اس سرزمین اور اس کے باشندوں کو جو خدائے واحد کے پیروکار بن گئے، اپنے سایہ اور پناہ میں لے لیا۔ یہ ملک عرب

تھا مگر موجودہ حکمران خاندان نے 1932ء میں اس پر قبضہ کیا تو سعود اور آل سعود کے حوالے سے اس کے نام کے ساتھ خاندانی نام بھی شامل کر دیا۔ اس طرح یہ عرب سے سعودی عرب بن گیا۔

پٹرولیم، گیس، لوہے، سونے، پیتل اور دوسرے قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال یہ ملک 2149690 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے جبکہ اس کی آبادی تین کروڑ سے زائد ہے۔ یہ ان ممالک میں سے ہے جہاں سو فیصد مسلمان آباد ہیں۔ غیر مسلم اگر ہیں تو وہ تارکین وطن میں سے ہیں، جن کو ملک کی شہریت حاصل نہیں بلکہ روزگار کے سلسلے میں وہ عارضی طور پر مقیم ہیں۔ سعودی عرب میں قیام پذیر مقامی و غیر مقامی آبادی میں 30 فیصد حصہ ان تارکین وطن کا ہے ملک کی مقامی آبادی کا بڑا حصہ جو 90 فیصد ہے عربوں پر مشتمل ہے۔ باقی دس فیصد ایفروایشن ہیں۔ ان میں بھی 85 سے 90 فیصد تک سنی اور باقی دس سے پندرہ فیصد شیعہ ہیں۔

سعودی عرب میں بحیرہ احمر اور خلیج فارس کے ساحل ہیں اور یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اتنے وسیع علاقے کے اس ملک میں کوئی دریا نہیں۔ صحرائے عرب کا زیادہ تر حصہ سعودی عرب میں ہے۔ جن ممالک کے ساتھ اس کی سرحدیں مشترک ہیں وہ عراق، اردن، کویت، اومان، قطر، امارات، بحرین اور یمن ہیں۔ تیل کی پیداوار کے حوالے سے یہ دنیا میں دوسرے نمبر پر اور اس کی برآمد میں پہلے نمبر پر ہے۔ اس میں کوئلہ کے بھی دوسرے بڑے ذخائر ہیں۔

نیویارک ٹائمز کا تجزیہ نگار کہتا ہے کہ سعودی عرب پانچ حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ وہ گروہ بندیوں اور اختلافات کو بتاتا ہے۔ اس کے نزدیک یہاں کافی داخلی اختلافات موجود ہیں۔ اس وقت تو نہیں مگر اگلی نسل کے شہزادوں میں یہ ڈویژن طاقتور تقسیم کا باعث بن سکتی ہے۔ قبائلی اختلافات اپنی جگہ موجود ہیں جو کسی وقت بھی خطرہ بن سکتے ہیں۔ اقتصادی چیلنجز بھی ہیں لیکن سنی شیعہ فرقوں کے اختلافات خطرہ بن سکتے ہیں۔

○

”خونیں سرحدیں“

BLOOD BORDERS

خون کی سرحدیں

خونیں سرحدیں

خون آشام سرحدیں

اوپر دیئے گئے الفاظ خوفناک محسوس ہوتے ہیں مگر آگے ان کی حقیقت سامنے آئے گی ...... الفاظ کی نسبت وہ انتہائی خوفناک اور ہم سب یعنی امت مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ سے بھی آگے کی بات ہیں۔

یہ ایک سابق امریکی لیفٹیننٹ کرنل کے مضمون کا عنوان ہے۔ لیفٹیننٹ کرنل رالف پیٹر کا تفصیلی تعارف تو اگلے باب میں کرایا جائے گا۔ یہاں اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ مضمون اس کی ایک کتاب (NEVER QUIT THE FIGHT) ”جنگ جاری رکھو“ میں نقشوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس شخص نے ایک نقشہ بھی تیار کیا ہے جو اس کے مضمون کی بنیاد ہے۔ نقشے کو (NEW MIDDLE EAST MAP) ”مشرق وسطیٰ کا نیا نقشہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ محض نقشہ ہی نہیں عالم اسلام کی تباہی و بربادی کا منصوبہ ہے۔

جی ہاں! پورے عالم اسلام کی تباہی و بربادی کا منصوبہ

اس منصوبے میں مشرق وسطیٰ کے ممالک ہی نہیں۔ پاکستان، ایران اور ترکی کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اب یہ ہمارے یعنی سارے عالم اسلام کے ارباب اختیار، مسلح افواج، حکمت عملی

اور عالمی سیاست کے ماہرین اور دانشوروں کا کام ہے کہ وہ اسے کس طرح سے لیتے ہیں اور اس سے نبرد آزما ہونے کے لیے کیا طریقۂ کار اختیار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک اور سوال ہے کہ کیا ہم اس ساری صورتحال سے آگاہ بھی ہیں؟ ہمیں علم بھی ہے کہ عیار دشمن ہمیں چوٹیں لگانے کے لیے کیا کچھ سوچ اور کر رہا ہے؟ اپنے اردگرد نگاہ ڈالنے پر ہماری تشویش میں اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ ان سوالوں کا مثبت جواب کہیں نظر نہیں آتا۔

اس نقشے یا اس مضمون کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ تفصیل تو اگلے باب میں ہوگی مگر یہاں اتنا بتادینا ہی کافی ہے کہ سب کچھ ''یینن پلان'' کے تحت ہو رہا ہے۔ جس کا ایک گزشتہ باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ اسرائیل کا اصل خواب عالمی سامراج کا روپ دھارنا ہے اور اس مقصد کے لیے اسلامی ممالک کے کئی ٹکڑے کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ ہے۔ منصوبے کے مطابق یہ ریاستیں اسرائیل کی تابع فرمان ہوں گی اور اس کی انگلی کے اشارے کو حکم کا درجہ دیں گی۔ اب یہ اور بات ہے کہ باری تعالیٰ اس ''راندۂ درگاہ'' قوم کو کامیاب ہونے دیتا ہے یا ایک بار پھر ذلت و رسوائی اس کا مقدر ہے۔

کرنل رالف کے بنائے گئے نقشے کو اصل الفاظ کے ساتھ نہیں دیا جارہا کیونکہ یہ سب کچھ فرقہ واریت پر مبنی اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والی بات ہوگی۔ اس کی سوچ کا اصل مقصد مشرق وسطیٰ کے ممالک میں سنی، شیعہ اور کرد ریاستوں کا قیام جبکہ پاکستان کے حوالے سے صورتحال ذرا مختلف ہے۔

مضمون کی ابتدا ہی اس سے کی گئی ہے کہ ملکوں کی سرحدیں کبھی جامد نہیں رہتیں۔ اس میں تبدیلی رو و بدل ہوتا رہتا ہے۔ جس کی مختلف وجوہات ہیں جو آزادی اور جبر، صبر اور ظلم و تشدد، قانون کی حکمران یا دہشت گردی حتیٰ کہ جنگ اور امن بھی ہوسکتی ہیں۔ اس شخص کا دعویٰ ہے کہ سب سے زیادہ یکطرفہ اور مسخ شدہ سرحدیں افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں ہیں۔ یہ سرحدیں مفاد پرست مغرب نے کھینچی ہیں جس کی اپنی سرحدیں اس کے لیے پریشان کن رہی ہیں۔ افریقی سرحدوں نے لاکھوں انسانوں کی جان لے لی۔ مشرق وسطیٰ کی سرحدیں چرچل کی دین

ہیں۔ جو سوچ سے زیادہ پریشان کن ہیں۔

صرف سرحدیں ہی نہیں، مشرق وسطیٰ میں بہت بڑے بڑے مسائل موجود ہیں۔ جن میں ثقافتی جمود، سکینڈلوں سے بھرپور عدم مساوات اور مذہبی انتہا پسندی وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں ناکامی کی وجہ اسلام کو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ بین الاقوامی سرحدیں ہیں جو ہمارے اپنے حکام کے لیے بھی محبوب ہیں۔ لیکن سرحدوں میں ردوبدل سے ہر اقلیت خوشی محسوس نہیں کرے گی۔ کہیں لسانی اور مذہبی گروپ مربوط ہیں تو کہیں خون اور عقیدہ اس کی وجوہات میں شامل ہے۔

مضمون نگار نے نئی سرحدوں کا جو نقشہ دیا ہے اس کے دعوے کے مطابق اس سے آبادی کے اہم گروپوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ ان گروپوں میں کرد، بلوچ اور اہل تشیع شامل ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائی، بہائی، نقشبندی اور اسماعیلی بھی ہیں۔ سرحدوں میں وسیع پیمانے پر ردوبدل کے بغیر مشرق وسطیٰ پر امن نہیں بن سکتا۔ سرحدوں میں یہ ردوبدل فاسفورس سے دریائے سندھ تک درکار ہے اور یہیں سے اس مضمون نگار کی شرانگیزی کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہ خود اقرار کرتا ہے کہ یہ مقصد جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے مطابق سرحدیں صدیوں سے تبدیل ہوتی آئی ہیں۔ یہاں وہ تسلیم کرتا ہے کہ اسرائیل کو اپنے ہمسایوں کے ساتھ پر امن طور پر رہنا ہے تو اسے 1967ء کی سرحدوں پر واپس جانا ہوگا تاہم ان میں سکیورٹی وجوہات کی بنا پر ضروری ردوبدل ہو سکتا ہے، لیکن یروشلم کا معاملہ کم از کم ہماری زندگی میں حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور یہ وہ شہر ہے، جو صدیوں سے خون میں نہاتا آ رہا ہے۔

مصنف کے دعوے کے مطابق سب سے بڑی ناانصافی بلقان سے ہمالیہ کی پہاڑیوں کے درمیانی علاقے میں ایک آزاد کرد ریاست کی عدم موجودگی ہے جبکہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مشرق وسطیٰ میں 27 سے 36 ملین کے درمیان کرد موجود ہیں۔ یہ تعداد عراق کی کل آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ ہر حکومت نے ان پہاڑیوں پر کنٹرول کے لیے ان پر جبر کیا ہے۔ جن پہاڑیوں پر یہ رہتے ہیں۔ بغداد کی فتح کے وقت امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے کرد

ریاست کے قیام کا سنہری موقع ضائع کر دیا۔ حالانکہ فوری طور پر عراق کو تین چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تھا۔ مگر ہمارے پاس جرأت اور وژن کا فقدان تھا۔ اگر آزادانہ رائے شماری ہو تو سو فیصد کرد اپنی علیحدہ ریاست کے حق میں ووٹ دیں گے۔

ترکی کے کردوں نے بھی کئی عشروں تک جبر برداشت کیا ہے۔ اپنی شناخت کے حصول کے لیے وہ ایک عشرے سے پہاڑوں میں محصور ہیں۔ اب تو اس میں اور تیزی آ گئی ہے۔ شام اور ایران کے کرد بھی آزاد ریاست کے خواہشمند ہیں۔

مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ عراق کے سنیوں کی اکثریت والے تین صوبے شامی سنیوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ قدیم عراق کے جنوب کے شیعہ اپنی شیعہ عرب مملکت بنانا چاہیں گے۔ اردن کے پاس موجودہ علاقہ رہے گا بلکہ اسے جنوب میں کچھ سعودی علاقہ مل جائے گا۔

اس امریکی کرنیل کی شرانگیزی ملاحظہ کریں وہ دعویٰ کرتا ہے کہ سعودی عرب اور پاکستان غیر حقیقی ریاستیں ہیں اور ان کی بڑے پیمانے پر ٹوٹ پھوٹ ہو گی۔ اس سے بھی بڑی شرانگیزی اسلام کے مقدس ترین مقامات مکہ اور مدینہ کے بارے میں ہے کہ ان کے نظم و نسق کے لیے ایک کونسل بنا دی جائے جس کو باری باری اختیارات حاصل ہوں۔ اس کونسل میں تمام مسلم ممالک اور تحریکوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ اس کی نوعیت سپر مسلم ویٹیکن کی ہو گی۔ جہاں اس عظیم مذہب کے مستقبل کے بارے میں بحث مباحثہ کیا جائے۔ مزید شرانگیزی کہ تیل والے سعودی ساحلی علاقے شیعوں کو دینے پڑیں گے۔ جبکہ جنوب مشرق علاقہ یمن کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ موجودہ سعودی حکومت ریاض اور ارد گرد کے علاقوں تک محدود ہو جائے گی۔

ایران کا بہت سا علاقہ آذربائیجان، آزاد کردستان، عرب شیعہ مملکت اور آزاد بلوچستان کی تحویل میں آ جائے گا۔ موجودہ افغانستان میں ہرات کے ارد گرد کے صوبے ایران کو مل جائیں گے کیونکہ ثقافتی اور لسانی لحاظ سے یہ علاقہ فارس کا ہی حصہ ہے۔ اور ایران پھر سے فارس بن جائے گا۔ تاہم یہ کہنا فی الحال مشکل ہے کہ بندر عباس ایران کے پاس رہ جائے گی یا یہ عرب شیعہ ریاست کا حصہ ہو گی۔

اب ذرا پاکستان کے حوالے سے اس کا شر ملاحظہ فرمائیں کہ افغانستان اگرچہ مغرب میں اپنے علاقے سے محروم ہو جائے گا کیونکہ یہ علاقہ ایران یا فارس کو مل جائے گا تاہم وہ پاکستان کا بہت سا علاقہ حاصل کرلے گا کیونکہ شمال مغربی سرحدی قبائلی افغانستان کے ساتھ مل جائیں گے۔ یہ کسی اور وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ مقامی آبادی ایسا چاہے گی۔ یہ پاکستان کو پھر غیر فطری ریاست قرار دیتے ہوئے بلوچستان کو ''آزاد مملکت'' کا حصہ قرار دے رہا ہے اس کے دعوے کے مطابق باقی پاکستان فطری ریاست ہوگا اور یہ ''فطری'' ریاست کیا ہے......؟ محض دریائے سندھ کا مشرقی علاقہ یعنی ایک محدود سی پٹی۔

خلیجی ریاستوں کے بارے میں بھی ''گوہر افشانی'' کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان شہری ریاستوں کا مقدر ملا جلا ہوگا۔ وہ ایسا ہی ہوگا جو ان کے بارے میں ہونا چاہیے۔ یعنی ان میں سے کچھ شیعہ عرب ریاست کا حصہ بن جائیں گے۔ دوبئ اور کویت موجودہ حیثیت میں ہی رہیں گے۔ دوبئ کو امیروں کے لیے ''پلے گراونڈ'' سٹیٹس بھی حاصل ہوگا۔

رالف پیٹر نے فرانس اور برطانیہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ان دونوں مما لک نے بیسویں صدی میں سرحدوں کی تشکیل میں سنگین غلطیاں کیں کیونکہ وہ انیسویں صدی کی ہزیمتوں اور ذلتوں سے باہر آنا چاہتے تھے۔ تاہم اب بقول مضمون نگار عوام کی خواہشات کے مطابق سرحدوں کی تشکیل ناممکن نظر آتی ہے۔ کیونکہ وہ وقت آئے گا جب نئی سرحدیں قائم ہو جائیں گی۔ اگرچہ اس کے لیے خون بھی بہے گا۔ اس ضمن میں وہ بابل کی مثال دیتا ہے جس کا کئی بار سقوط ہوا۔

اس سارا کچھ کے پس پردہ مضمون نگار کے کیا مقاصد ہیں......؟ یہاں اس نے اصل بات کردی ہے کہ اسی دوران ہمارے فوجی، جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، دہشت گردی سے تحفظ کے لیے لڑتے رہیں گے تاکہ جنگ زدہ علاقے میں جمہوریت پھلے پھولے اور آئل سپلائی تک ہماری رسائی ہوسکے۔ اس نے انقرہ سے کراچی تک مماک کو جبر کے ذریعے قائم قرار دیا جو اپنوں میں سے ہی دشمنوں سے نبرد آزما ہیں۔ یہ مذہبی انتہا پسندی کے لیے

بہترین نرسری ہیں۔ یہاں کوئی بھی دہشت گردوں کی بھرتی کا کلچر قائم کرسکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کی موجودہ صورتحال بہتر نہیں بدتر ہورہی ہے امریکہ، اس کے اتحادی اور ہماری مسلح افواج اس بحران کو انجام تک نہیں پہنچا سکتیں۔ عراق ایک ایسی مثال ہے جو ہماری امید کے برعکس ثابت ہوسکتا ہے۔

آخر میں وہ لکھتا ہے کہ سرحدوں میں ردوبدل نہ کیا گیا اور انہیں خون اور مذہب کے مطابق نہ ڈھالا تو علاقے میں بہنے والے خون میں ہمارا خون بھی شامل ہوسکتا ہے۔



''نیا مشرق وسطیٰ!''

2006ء میں یکے بعد دیگرے کچھ ایسے واقعات ہوئے جنھیں اتفاق ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ سارے واقعات یا معاملات ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے اور ایک دوسرے سے بہت گہرائی تک منسلک تھے۔

امریکی فوج کے ایک یہودی افسر لیفٹیننٹ کرنل پیٹر رالف کا ذکر ''خونیں سرحدیں'' کے عنوان سے باب میں کیا جا چکا ہے۔ اس نے 2006ء میں ایک نقشہ تیار کیا جو امریکی آرمڈ فورسز جرنل کی جون 2006ء کی اشاعت میں شامل تھا۔ اس کو نیو مڈل ایسٹ یا نئے مشرق وسطیٰ کا منصوبہ قرار دیا گیا۔ اسی سال افغانستان اور پاکستان میں تعینات نیٹو فوجیوں کے ذریعے یہ نقشہ تقسیم کیا گیا بلکہ روس اور سابق سوویت ریاستوں تک بھی پہنچا۔ پھر اٹلی کے شہر روم میں اسے نیٹو وار کالج میں ڈسپلے کیا گیا جس پر ترکی نے زبردست احتجاج کیا۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر 2006ء میں ہی امریکہ اور اسرائیل نے گریٹ مڈل ایسٹ یا عظیم تر مشرق وسطیٰ کو ترک کر کے نیو مڈل ایسٹ کی اصطلاح اپنالی۔ یہ کسی اور نہیں بلکہ اس وقت کی امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس اور اسرائیلی وزیر اعظم کی طرف سے کیا گیا۔ یہی نہیں لبنان پر حملہ کر کے اس کی ابتدا بھی کر دی گئی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں اپنے مقاصد میں مکمل کامیابی حاصل ہو پائی یا نہیں۔ یہ سب کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ جریدہ گلوبل ریسرچ نے اپنی 19 مئی 2015ء کی اشاعت میں اس کے بارے میں بہت سی تفصیلات شائع کی ہیں۔

سب سے پہلے تو اس شخص کا تعارف کرا دیں جس نے نقشہ تیار کیا ہے۔ یہ تو بتایا ہی جا چکا

ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل رالف پیٹر امریکی فوج کا یہودی افسر تھا جو ریٹائر ہو چکا ہے۔ یہ امریکی نیشنل وار اکیڈمی میں کام کرتا رہا ہے۔ اگرچہ کہا گیا ہے کہ نقشہ پینٹا گون یعنی امریکہ کے محکمہ جنگ کی پالیسی کا عکاس نہیں لیکن اسے نیٹو ڈیفنس کالج میں سینئر فوجی افسروں کی تربیت کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ نقشہ مشرقِ وسطیٰ کے بہت سے پرانے نقشوں کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کیا گیا ہے جو نیشنل وار اکیڈمی اور فوجی منصوبہ بندی میں استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ ان کا تعلق امریکہ کے صدر رووڈ رو ولسن اور پہلی جنگ عظیم سے ہے۔ نقشہ کے خالق کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد پر مشرقِ وسطیٰ کی سرحدوں کی تشکیل نو کر دی جائے تو مشرقِ وسطیٰ کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اس شخص کی کتاب ''جنگ جاری رکھو'' کا بنیادی نقطہ یہی نقشہ ہے۔ یہ کتاب 10 جولائی 2006ء کو منظر عام پر آئی تھی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ریٹائرمنٹ سے پہلے رالف پیٹر کی آخری تعیناتی ڈپٹی چیف آف سٹاف برائے انٹیلی جنس کے دفتر میں تھی جو امریکی محکمہ دفاع کا حصہ ہے۔ اس کا شمار جنگی حکمت عملی پر مضامین وغیرہ لکھنے والے پینٹا گون کے اہم افسروں میں ہوتا تھا۔ مذکورہ کتاب سے پہلے بھی وہ جنگی حکمت عملی پر چار کتابیں لکھ چکا تھا۔ ان کتب نے حکومتی اور فوجی حلقوں میں بڑی شہرت پائی۔ یہاں یہ سوال بڑا اہم ہے کہ کیا رالف پیٹر حکومت اور اس کے منصوبہ سازوں کی اس سوچ کو ہی آگے بڑھا رہا ہے جو وہ مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں قائم کیے ہوئے ہیں۔ وہ قرار دیتا ہے کہ اس کا مقصد انسانی بنیادوں کو پیش نظر رکھنا ہے مگر کیا واقعی اس کی حقیقی سوچ یہی ہے۔؟

نقشے میں موجود بہت سے امور کا ذکر کیا جا چکا ہے یہاں ہم امریکہ اور اسرائیل کی حکومت کے یکساں وقف کا ذکر کریں گے۔ نیو مڈل ایسٹ کا سب سے پہلے جون 2006ء میں ہی امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے تل ابیب میں انکشاف کیا تھا۔ اس سے پہلے امریکہ ''گریٹ مڈل ایسٹ'' کی اصطلاح استعمال کرتا رہا ہے مگر مس رائس کے اس بیان کے ساتھ ہی اسے ترک کر دیا گیا۔ امریکی پالیسی میں اس تبدیلی کا واضح اعلان مشرقی بحیرہ روم میں ایک رائل ٹرمینل کے افتتاح کے موقع پر کیا گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسرائیل کی جانب سے

لبنان کا محاصرہ زوروں پر تھا اور اسے امریکہ و برطانیہ کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ اسرائیلی وزیراعظم اور امریکی وزیر خارجہ نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ نئے مشرق وسطیٰ کے منصوبے کا آغاز لبنان سے کیا جا رہا ہے۔ اس طرح امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل کے مشترکہ منصوبے یا سازش کی تصدیق ہی نہیں کر دی گئی تھی، اس پر مہر لگا دی گئی تھی۔ یہ سازش کئی برس تک منصوبہ بندی کے مراحل طے کرتی رہی جس کا مقصد لبنان، فلسطین اور عراق سے شام تک اور دوسری طرف خلیج فارس، ایران اور افغانستان میں عدم استحکام، بدامنی اور تشدد کو پھیلانا ہے۔

عوامی سطح پر اس سازش کو اس لیے عام کیا گیا کہ ان کے خیال میں لبنان کو پریشر پوائنٹ بنایا جائے گا۔ تاکہ مشرق وسطیٰ کی سرحدوں کو از سر نو تشکیل دیا جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی ''مثبت'' بدامنی پھیلانے والی قوتیں کام شروع کر دیں گی۔ اس سے علاقے میں تشدد اور جنگ وجدل کو فروغ حاصل ہوگا۔ اس کو بنیاد بنا کر مذکورہ ممالک اپنی جیوپولیٹیکل ضرورت کے مطابق متعلقہ ممالک کی نئی حد بندی کرائیں گے۔

کنڈولیزا رائس نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا تھا کہ ہم اس منصوبے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ آگے ہی بڑھتے جائیں گے۔ اس بیان پر مشرق وسطیٰ میں ہی نہیں عالمی سطح پر کڑی تنقید ہوئی مگر امریکہ جیسے ملک کو ان معاملات کی کیا پروا۔ اگرچہ کافی مدت گزر گئی ہے مگر وہ اس سازش کو تکمیل کی طرف لے جا رہا ہے تاہم لگتا ہے کہ یہ خاصا طویل مدتی منصوبہ ہے اور اس کے لیے بہت سا وقت درکار ہے لیکن اپنے نئے ورڈ، آرڈر کے لیے امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں تباہی و بربادی پھیلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ پورا خطہ آگ اور خون میں نہا گیا ہے۔ عراق پر قبضہ، لیبیا اور شام میں تباہی و بربادی، مصر میں بدامنی، افغانستان میں جنگی جنون کا کھیل...... سب اسی کا حصہ ہے اور ہم پاکستان کی صورتحال کو بھی اس سے جدا نہیں کر سکتے۔ اس نقشے میں موجودہ کی جگہ ایک مختصر سا پاکستان دکھایا گیا ہے جو بلوچستان اور خیبر پختون خواہ کے بغیر دریائے سندھ کے بھارت کی طرف کے کنارے اور بھارتی سرحد کا درمیانی علاقہ ہے۔

اس سازش کا مقصد مشرق وسطیٰ کے ذریعے وسطی ایشیا تک رسائی حاصل کرنا بھی ہے۔

ان سابق سوویت ریاستوں تک پہنچنے کے لیے مشرق وسطیٰ ہی نہیں افغانستان اور پاکستان سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس علاقے میں امریکی کھیل سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں نیٹو کی جانب سے اس نقشے کی تقسیم کا مقصد بھی یہی تھا۔ 2006ء میں یہ نقشہ نیٹو ہی نہیں فوجی اور حکومتی حلقوں میں بھی تقسیم کیا گیا لیکن یہ عوام کے علم میں بہت کم آسکا۔

جریدہ نے لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کا فقدان مسئلہ ہے امریکہ اور برطانیہ نے دانستہ ایسی صورتحال پیدا کی کہ وہاں جمہوریت پروان نہ چڑھ سکے۔ نام نہاد جمہوریت کی صرف انہی ممالک میں اجازت ہے جو امریکہ کے سیاسی مطالبات پورے کرتے ہیں۔ امریکہ نے دانستہ جمہوریت کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ 1953ء میں ایران کے وزیراعظم مصدق کی جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں بادشاہت قائم کر دی گئی۔ سعودی عرب، مصر، ترکی، اردن اور شیخوں کی حکمرانی والی عرب ریاستوں میں فوجی کنٹرول یا آمریت اس کو پسند ہے۔

اس نقشے پر کسی اسلامی ملک نے چوں تک نہیں کی صرف ترکی ایسا ملک تھا جس نے نیٹو میں اس پر باقاعدہ احتجاج کیا۔ 15 ستمبر 2006ء کو ترکی کی طرف سے ایک پریس ریلیز جاری کیا گیا۔ نقشے کو نیٹو ملٹری کالج میں آویزاں کرنے پر وہاں موجود ترک فوجی افسر غصہ میں آگئے۔ یہ امر واضح ہے کہ نیٹو کالج میں نقشہ پہنچنے کی کسی نہ کسی طرح امریکی نیشنل وار اکیڈمی کی طرف سے منظوری حاصل تھی۔ ترک فوج کے چیف آف سٹاف نے اس صورتحال پر امریکی افواج کے سربراہ سے رابطہ کیا۔ انہوں نے اس نقشے کے بارے میں شدید احتجاج کیا جو نیو مڈل ایسٹ، پاکستان اور افغانستان کے بارے میں ہے۔ تاہم امریکہ کی طرف سے فوری طور پر تردید کی گئی کہ یہ نقشہ امریکی پالیسی اور مقاصد سے مطابقت نہیں رکھتا۔

قارئین کرام! اب آپ خود سوچ لیں کہ اس ساری صورتحال میں یہ نقشہ واقعی امریکی پالیسی اور مقاصد کے مطابق نہیں ہے......؟

○

حصہ ہشتم

آخری معرکہ

معرکہ کب اور کہاں ہوگا

بعض کتب اور مضامین میں ہمیں آرمیگڈن یا آرماگدون کی جنگ کا ذکر ملتا ہے مگر تفصیلات نہ ہونے کی وجہ سے قارئین کی اکثریت کچھ سمجھ نہیں پاتی کہ یہ جنگ کب ہوگی، کہاں ہوگی، کن کے درمیان ہوگی اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ قارئین کے لیے یقیناً یہ ایک نئی چیز ہے اسی لیے یہ معاملہ غالب اکثریت کے سروں پر سے گزر جاتا ہے لیکن یہ بڑا اہم موضوع ہے جس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا ذکر محض انجیل میں ہے اور وہ بھی ایک بار ہی آیا ہے لیکن اسے احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو ساری بات سمجھ میں آجاتی ہے اور یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ آخر کار اسلام ہی غالب آکر رہے گا۔

آپ کسی انسائیکلو پیڈیا میں دیکھیں تو وہاں ارماگدون، آرمیگڈن یا اماجدون کو ایک ایسا میدان کارزار بتایا گیا ہے جس میں حق اور باطل کی قوتوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ اس جنگ کے فریق کون ہوں گے۔ یہ کب اور کہاں لڑی جائے گی......؟ اس کے بارے میں ہمیں رسول اللہؐ کے فرامین کو دیکھنا ہوگا۔ ان میں سب کچھ بڑے صاف اور واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے۔

ہم انجیل میں مذکور معاملے کو ہی دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ ایک طرف وہ لوگ میدان میں اتریں گے جو حق کو پھیلانا چاہیں گے اور سچائی کے علمبردار ہوں گے۔ دوسری جانب طاغوتی قوتیں یا برائی کے پیروکار ہوں گے۔ آخر کار باطل قوتوں کو شکست ہوگی اور اچھائی کی قوتیں غالب آجائیں گی۔

یہ جنگ کہاں لڑی جائے گی......؟ سب سے پہلے اس معاملے کو لیتے ہیں۔ انجیل میں دراصل یہ مقام ہرمجدہ یا ہرمجیدہ ہے جسے ارما گدون یا اماجدون قرار دیا گیا ہے۔ یہ نام انگریزی کی کتب میں ہے۔ ممکن ہے سیرانی یا یونانی زبان سے ترجمہ کرتے ہوئے تلفظ بگڑ گیا ہو کیونکہ انجیل انگریزی یا عبرانی میں نہیں بلکہ سیرانی زبان میں اتری تھی جس کا بعد میں یونانی ترجمہ کیا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اصل زبان میں یہ کتاب مقدس معدوم ہوگئی اور محض اس کے یونانی تراجم رہ گئے۔ انجیل کے حوالے سے دیکھیں اور جنگ کے مقام کا جائزہ لیں تو حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جنگ اسرائیل میں لڑی جائے گی۔ عبرانی یعنی یہودیوں کی زبان میں چھوٹی پہاڑیوں کو ہر کہا جاتا ہے۔ ہم اسرائیل پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہرمجدو، ہرمجیدہ یا ہرمجدون کا یہ علاقہ بیت المقدس (یروشلم) کے شمال میں ساٹھ کلومیٹر دور سے شروع ہوتا ہے۔ تین سو کلومیٹر پر محیط اس علاقے میں چھوٹی پہاڑیاں یا ٹیلے موجود ہیں۔ مجیدہ یا مجدو اس وادی میں ایک آبادی کا نام ہے۔ یہ علاقہ جنوب میں ایدون تک چلا گیا ہے۔ اسی مناسبت سے یہ ہرمجدون کہلاتا ہے۔

1952ء میں اردو زبان میں شائع شدہ ایک انجیل کا نسخہ نظر سے گزرا جو کلیسا کے مقامی بڑوں کی طرف سے تصدیق شدہ ہے۔ اس میں واضح طور پر لفظ ہرمجدہ موجود ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذہبی شخصیات اور ماہرین لسانیات کی طرف سے انگریزی میں دیئے گئے لفظ پر اعتراض کیا گیا تھا جس کے بعد انجیل کے ایک ماہر نے اعتراف کیا کہ اصل لفظ ہرمجدون ہی ہے جو انگریزی میں غلط تلفظ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا 1981ء میں انگریزی زبان کی انجیل میں بھی یہی لفظ شامل کرلیا گیا۔ یہاں یہ ذکر مناسب ہوگا کہ انجیل اس سارے معاملے کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

انجیل کی کتاب مکاشفات کے باب نمبر 16 میں سات فرشتوں کا ذکر ہے جن کے پاس خدا کے غضب کے سات پیالے ہیں۔ ان فرشتوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ یہ پیالے زمین پر

انڈیل دیں۔ ہمارے موضوع کا تعلق چھٹے پیالے سے ہے۔ یہاں سب سے پہلے ہم اس کا ذکر کرتے ہیں جو اس طرح سے ہے:

پھر چھٹے نے اپنا پیالہ بڑے دریائے فرات پر انڈیلا تو اس کا پانی سوکھ گیا تا کہ مشرق کے بادشاہوں کے لیے راہ تیار ہو جائے۔ پھر میں نے اس اژدھے کے منہ سے اور اس حیوان کے منہ سے اور اس جھوٹے نبی کے منہ سے مینڈکوں کی مانند تین ناپاک روحوں کو نکلتے دیکھا۔ یہ شیاطین کی نشان دکھانے والی وہ روحیں ہیں جو ساری دنیا کے بادشاہوں کے پاس جاتی ہیں تا کہ انہیں قادر مطلق خدا کے روز عظیم کی لڑائی کے واسطے جمع کریں۔ دیکھ میں چور کی مانند آتا ہوں۔ مبارک ہے وہ جو جاگتا ہے اور اپنے کپڑوں کی خبر گیری کرتا ہے تا کہ وہ ننگا نہ پھرے اور لوگ اس کی شرم کو نہ دیکھیں۔ اور اس نے ان کو اس جگہ جمع کیا جس کا نام عبرانی زبان میں ہرمجدو ہے۔

اگر انجیل میں دی گئی یہ باتیں درست ہی تو پھر صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب قیامت آنے والی ہوگی۔ کیونکہ اسے قادر مطلق کے روز عظیم کی لڑائی قرار دیا گیا ہے۔ انجیل چونکہ عبرانی میں نہیں اتری تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بعد میں شامل کیے گئے ہیں ''جس کا نام عبرانی زبان میں ہرمجدو ہے۔'' بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں۔ وہی ان معاملات کے بارے میں جانتا اور سمجھتا ہے۔ ہم بندے تو محض اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ باقی چھ پیالوں کے بارے میں انجیل کیا کہتی ہے۔ اس میں یوں لکھا گیا ہے:

☆ پہلے نے جا کر اپنا پیالہ زمین پر انڈیلا۔ تب جن لوگوں پر اس حیوان کا نشان تھا اور جو اس کی مورت کی پرستش کرتے تھے ان کے ایک بڑا اور بہت خراب ناسور پیدا ہوا۔

☆ پھر دوسرے نے اپنا پیالہ سمندر پر انڈیلا۔ تب وہ مردے کا سا خون بن گیا اور ہر ایک

جاندار سمندر میں مر گیا۔

☆ پھر تیسرے نے اپنا پیالہ دریاؤں اور پانی کے چشموں پر انڈیلا اور وہ خون ہو گئے اور میں نے پانی کے فرشتے کو یہ کہتے سنا کہ تو عادل ہے اے خداوند جو ہے اور جو تھا تو قدوس ہے جس نے یوں عدالت کی کیونکہ انہوں نے مقدسوں اور نبیوں کا خون بہایا ہے اور تو نے ان کو پینے کے لیے خون دیا۔ وہ اسی لائق ہیں۔ پھر میں نے قربانگاہ میں سے کسی کو یہ کہتے سنا کہ ہاں اے خداوند خدا قادر مطلق تیری عدالتیں برحق اور راست ہیں۔

☆ پھر چوتھے نے اپنا پیالہ سورج پر انڈیلا اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ آدمیوں کو آگ سے جھلس دے اور آدمی سخت گرمی سے جھلس گئے اور خدا کے نام پر کفر بکتے تھے جو ان آفتوں پر اختیار رکھتا ہے اور انہوں نے توبہ نہ کی کہ اس کی تمجید کرتے۔

☆ پھر پانچویں نے اس حیوان کے تخت پر اپنا پیالہ انڈیلا اور اس کی بادشاہی تاریک ہو گئی اور لوگ درد کے مارے اپنی زبانیں کاٹتے تھے۔ اور اپنے دردوں اور ناسوروں کے باعث آسمان کے خدا پر کفر بکتے تھے۔ لیکن اپنے کاموں سے توبہ نہ کی۔

چھٹے پیالے کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں اب ساتویں پیالے کے بارے میں کہا گیا ہے:

پھر ساتویں نے اپنا پیالہ ہوا پر انڈیلا۔ تب ہیکل سے تخت کے پاس سے ایک بڑی آواز یہ کہتی ہوئی آئی کہ ہو چکا۔ تب بجلیاں اور آوازیں اور گرجیں پیدا ہوئیں۔ اور ایک ایسا بڑا زلزلہ آیا کہ جب سے آدمی زمین پر ہیں ایسا بڑا اور سخت زلزلہ کبھی نہ آیا تھا۔ اور وہ بڑا شہر تین ٹکڑے ہو گیا اور قوموں کے شہر گر گئے اور بابل عظمیٰ کی خدا کے حضور یاد ہوئی تا کہ وہ اسے اپنے سخت غضب کی مے کا پیالہ دے۔ تب ہر ایک جزیرہ اپنی جگہ سے ٹل گیا اور پہاڑ غائب ہو گئے۔ اور آسمان سے آدمیوں پر قنطار قنطار بھر کے اولے گرے اور اولوں کی آفت کے سبب سے آدمیوں نے خدا کی نسبت کفر بکا۔ کیونکہ یہ آفت نہایت ہی سخت تھی۔

اس کے بعد باب نمبر 17 میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر وہ غیر متعلقہ ہے۔ اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔ تاہم اس میں بابل اور روما یعنی روم کا ذکر ہے۔ اس کی تشریح یا وضاحت

میں درج ہے کہ بابل شہر قدیم بابل کی مانند بت پرستی کرتا اور خدا کے لوگوں کو ستاتا تھا خصوصاً روما کی بت پرستی، حرامکاری، دولت، سوداگری اور شہرت کے برابر کوئی شہر کبھی نہ تھا۔ اس نے تین سو برس تک تمام دنیا میں مسیحیوں کو ستایا اور بھیڑوں کی طرح قتل کیا۔

یہاں تین سو برس کا ذکر اہم ہے کیونکہ مسیحیت کا اصل پھیلاؤ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد ہی شروع ہوا تھا جب روم کے ایک بادشاہ نے مسیحیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں سورۃ الکھف کو دیکھیں تو اصحاب کہف کی غار میں رہنے کی مدت تین سو سال ہی بتائی جاتی ہے یہ حق پرست نوجوان حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی وجہ سے ہی غار میں جا چھپے تھے اور پھر تین سو سال بعد باہر آئے تو ظلم و ستم کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

دراصل بہت سی باتیں علامتی ہیں۔ مثلاً اس میں حیوان کا ذکر آیا ہے۔ تشریح میں لکھا گیا ہے کہ وہ حیوان یا بت پرست روما ہے جو سات پہاڑوں پر بنا تھا یا شیطان کا اختیار ہے جو مسیح کے دنیا میں آنے سے پہلے نہایت بڑا تھا لیکن مسیح کے ظاہر ہونے کے بعد کم ہوا اس کا اختیار کم ہو گیا۔ مگر دنیا کے آخر میں جب وہ گناہ کا شخص آئے گا تو شیطان پھر طاقت سے اٹھے گا۔ اس تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ گناہ کے شخص سے مراد غالباً دجال ہے۔

بہر حال! یہ سب کچھ انجیل میں مذکور ہے۔ معلوم نہیں اس میں حقیقت کتنی اور تحریف کس قدر ہے تاہم مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں بیان کیا ہے کہ قرآن میں جس جگہ انجیل کا ذکر آیا ہے اس سے مراد وہی انجیل ہے جو اس وقت رائج ہے۔ اس معاملے میں باری تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

ہم ذکر کر رہے تھے کہ انجیل نے جس معرکہ حق و باطل کا ذکر کیا ہے وہ کس جگہ ہوگا۔ اس کی تمام نشانیاں اسرائیل کی جانب توجہ مبذول کر رہی ہیں کہ وہیں میدان کارزار گرم ہوگا۔ تاثر یہ ملتا ہے کہ ان میں سے ایک فریق یہودی ہوں گے۔ دوسری جانب ان کی مخالفت میں کون سی قوتیں صف آرا ہوں گی......؟ اسی حوالے سے ہم ایک حدیث

پاک کا ذکر کرتے ہیں جو مسند احمد بن حنبل، ابن داؤد اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔

اس حدیث کے مطابق رسول اللہؐ نے اہل روم (عیسائیوں) سے صلح اور ایک مشترکہ دشمن کے ساتھ لڑائی کی خبر دی ہے...... پھر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم سلامت رہو گے، مال غنیمت حاصل کرو گے۔ پھر تم ایک ٹیلوں والی چراگاہ میں قیام کرو گے۔ پھر رومیوں کا ایک آدمی کھڑا ہو کر صلیب بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آ گئی۔ اس کے بعد ایک مسلمان کھڑا ہو کر اسے قتل کر دے گا۔ رومی عہد توڑ دیں گے۔ پھر خوفناک جنگیں ہوں گی۔ وہ تمہارے خلاف 80 جھنڈوں تلے جمع ہوں گے۔ ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار کا لشکر ہو گا۔

فرمان نبوی میں ٹیلوں والی جگہ کا کہا گیا ہے۔ ہم ہرمجدون کے علاقے پر نظر ڈالیں تو اس کی صورتحال ایسی ہی ہے۔ یہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ عبرانی میں ہر کا مطلب ہی چھوٹی پہاڑی یا ٹیلے ہیں۔ حدیث پاک کو دیکھا جائے تو آخر کار یہ مسلمانوں اور ان کے اتحادی عیسائیوں کے درمیان معرکہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

حق و باطل کا یہ معرکہ جس میدان میں ہو گا۔ اسے ''جزیل'' کا نام دیا گیا ہے۔ میدان تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ ماضی میں یہ علاقہ حملہ آوروں کے لیے پسندیدہ رہا ہے۔ اسے بیت المقدس کی نسبت زیادہ بار اجاڑا گیا ہے۔ یہاں جس قدر جنگیں لڑی گئیں اور جتنی قتل و غارت ہوئی۔ اس کے نتیجے میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس میں انسانی خون جذب نہ ہوا ہو۔ یہ ماضی کا پرل ہاربر تھا جسے جنگ اور موت کی وجہ سے شہرت ملی۔ تاریخ میں اس میدان کا چودھویں صدی قبل مسیح سے ذکر ملتا ہے۔ یہاں حضرت یوشع بن نون اور فرعون ططمس دوم کے درمیان جنگ ہوئی۔ جنگ میں فرعون نے دھوکے سے ایک شہر پر قبضہ کر لیا۔ ایک صدی قبل پہلی جنگ عظیم میں برطانوی جرنیل ایلن نے بھی فرعون والی حکمت عملی اپنائی اور فلسطین کو نام نہاد و آزادی دلا دی۔

نپولین جب یہاں آیا تو دیکھتے ہی اسے بہترین میدان جنگ قرار دیدیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہاں فوجوں کی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکتی ہے۔

مسلم کے باب الفتن کی ایک اور حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ رومی اعماق یا وابق میں اتریں۔ ان کی طرف ان سے لڑنے کے لیے ایک لشکر مدینہ سے روانہ ہوگا۔ وہ ان دنوں زمین والوں میں سے نیک لوگ ہوں گے۔ جب وہ صف بندی کریں گے تو رومی ان سے کہیں گے کہ تم ہمارے اور ان کے درمیان دخل اندازی نہ کرو۔ جنہوں نے ہم لوگوں میں سے کچھ کو قیدی بنالیا ہے۔ ہم ان سے لڑیں گے۔ مسلمان کہیں گے کہ نہیں اللہ کی قسم! ہم اپنے بھائیوں کو تنہا نہیں چھوڑیں گے کہ تم ان کے ساتھ لڑتے رہو۔ آخر وہ ان سے لڑائی کریں گے تو ایک تہائی (مسلمان) بھاگ جائیں گے جن کی اللہ کبھی توبہ قبول نہیں کرے گا۔ ایک تہائی قتل ہو جائیں گے جو اللہ کے نزدیک افضل شہدا ہوں گے اور ایک تہائی فتح حاصل کرلیں گے جن کو کبھی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

حدیث پاک میں بیان کردہ قیدی کون تھے جن کا رومی مطالبہ کررہے تھے؟

دراصل یہ وہ نصرانی (عیسائی) تھے جو اس سے پہلے ہونے والی جنگوں میں اسلام قبول کرکے مسلمانوں کے ساتھ آن ملے تھے اور عیسائی سخت غصہ میں تھے۔ لیکن مسلمان اب اپنے ان دینی بھائیوں کو کیسے کفار کے حوالے کرتے۔ لہٰذا انہوں نے جنگ کو ترجیح دی۔

اگر میں غلطی پر نہیں تو مذکورہ دونوں احادیث کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ ان جنگوں کے بارے میں ہی لگتی ہیں جن میں روئے زمین کی تمام قومیں حصہ لیں گی۔ اس میں مسلمانوں اور عیسائی متحد ہوکر لڑیں گے اور میدان جنگ اسرائیل میں ہوگا۔ پھر عیسائی معاہدہ توڑ دیں گے۔ غالباً یہ وہی معاہدہ ہے جس کا نبی اکرمؐ نے ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ نصرانیوں کی فوج 80 جھنڈوں تلے جمع ہوگی۔ اس سے مراد 80 ممالک یا 80 گروپ بھی ہوسکتے ہیں۔

عیسائیوں کے نزدیک اس جنگ میں سپہ سالار اعظم حضرت عیسیٰؑ ہونگے مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کی قیادت امام مہدیؒ کریں گے کیونکہ احادیث مبارکہ کو دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰؑ کا ظہور اس جنگ کے بعد ہوگا۔ حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے قبل دجال کا خروج ہوچکا ہوگا اور یہ جنگ

دجال کے خروج سے پہلے ہوگی۔امکان غالب ہے کہ اس فتح کے بعد امام مہدیؒ ہی شاہ فلسطین ہوں گے۔

رسول اللہؐ نے ایک جنگ میں دوتہائی یہودیوں کے ختم ہوجانے کی خبر دی ہے۔اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے احادیث موجود ہیں۔ان احادیث مبارکہ کے مطابق مسلمان اور یہود آپس میں لڑیں گے اور مسلمان یہود پر غالب آجائیں گے۔مسلمان انہیں قتل کردیں گے۔یہاں تک کہ یہودی جس درخت یا پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا تو وہ پتھر اور درخت کہے گا کہ اے عبداللہ (اللہ کے بندے) میرے پیچھے یہودی ہے۔آؤ اور اسے قتل کردو، سوائے غرقد کے درخت کے کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ خود یہودیوں کو بھی اس حدیث پاک پر یقین ہے کیونکہ اسرائیل میں جابجا اس درخت کے باغات لگائے جارہے ہیں۔اس کا صرف ایک ہی مقصد ہوسکتا ہے کہ قتل عام میں زیادہ سے زیادہ یہودیوں کو بچایا جاسکے۔

حالات بتاتے ہیں کہ یہودیوں کے ساتھ یہ جنگ ہرمجدون کے معرکہ سے پہلے ہوچکی ہوگی۔بزرگوں کے مطابق اس میں مخالف فریق یا بقول انجیل بدی کی قوت عیسائیوں کا ایک گروہ ہی ہوگا جو مسلمانوں کے اتحادی نصرانیوں سے الگ ہو چکا ہوگا۔یہ جنگ آج کے اسرائیل میں ضرور ہوگی مگر اس وقت تک اسرائیل دوبارہ فلسطین بن چکا ہوگا جس کے حکمران حضرت امام مہدیؒ ہوں گے۔

○

مسیحی دنیا کو معلوم ہے

گزشتہ باب میں غرقد کے درخت کا ذکر آیا ہے۔ یہ درخت دراصل جنگلی کیکر کی طرح کا ہے۔ ہمارے ہاں ایک تو کیکر کے بڑے بڑے درخت ہیں مگر عموماً جنگل یا ویران مقامات پر اگی جھاڑیوں اور درختوں کے ساتھ اس کی کثرت ہوتی ہے۔ بڑے بڑے کانٹوں والا یہ درخت جھاڑیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ عموماً اس کا تنا بہت بڑا نہیں ہوتا بلکہ ایک ساتھ کئی پودے اگے ہوتے ہیں۔ یہ عموماً بھیڑ بکریوں کی خوراک بنتا ہے۔

اس وقت مدینہ منورہ میں جس جگہ قبرستان جنت البقیع ہے، اس کو ماضی میں بقیع غرقد کہا جاتا تھا کیونکہ اس میں غرقد کے پودے بڑی تعداد میں اگے ہوئے تھے۔ نبی کریمؐ نے ان پودوں کو صاف کرا کے یہ جگہ قبرستان کے لیے مخصوص کر دی۔ اس قبرستان کے پہلے مکین حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔ ان کے بعد نبی کریمؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کو اسی جگہ دفن کیا گیا حضرت ابراہیمؑ کمسنی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ آپؑ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔ جنت البقیع میں حضرت عثمانؓ بن مضعونؓ اور حضرت ابراہیمؑ کی قبور مبارکہ قریباً ساتھ ساتھ ہیں۔

غرقد کے درخت کی وضاحت کے لیے یہ سطور تحریر کر دی گئی ہیں جبکہ ہم مجدو یا ہر مجدون کی جنگ کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ دوبارہ اسی موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اس جنگ کو ''ام الحرب''، یعنی جنگوں کی ماں قرار دیا گیا ہے۔ اپنی ہولناکی کے اعتبار سے یہ ایسی ہی ہوگی۔ اسی سے اندازہ لگا لیں کہ عام جنگوں کی نسبت اس جنگ میں کس قدر تباہی ہوگی۔ عیسائی دنیا اس جنگ کو تسلیم ہی نہیں کرتی اس کے بارے میں پوری معلومات رکھتی ہے۔ اسے تسلیم کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کی خبر انجیل نے دی ہے۔ انجیل نے نام لے کر کہا

ہے کہ حق اور سچائی کی قوتیں بدی یا باطل قوتوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں گی۔ دنیا کی قریباً تمام قوتیں اس جنگ میں حصہ لیں گی۔ عیسائی دنیا میں اس جنگ کو دہشت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ امریکہ میں تو بہت سے لوگ اس کی راہ دیکھ رہے ہیں جن میں ان کے بعض اکابرین حتیٰ کہ کچھ سابق صدور بھی شامل ہیں۔ ماضی قریب کا ایک واقعہ ہے جب رونالڈ ریگن کی انتخابی مہم جاری تھی تو انہوں نے ایک تقریر میں اس جنگ کا حوالہ دیدیا۔ جس پر روس نے ایٹمی ہتھیار سیدھے کر لیے تاہم کچھ لوگوں نے معاملہ ٹھنڈا کرا دیا۔

مغرب اس بارے میں پرجوش مگر خوفزدہ بھی ہے۔ ان کے اکابرین ''مخلص'' عیسائیوں کو اس جنگ کا خیر مقدم کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہرمجدون کا آخری معرکہ شروع ہوگا تو حضرت عیسیٰؑ آجائیں گے اور انہیں اٹھا کر بادلوں میں لے جائیں گے۔ اس طرح عیسائی تباہ و برباد ہونے سے بچ جائیں گے اور انہیں جنگ کی ہولناکیوں کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

یہودی عقیدہ ایک دوسری قسم کی خوش فہمی پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں پوری دنیا یہودیوں کی دشمن ہو جائے گی اور وہ مل کر ان کے ساتھ جنگ کرے گی۔ یہودی عقیدہ میں خوش فہمی کا پہلو یہ ہے کہ پھر عالمی فوج کو شکست ہو جائے گی اور وحدانیت پرست تینوں مذاہب یکجا ہو جائیں گے۔ اسی دوران دجال کا خروج ہوگا۔ ممکن ہے یہود ہرمجدون سے پہلے کسی معرکہ کا ذکر کر رہے ہوں۔

اس عقیدے کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ اس لحاظ سے درست ہے کہ آخر کار دنیا میں اسلام ہی غالب آئے گا۔

احادیث مبارکہ سے اس کے واضح اشارے ملتے ہیں کہ یہ جنگ امام مہدیؒ کے دور میں ہوگی۔ اور وہی ہرمجدون اور اس کے بعد کی جنگوں کی قیادت کریں گے کیونکہ لڑائی کے اختتام پر دجال کے خروج، حضرت عیسیٰؑ کی آمد اور ان کے ہاتھوں دجال کے قتل کی خبر دی گئی ہے۔ امام مہدیؒ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ وہ سات برس تک حکومت کریں گے۔ بیت اللہ شریف میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت ہوگی جبکہ لشکر ان

کا پیچھا کر رہے ہوں گے مگر ان لشکروں کا مقدر تباہی و بربادی ہی ہوگا۔ نبی کریمؐ کے فرمان کے مطابق تمام کا تمام لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔ اس حوالے سے کتابوں میں کسی اور سے نہیں بلکہ امہات المومنینؓ کی روایت سے حدیث موجود ہے۔

دنیا میں آج جب بھی کوئی جنگ ہوتی ہے تو اسے ہرمجدون کی جنگ اول یا اس کا پیش خیمہ قرار دیدیا جاتا ہے۔ ماضی میں بھی یہی رویہ رہا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ پہلی، دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی جنگیں ہرمجدون کی لڑائیاں تھیں۔ رومی سلطنت کے عروج و زوال کو بھی اسی کھاتے میں رکھا گیا ہے۔ زیادہ دور نہیں جاتے ہٹلر نے یورپ پر قبضہ کی کوشش کی تو نصرانیوں نے اسے ہرمجدون کی جنگ سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ عیسائیوں کی عیسائیوں کے خلاف جنگ تھی۔ ویت نام کی جنگ کے بارے میں بھی یہی کہا گیا۔ 1967ء اور 1973ء کی عرب اسرائیل جنگوں کو اس کا پیش خیمہ قرار دیا گیا۔ بوسنیا کی جنگ پر یہی لیبل لگا۔ خلیجی جنگ یعنی عراق پر دوبارکی امریکی فوج کشی اور اس سے پہلے طویل ایران عراق جنگ کو اسی سے تعبیر کیا گیا۔ اور تو اور ہمارے بعض علمائے کرام بھی اس کی وکالت کرتے رہے ہیں۔

احادیث مبارکہ اور انجیل کے انکشافات واضح طور پر دو جنگوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں مگر مذکورہ جنگوں میں سے کوئی بھی ان شرائط پر پوری نہیں اترتی کہ ان میں سے کسی کو ہرمجدون کی جنگ اول یا اس کا پیش خیمہ قرار دیا جاسکے۔ خلیجی جنگوں میں عیسائی اور کچھ مسلمان اکٹھے ضرور تھے مگر نہ تو عیسائی اور نہ ہی مسلمان بحیثیت مجموعی اس کا حصہ بنے۔ لہٰذا اس کا ہرمجدون کے ساتھ موازنہ نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ اسرائیل میں نہیں عراق میں لڑی گئی جس میں امریکی حق پرست تھے اور نہ ہی عراق اور اس کی فوج باطل پرست۔ ہمارے بعض مذہبی دانشوروں نے جنگوں کی ابتدائی سطح پر ایسا تجزیہ دیدیا جو کم از کم ہمارے نزدیک قرین قیاس نہیں۔ بہرحال! مولا کریم بہتر جانتا ہے۔ دیکھئے پردۂ غیب سے کب اور کیا ظاہر ہوتا ہے۔

○

امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ کی آمد

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جس کی راوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ یہی حدیث کچھ اختصار کے ساتھ دوسری امہات المومنینؓ کی روایت سے دیگر کتب احادیث میں بھی آئی ہے۔ یہاں ہم پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت بیان کرتے ہیں۔ حدیث اس طرح سے ہے:

> رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر فوج کشی کرے گا۔ جب یہ مقام بیداء (مدینہ سے کچھ فاصلے پر مکہ جانے والی شاہراہ پر) پہنچے گا تو اسے شروع سے آخر تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہؐ! اسے شروع سے آخر تک کیوں دھنسا دیا جائے گا جبکہ وہاں بازار اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کا ان لشکریوں سے تعلق نہیں ہوگا جس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! شروع سے آخر تک دھنسا دیا جائے گا پھر ان کا حشر ان کی اپنی نیتوں کے مطابق ہوگا۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ لشکر بیداء پہنچے گا تو ایک خوفناک زلزلہ آئے گا اور وہاں موجود سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ یقیناً کعبہ شریف پر لشکر کشی کے لیے جانے والوں کا انجام یہی ہوگا اور یہ باری تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوں گے لیکن سوال یہ ہے کہ لشکر بیت اللہ شریف پر حملہ کے لیے کیوں جائے گا۔ اس کی وضاحت سے پہلے ایک دوسری حدیث پاک دیکھ لیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا ایک خلیفہ کی موت کے وقت قوم اختلافات کا شکار ہو جائے گی۔ ایک آدمی بھاگ کر مدینہ سے مکہ چلا جائے گا۔ اس کے بعد مکہ سے کچھ لوگ آئیں گے جو اس کو زبردستی (غلاف کعبہ کے پیچھے سے) باہر نکال کر رکن (حجر اسود والا کونا) اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت لیں گے۔

ایک دوسری حدیث پاک میں حضرت ام سلمہؓ کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا پناہ لینے والا بیت اللہ کی پناہ لے گا۔ اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ ابھی وہ وہیں ہوں گے کہ لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ مدینہ سے مکہ جانے اور بیت اللہ کی پناہ لینے والا شخص کون ہو گا۔ یہ مدینہ سے بھاگ کر کیوں آئے گا اور مکہ میں کیوں چھپ جائے گا۔

ان تینوں احادیث مبارکہ کو ملا کر دیکھا جائے تو بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ یہ شخصیت یقیناً حضرت امام مہدی ہوں گے کیونکہ آپ ہی وہ ہستی ہیں جن سے حجر اور مقام ابراہیم کے درمیان بیعت لی جائے گی۔ مکہ کے لوگ آپؒ کی علامات سے پہچان کر جوق در جوق بیعت کے لیے حاضر ہوں گے۔ وہ آپ کو اپنا قائد بنا لیں گے۔ جناب امام مہدی اختلافات کے پیش نظر ہی مدینہ سے نکل جائیں گے۔ ان کا پیچھا کرنے والا لشکر انہی لوگوں کا ہو گا جو آپ سے عداوت رکھتے ہوں گے۔ لشکر میں شامل یہ لوگ بھی کوئی اور نہیں مسلمان ہی ہوں گے۔ لیکن بدترین انجام سے دوچار ہوں گے کیونکہ وہ کسی اچھی یا نیک نیت کے ساتھ مکہ نہیں جائیں گے بلکہ ان کا مقصد تقدیس کے حامل اس شہر میں قتل و غارت کرنا ہی ہو گا۔ بزرگ بتاتے ہیں کہ یہ شام کا لشکر ہو گا جہاں حضرت ابوسفیانؓ کی اولادوں میں سے ایک شخص حکمران ہو گا جو سادات کا دشمن ہو گا۔ لشکر کے مقابلے میں جناب امام مہدی بے سروسامان ہوں گے لیکن جب چہار سو سے لوگ ان کی بیعت کو آئیں گے تو انہیں ایک قوت اور طاقت میسر آ جائے گی۔ ان کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مسلمانوں کی عظمت کی بحالی کا دور شروع ہو جائے گا۔ وہ فتوحات حاصل کرتے ہوئے فلسطین پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ کئی ایک احادیث میں جس شاہ فلسطین کا ذکر کیا گیا ہے وہ امام مہدی ہی ہیں۔ یہاں کچھ اور احادیث بیان کرتے ہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن حارثؓ کی روایت ہے

کہ مشرق کی جانب سے ایسے لوگ نکلیں گے جو علاقوں پہ علاقے فتح کرتے ہوئے امام مہدی کی مدد کو پہنچیں گے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا خراسان کے علاقے سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں گے۔ انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی۔ یہاں تک کہ وہ ایلیا (بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں گے۔

ان احادیث میں مشرق اور خراسان کا ذکر ہوا ہے۔ عرب کے مشرق میں ایران، پاکستان اور افغانستان موجود ہیں۔ تینوں اسلامی ممالک ہیں۔ نبی کریمؐ کے دور کا جائزہ لیں تو آج کا خراسان اس دور کے خراسان سے مختلف تھا۔ آج کا خراسان ایران کا ایک صوبہ ہے مگر اس دور میں خراسان وسیع تر حیثیت رکھتا تھا۔ اس وقت افغانستان کا نام خراسان بھی تھا۔ یہ علاقہ صرف آج کے افغانستان پر ہی مشتمل نہیں تھا۔ اس میں شمالی علاقوں اور بلوچستان سمیت پاکستان کے بہت سے علاقے شامل تھے۔ بلوچستان سے ملنے والا ایران کا کچھ حصہ بھی خراسان کی عملداری میں تھا۔

یہاں ابتدا میں دی گئی حدیث مبارک سے ملتی جلتی ایک اور حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ مسلم کی کتاب الفتن کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے نیند میں اپنے ہاتھ پاؤں کو ہلایا تو ہم نے آپؐ سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے نیند میں وہ عمل کیا جو آپؐ نے پہلے کبھی نہیں فرمایا۔ جواب میں رسول اللہؐ نے بیان فرمایا کہ تعجب ہے میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ کا ارادہ کریں گے۔ ان کا یہ ارادہ قریش کے ایک آدمی کو پکڑنے کے لیے ہوگا جس نے بیت اللہ میں پناہ لی ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ جب ایک ہموار میدان (بیداء) میں پہنچیں گے تو انہیں دھنسا دیا جائے گا۔ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ راستے میں تو سب لوگ جمع ہوتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! ان میں مجبور اور مسافر بھی ہوں گے جو ایک ہی دفعہ ہلاک ہو جائیں گے اور مختلف طریقوں سے نکلیں گے اور (روز قیامت) اللہ انہیں ان کی نیتوں پر اٹھائے گا۔

بیداء صحرائی علاقہ ہے یہ مدینہ سے چند کلومیٹر دور ذوالحلیفہ کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔ یہ علاقہ مکہ اور مدینہ کو ملانے والی شاہراہ ہجرہ کے دونوں جانب ہے۔ پرانی سڑک کو ترک کر کے یہ شاہراہ بالکل انہی راستوں پر تعمیر کی گئی ہے جن پر نبی کریمؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے ہجرت کا سفر کیا تھا۔ بیداء میں کہیں کہیں ریت کے چھوٹے ٹیلے بھی نظر آ جاتے ہیں۔ چونکہ یہ ذوالحلیفہ سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے مدینہ طیبہ کے مرکزی علاقے سے دس بارہ کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔ ذوالحلیفہ وہ علاقہ ہے جہاں مسجد میقات واقع ہے۔ مدینہ سے حج اور عمرہ پر جانے والے اسی مسجد سے احرام اور نیت باندھتے ہیں۔

بزرگوں کی روایات ہیں کہ امام مہدی کے ظہور کا علم ہو گا تو لوگ گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں آئیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ شام کے ابدال، عراق کے اولیاء اور نیک لوگوں کی جماعتیں ان کی بیعت کے لیے آئیں گے جبکہ ہر شخص پر ان کی بیعت واجب ہو گی۔ حضرت امام مہدیؒ مشرقی ملک کی فوجوں کی مدد سے عرب میں ایک مضبوط اور طاقتور حکومت قائم کریں گے۔ یہی زمانہ دجال کے خروج اور حضرت عیسیٰؑ کی آسمانوں سے آمد کا ہو گا۔ احادیث مبارکہ کے مطابق جناب امام مہدیؒ حکومت سنبھالنے کے سات برس بعد تک حیات رہیں گے۔ اسی دوران حضرت عیسیٰؑ تشریف لا چکے ہوں گے اور وہ دنیا پر حکمرانی کا فریضہ انجام دیں گے۔ دنیا میں آ کر شادی کریں گے۔ ان کے بچے ہوں گے بعض روایات کے مطابق ان کا انتقال ہو گا تو انہیں مسجد نبویؐ میں روضہ اطہر والے حجرے میں ہی دفن کیا جائے گا جہاں اس وقت نبی کریمؐ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی قبور مبارکہ موجود ہیں جبکہ ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

ہم فی الحال امام مہدیؒ کا ذکر کر رہے ہیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے حدیث پاک ہے کہ شام کے ابدال اور عراق کے گروہ آ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ اس کے بعد قریش کا ایک شخص بنی کلب کا بھانجا اس کی طرف لشکر کشی کے لیے بھیجا جائے گا۔ وہ اس لشکر کو مغلوب کر لیں گے۔ وہ لوگوں کے درمیان معاملات کا فیصلہ تمہارے نبی کی سنت کے

مطابق کریں گے اور اسلام اپنی گردن زمین پر لگا کر دے گا (غالب آجائے گا) وہ سات برس رہ کر وصال پا جائیں گے۔ لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے (ابوداؤد)

ابوداؤد ہی کی ایک اور حدیث ہے۔ ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مہدی مجھ سے ہے۔ وسیع پیشانی اور اونچی ناک والا ہوگا اور زمین کو اس وقت عدل و انصاف کے نظام سے چمکا دے گا جب وہ ظلم وستم سے بھر گئی ہوگی۔ وہ سات برس فرمانروائی کرے گا۔

ابن ماجہ کے مطابق ابوسعید خدریؓ کی ہی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا میری امت میں مہدی پیدا ہوں گے۔ اگر وہ دنیا میں بہت کم رہے تو سات برس (حکمرانی کے حوالے سے) رہیں گے ورنہ نو برس ضرور رہیں گے۔ اس کے زمانے میں میری امت اس قدر خوش ہوگی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زمین کا اس کے زمانے میں یہ حال ہوگا کہ جس قدر اس میں پھل پیدا کرنے کی صلاحیت ہے سب پیدا کرے گی۔ زمین کا کچھ حصہ بھی باقی نہ رہے گا۔ مال کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ ان کے سامنے ڈھیر لگا ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے مہدی ہمیں مال دو۔ وہ جواب دیں گے جس قدر جی چاہے لے لو۔

ابن ماجہ میں ہی حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا تمہارے ایک خزانے کے پاس تین خلفاء کے بیٹے قتل کیے جائیں گے لیکن کسی کو بھی وہ خزانہ نہیں ملے گا۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ نشان نمودار ہوں گے۔ وہ تمہیں ایسا قتل کریں گے کہ پہلے کسی نے نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے کچھ اور بیان فرمایا جسے میں یاد نہ رکھ سکا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا خلیفہ مہدی ظاہر ہوگا۔ جب تم اسے ظاہر ہوتے دیکھو تو گھٹنوں کے بل برف پر گھسٹ کر بھی جانا پڑے تو اس کی بیعت کر لینا کیونکہ وہ مہدی خدا کا خلیفہ ہوگا۔

حضرت عبداللہؓ نے بھی اسی طرح کی حدیث بیان کی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ چند ہاشمی نوجوان آئے۔ انہیں دیکھ کر آنحضرتؐ کی آنکھیں بھر آئیں۔ ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپؐ میں کوئی نہ کوئی بات ضرور دیکھتے ہیں جس

سے ہمیں دکھ ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بدلے آخرت دی۔ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے کہ میرے اہل بیت بہت سختی اور تکلیف میں ہوں گے۔ ان پر بڑی مصیبتیں آئیں گی۔ حتیٰ کہ مشرق اور مغرب سے کچھ لوگ آئیں گے جن کے پاس سیاہ جھنڈے ہوں گے۔ ان کا مقصد دنیا کے خزانوں پر قبضہ ہوگا لیکن لوگ انہیں روکیں گے۔ وہ لوگوں سے جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فتح عطا کرے گا۔ وہ جس کام کا ارادہ کریں گے وہ پورا ہوگا۔ اس وقت یہ لوگ حکومت کو پسند نہ کریں گے بلکہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو سردار مقرر کریں گے۔ وہ شخص زمین کو عدل سے اس طرح بھر دے گا جس طرح لوگوں نے اسے ظلم سے بھر دیا تھا۔ تم میں سے جو شخص اس زمانہ کو پائے وہ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو اگرچہ اسے گھٹنوں کے بل زمین پر کیوں نہ چلنا پڑے (ابن ماجہ)

حدیث سے معتبر حوالہ کوئی نہیں ہوتا اور یہ بات طے ہے کہ امام مہدیؒ فلسطین سمیت پورے عرب پر حکومت کریں گے۔ گزشتہ ابواب میں جس آخری معرکہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی حضرت امام مہدیؒ ہی کے دور بلکہ ان کی قیادت میں ہوگا۔ ایک لڑائی میں دو تہائی یہودیوں کے مارے جانے کا بھی ذکر ہے جس کے بعد یہود اسرائیل پر اپنی گرفت قائم نہیں رکھ سکیں گے اور یہ سارا علاقہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آجائے گا جن کے امیر یا قائد امام مہدیؒ ہی ہوں گے اور وہی فلسطین پر بھی حکمرانی کریں گے۔

ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ داعیان حق جس علاقے سے ہجرت کرتے ہیں یا جو علاقہ ان سے بزور چھین لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہ انہیں ضرور واپس دیتا ہے لیکن کب اور کیسے......؟ اس کا انحصار مسلمانوں کے اپنے اعمال و افعال پر ہے لہٰذا فلسطین ہی نہیں آخرکار وہ تمام علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے جہاں سے انہیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔ ان میں فلسطین اور ہندوستان بھی شامل ہیں۔ ہم غزوہ ہند کے بارے میں احادیث پاک کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین ہندوستان کی فتح کے بعد شاہ فلسطین کے پاس جائیں گے۔ وہ چونکہ حضرت عیسیٰ کے ظہور کا زمانہ بھی ہوگا لہٰذا شاہ فلسطین امام مہدی کے سوا کوئی نہیں

ہو سکتا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ انہی کے دور حکومت میں تشریف لائیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔ ہر مجدون کی جنگ اور اس کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ کا ذکر آپ دیکھ چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور اس جنگ کے بعد ہوگا۔ اس وقت دجال بھی آچکا ہوگا۔ عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں ایک تہائی مسلمان بچ جائیں گے اور ان کو فتح حاصل ہوگی۔ حدیث پاک کے مطابق یہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو کبھی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ یہی لوگ قسطنطنیہ (استنبول) فتح کریں گے۔ ان کی تلواریں (ہتھیار) زیتون کے درختوں کے ساتھ لٹکی ہوں گی اور یہ آپس میں مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ اچانک وہاں شیطان نمودار ہوگا اور چیخ کر کہے گا کہ دجال تمہارے بال بچوں تک پہنچ گیا ہے۔ وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوں گے (اور جب گھروں میں جائیں گے) یہ خبر غلط ثابت ہوگی۔ یہ لوگ شام پہنچیں گے تو اس وقت دجال نکلے گا۔ وہ جہاد کی تیاری کر رہے ہوں گے (نماز کے لیے) صفوں کو سیدھا کر رہے ہوں گے اور اقامت کہی جائے گی تو حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے۔ روایات ہیں کہ آپؑ مسجد کے مینار پر اتریں گے۔ یہ بھی روایات ہیں کہ نماز کی امامت کے لیے امام مہدی کھڑے ہوں گے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ سے گزارش کی جائے گی کہ وہ امامت فرمائیں۔ امامت کے بارے میں اگرچہ دو آراء ہیں تاہم اکثریت کے مطابق حضرت عیسیٰ ہی امامت فرمائیں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب دجال بھی آجائے گا۔ حضرت عیسیٰ اس کا پیچھا کریں گے۔ جب اللہ کا یہ دشمن انہیں دیکھے گا تو اس طرح پگھلنا شروع ہو جاء گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے۔ وہ ہلاک ہونے کے قریب ہوگا کہ حضرت عیسیٰ اس کو خود قتل کرنے کے لیے آگے بڑھیں گے کیونکہ باری تعالیٰ اسے آپؑ کے دست مبارک سے قتل کرانا چاہتا ہے۔ آپ اس کو نیزے سے قتل کر دیں گے اور پھر لوگوں کو نیزے پر لگا اس کا خون دکھائیں گے۔ اس طرح یہ سب سے بڑا فتنہ ختم ہو جائے گا جس سے نبی کریمؐ نے بھی پناہ مانگی ہے۔

کچھ روایات ہیں کہ دجال کو لد کے مقام پر قتل کیا جائے گا۔ لد تل ابیب کے قریب ایک

چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اسرائیل کے قیام کے بعد جب یہودیوں کو اس روایت کا علم ہوا تو انہوں نے اس مقام پر بہت بڑا بین الاقوامی ہوائی اڈہ بنا دیا جس کا مقصد تھا کہ دجال یہاں آئے اور حضرت عیسیٰ اسے قتل کرنے لگیں تو یہودی دجال کو جہاز میں بٹھا کر فرار کرا دیں مگر یہ خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو امر طے کر دیا ہے وہ اسی طرح ہو کر رہے گا۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ان کے نجات دہندہ کے طور پر آئیں گے اور انہیں لے کر آسمانوں میں چلے جائیں گے۔ اس طرح وہ جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ رہیں گے جبکہ اس جنگ اور حضرت عیسیٰ کی آمد کے زمانے میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ دجال کو قتل ہی نہیں کریں گے صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا سے عیسائیت اور حرام کا خاتمہ ہو جائے گا۔



دجال کا خروج

دجال کون ہے......؟

وہ کیسا ہوگا......؟

وہ کہاں کہاں جائے گا......؟

اور وہ کیا کچھ کرے گا......؟

اس بارے میں بزرگان دین کی بہت سی روایات موجود ہیں لیکن یہاں ہم صرف احادیث مبارکہ پر اکتفا کریں گے کیونکہ نبی کریمؐ کی طرف سے دی گئی خبر سے کوئی دوسری روایت معتبر نہیں ہوسکتی کہ آپؐ تو مخبر صادق یعنی سچی خبریں دینے والے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے لوگوں کے سامنے دجّال کا ذکر کیا اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے اور مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ گویا کہ اس کی آنکھ پھولے ہوئے انگور کی طرح ہوگی۔ حضرت انس بن مالکؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبیؑ نے اپنی امت کو کانے دجال سے ڈرایا ہے۔ آگاہ رہو! بے شک وہ کانا ہوگا اور بے شک تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کے درمیان ک، ف، ر لکھا ہوا ہے۔ آپؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا دجال کی ایک آنکھ اندھی ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہے۔ پھر اس کے ہجے کیے یعنی ک ف ر اور ہر مسلمان اسے پڑھ لے گا۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا دجال کی بائیں آنکھ کافی

ہوگی۔ وہ گھنے بالوں والا ہوگا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی اور (درحقیقت) اس کی دوزخ جنت اور اس کی جنت دوزخ ہوگی۔ آپؐ کی ایک اور روایت کے مطابق نبی کریمؐ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ دجال کے ساتھ کیا ہوگا۔ اس کے ساتھ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی۔ ان میں سے ایک کا پانی دیکھنے میں سفید ہوگا اور دوسری دیکھنے میں بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ پس اگر کوئی اس کو پالے تو اس نہر میں جائے جس کو وہ بھڑکتی ہوئی آگ تصور کرے اور آنکھ بند کر کے سر کو جھکائے اور پھر اس سے پیے۔ بے شک وہ ٹھنڈا پانی ہوگا اور بے شک دجال بالکل بند آنکھ والا ہوگا۔ اس پر ایک موٹی پھلی ہوگی۔ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا اور ہر لکھنے والا اور جاہل مومن اسے پڑھے گا۔ حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ دجال کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی۔ پس اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگا اور اس کا پانی آگ ہوگی۔ پس تم ہلاک نہ ہونا۔ ایک دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ ارشادات نبویؐ کے مطابق تم میں سے جو اسے پالے تو اسی میں کود جائے جس میں آگ تصور ہوگی کیونکہ وہ ٹھنڈا، میٹھا اور پاکیزہ پانی ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی خبر نہ دوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں دی۔ بے شک وہ کانا ہوگا اور جنت اور دوزخ کی مثل لے کر آئے گا۔ پس جسے وہ جنت کہے گا وہ جہنم ہوگا اور میں تمہیں اس سے اسی طرح ڈراتا ہوں جس طرح نوحؑ نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔ اسی حدیث مبارک میں آگے جا کر آپؐ کے حوالے سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں تمہارے بارے میں دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں کا زیادہ خوف کرتا ہوں۔ اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوگیا تو تمہارے بجائے میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ اگر وہ میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا اور اللہ پھر ہر مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہوگا۔ بے شک (دجال) نوجوان گھنگریالے بالوں والا اور پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا۔ گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو اسے چاہیے کہ اس پر سورۃ الکہف کی ابتدائی آیات

کی تلاوت کرے۔ بے شک اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سے ہوگا۔ پھر وہ اپنے
دائیں اور بائیں جانب فساد برپا کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔ ہم نے عرض کیا
اے اللہ کے رسولؐ! وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ چالیس دن اور ایک دن
سال کے برابر ہوگا اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور باقی ایام
تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! وہ دن جو سال
کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں پڑھ لینا کافی ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا
کہ نہیں بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا۔ ہم نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! اس
کی زمین میں چلنے کی تیزی کیا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا اس بارش کی طرح جسے ہوا پیچھے سے دھکیل
رہی ہو۔ پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور اسے دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں
گے اور اس کی دعوت قبول کر لیں گے۔ پھر وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین
سبزہ اگائے گی اور اسے چرنے والے جانور شام کے وقت آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے سے
لمبے، تھن بڑے اور کوکھیں تنی ہوئی ہوں گی۔ پھر وہ ایک اور قوم کے پاس جائے گا اور اسے
دعوت دے گا۔ وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے تو وہ ان سے واپس لوٹ آئے گا۔ پس وہ قحط زدہ
ہو جائیں گے کہ ان کے پاس ان کے مالوں میں سے کچھ بھی نہیں رہے گا۔ پھر وہ ایک بنجر اور
ویران زمین کے پاس سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو نکال دے تو زمین کے
خزانے اس کے پاس ایسے آئیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس آتی ہیں۔ پھر
وہ ایک کڑیل اور کامل الشباب آدمی کو بلائے گا اور تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا۔ اور
دونوں ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک تیر کی مسافت پر رکھ دے گا۔ پھر وہ اس (مردہ) کو آواز
دے گا تو وہ زندہ ہو کر کھلتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ دجال کے انہی افعال
کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس
زرد رنگ کے حلے پہنے ہوئے۔ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب
وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس میں سے قطرے گریں گے۔ جب وہ اپنے سر کو اٹھائیں گے تو

اس میں سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی ان کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر رہ نہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی۔ پس حضرت مسیحؑ (دجال کو) طلب کریں گے۔ اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریمؑ کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا۔ پس عیسیٰؑ ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور انہیں جنت میں ملنے والے ان کے درجات بتائیں گے۔ پس اسی دوران حضرت عیسیٰؑ پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق: میں نے اپنے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں۔ پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لیے طور کی جانب لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اونچائی سے نکل پڑیں گے۔ ان کی اگلی جماعتیں بحیرہ طبری پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی پی جائیں گی اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا اور اللہ کے نبی عیسیٰؑ اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں کسی ایک کے لیے بیل کی سری تم میں سے کسی ایک کے لیے آج کل کے سو دینار سے افضل و بہتر ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰؑ اور ان کے ساتھی اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا۔ وہ ایک جان کی موت کی طرح یک لخت سب کے سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰؑ اور ان کے ساتھی زمین کی جانب اتریں گے تو زمین میں ایک بالشت جگہ بھی انہیں یاجوج ماجوج کی علامات اور بدبو سے خالی نہ ملے گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰؑ اور ان کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجیں گے جو انہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور جہاں اللہ چاہے وہ انہیں پھینک دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجیں گے جس پر مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا بالوں کا آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا اور زمین مثل باغ یا حوض کے دھل جائے گی۔ پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل کو اگا دے اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ پس ان دنوں ایسی برکت ہوگی کہ ایک انار کو پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت دے دی جائے گی کہ دودھ دینے والی ایک

گائے پورے قبیلہ کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی بکری پورے گھرانے کی کفایت کرے گی۔ اس دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے تک پہنچ جائے گی۔ پھر ہر مسلمان اور ہر مومن کی قبض کرلی جائے گی اور بدلوگ ہی باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح کھلے بندوں جماع کریں گے۔ پس انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

حضرت جابرؓ سے بھی یہ حدیث اسی سند سے مروی ہے۔ اس میں اس جملے کے بعد کہ ''اس جگہ کس موقع پر پانی تھا'' یہ اضافہ ہے کہ پھر وہ خمر کے پہاڑ کے پاس پہنچیں گے۔ وہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے۔ تو وہ کہیں گے: تحقیق۔ ہم نے زمین والوں سب کو قتل کردیا۔ آؤ! ہم آسمان والوں کو بھی قتل کریں گے۔ پھر وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کرکے ان کی طرف لوٹائے گا اور ابن حجرؒ کی روایت میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو نازل کیا ہے، جنہیں قتل کرنے پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے مجھ سے زیادہ کسی نے بھی دجال کے متعلق سوال نہیں کیے۔ آپؐ نے فرمایا تم اس بارے میں کیوں زیادہ فکرمند ہو؟ وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ کھانا اور نہریں ہوں گی۔ آپؐ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہوگا...... ایک اور روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! لوگ کہتے ہیں اس کے ساتھ روٹی اور گوشت کے پہاڑ ہوں گے اور پانی کی نہر ہوگی تو آپؐ نے فرمایا وہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

یہ مسلم سے لی گئی احادیث مبارکہ تھیں۔ اسی باب میں عبدالعزیٰ بن قطن کا ذکر آیا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں دجال کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس شخص کا تعلق قبیلہ بنوخزاعہ سے تھا اور یہ لوگوں میں دجال کا سب سے زیادہ ہم شکل تھا۔

بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ اپنی نماز میں دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہؐ نے دجال کے متعلق طویل گفتگو کی۔ آنحضرتؐ کے ارشادات میں یہ بھی تھا کہ دجال آئے گا اور اس کے لیے ناممکن ہو گا کہ وہ مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہو سکے۔ وہ مدینہ کے قریب کسی شور زمین پر قیام کرے گا۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا مدینہ کی گھاٹیوں میں فرشتے متعین ہیں۔ یہاں طاعون آسکتی ہے اور نہ ہی دجال۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ دجال مدینہ تک آئے گا تو یہاں فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا۔ چنانچہ نہ دجال اس کے قریب آسکتا ہے اور نہ طاعون۔

احادیث مبارکہ کے مطابق دجال کا خروج ہو گا تو وہ دنیا کے ہر شہر میں جائے گا مگر مدینہ طیبہ کے ساتھ ساتھ مکہ معظّمہ میں بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔ فرشتے اسے شام کی جانب دھکیل دیں گے جہاں وہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ دجال جرف کی شور زدہ زمین میں اترے گا۔ فرشتے اسے شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ مشرق کی طرف سے آئے گا اور شام کی جانب دھکیل دیا جائے گا۔ جرف مدینہ پاک کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن نبی کریمؐ نے ''یوم الخلاص'' کا ذکر کیا۔ آپؐ کی زبان مبارک پر یہ لفظ بار بار آرہا تھا۔ آخر صحابہ کرامؓ نے پوچھ ہی لیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ یوم الخلاص کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس دن دجال آئے گا وہ کوہ احد پر چڑھ کر دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا تم جانتے ہو یہ سامنے جو سفید محل نظر آرہا ہے یہ کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے گا کہ یہ احمدؐ کی مسجد ہے۔ اس کے بعد وہ مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے گا مگر اس پاک شہر کے ہر دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا جو شہر کی حفاظت کر رہا ہو گا۔ اس وقت دجال اس وادی کے اطراف میں اپنا خیمہ گاڑے گا جس کی جانب شہر کا پانی جاتا ہے۔ تب مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا۔ اس شہر میں جو فاسق، فاجر اور کافر ہوں گے وہ وہاں سے نکل کر دجال کی

طرف چلے جائیں گے اور نبی کا یہ پاک شہر ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گا۔

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریمؐ نے دجال کے بارے میں طویل گفتگو کی۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہو چنانچہ وہ مدینہ کے نزدیک شور زدہ زمین پر قیام کرے گا۔ پھر اس دن اس کے پاس ایک صاحب جائیں گے۔ وہ مدینہ کے افضل ترین لوگوں میں سے ہوں گے۔ وہ دجال سے کہیں گے میں گواہی دیتا ہوں رسول اللہؐ کی اس بات کی جو آپؐ نے ایک حدیث میں ہم سے بیان کی۔ اس پر دجال نے کہا کیا تم دیکھتے ہو اگر میں اس کو قتل کروں اور پھر زندہ کروں تو کیا معاملہ میں کوئی شک شبہ باقی رہے گا۔ اس کے پاس موجود لوگ کہیں گے کہ نہیں چنانچہ وہ ان صاحب کو قتل کر دے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ وہ صاحب کہیں گے کہ اللہ کی قسم پہلے مجھے تمہارے معاملے میں آج سے زیادہ بصیرت نہیں تھی۔ اس پر دجال انہیں پھر قتل کرنا چاہے گا مگر اس بار اسے قتل کرنے پر قدرت نہ ہوگی۔ ابو حاتم معمرؒ کی روایت ہے کہ وہ صاحب خضرؑ ہوں گے۔

یہی حدیث مسلم میں بھی ہے جو دوسرے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے مطابق رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دجال نکلے گا تو وہ مومنین میں سے ایک شخص کی طرف متوجہ ہوگا۔ اسے دجال کے پہرے دار ملیں گے اور پوچھیں گے کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ وہ کہے گا میں اس کی طرف ارادہ رکھتا ہوں جس کا خروج ہوا ہے۔ پھر وہ کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں لائے۔ وہ (مومن) کہے گا کہ ہمارے رب میں تو کوئی پوشیدگی نہیں ہے تو وہ کہیں گے کہ اسے قتل کر دو۔ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا ہمارے رب نے تمہیں منع نہیں کیا کہ تم اس کے سوا کسی کو قتل نہ کرنا پس وہ (مومن کو) دجال کی طرف لے جائیں گے۔ مومن اسے دیکھے گا تو کہے گا کہ اے لوگو! یہ دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہؐ نے کیا ہے۔ دجال اس کا سر پھاڑنے کا حکم دے گا۔ اس کے پیٹ اور کمر پر سخت ضرب لگوائے گا۔ پھر دجال اس سے کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا۔ جواب میں وہ کہے گا کہ تو مسیح الکذاب ہے۔ پھر دجال اسے آرے کے ساتھ چیرنے کا حکم دے گا۔ اس کی مانگ سے شروع کر کے اس کے دونوں پاؤں کو چیر کر جدا کر دیا

جائے گا۔ پھر دجال اس کے جسم کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان چلے گا۔ پھر اس سے کہے گا کہ کھڑا ہو جا تو وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ پھر دجال کہے گا کیا تو مجھ پر ایمان نہیں لاتا؟ تو وہ (مومن) کہے گا مجھے تیرے بارے میں پہلے سے زیادہ بصیرت عطا ہو گئی ہے۔ پھر وہ کہے گا کہ اے لوگو! میرے بعد یہ (دجال) کسی سے بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔ پھر دجال اسے ذبح کرنے کے ارادے سے پکڑے گا (لیکن) اس کی ہنسلی اور گردن کے درمیان کی جگہ تانبے کی ہو جائے گی اور دجال کو اسے ذبح کرنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر پھینک دے گا تو وہ لوگ گمان کریں گے کہ اس نے اسے آگ کی طرف پھینکا ہے حالانکہ اسے جنت میں ڈال دیا جائے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ شخص رب العالمین کے ہاں سب سے بڑی شہادت کا حامل ہو گا۔



یہودیوں کا یہ دوست ہے کہاں؟

یہودیوں کا یہ دوست دجال عالم وجود میں آچکا ہے۔ یہ آج بھی موجود ہے اور اس وقت بھی موجود تھا جب نبی کریمؐ اس دنیا میں تشریف لائے۔ احادیث مبارکہ کے مطابق اپنی تمام تر فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں قتل اس کا مقدر بن چکا ہے۔ اگرچہ اس کے دوست اس کو بچانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ بہت سی دجالی یہودی تنظیموں کے قیام کا مقصد بھی آخر کار دجال کی حکمرانی کا قیام ہے جس کے لیے صدیوں سے سازشیں کی جارہی ہیں اور دجال کے فنا ہونے تک کی جاتی رہیں گی۔ گزشتہ باب میں ایک حدیث دی گئی ہے جو شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ لد کے مقام پر دجال کو قتل کریں گے۔ یہ بھی تحریر کیا جا چکا ہے کہ یہودیوں نے تل ابیب کے قریب لد نام کے اس گاؤں میں بین الاقوامی ہوائی اڈا بنا ڈالا ہے تاکہ وہ قتل سے بچانے کے لیے دجال کو فرار کرا سکیں۔

سوال یہ ہے کہ یہودیوں کا یہ دوست عالم وجود میں آچکا ہے تو یہ ہے کہاں......؟ بتایا گیا ہے کہ یہ زنجیروں میں جکڑا ہوا کسی جزیرے میں قید ہے۔ نبی کریمؐ نے چونکہ مشرق کی طرف سے اس کے خروج کی خبر دی ہے لہذا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ بحر ہند کے کسی جزیرے میں قید ہوگا لیکن کوئی واضح اشارہ موجود نہیں اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔

کچھ عرصہ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ برامودا کے جزیرے میں قید ہے جس کو برامودا ٹرائینگل کہا جاتا ہے۔ اس جزیرے کا شہرہ 1945ء میں اس وقت ہوا جب فلوریڈا سے اڑنے

والے چار جہاز اچانک غائب ہو گئے۔ ان کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا......؟ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ زمین نے نگلا اور نہ آسمان نے کھایا بلکہ ان جہازوں کو سمندر ڈکار گیا ہے۔ یہ حادثہ برامودا کے مقام پر ہوا۔ اس کے بعد پے در پے متعدد واقعات ہوئے۔ کئی بحری جہاز تک عدم وجود کا شکار ہو گئے۔ سائنسدانوں نے پتہ چلایا کہ یہاں اتنی طاقتور مقناطیسی لہریں ہیں جو سیکنڈوں میں بڑے بڑے بحری جہازوں تک کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ لیکن برامودا بحر اوقیانوس میں ہے اور مشرق کی بجائے مغرب کی جانب ہے۔ اس جگہ اڑن طشتریاں دیکھے جانے کے دعویدار بھی موجود ہیں۔ اسی طرح کا ایک علاقہ بحرالکاہل میں بھی ہے۔ اب کوئی کشتی، جہاز یا ہوائی جہاز اس سمت میں نہیں جاتا...... برامودا میں دجال کی موجودگی کی اطلاعات یہودیوں کی طرف سے ہی پھیلائی گئی ہیں جو یہاں ہونے والے حادثات کو اپنے اس دوست کا ''کارنامہ'' قرار دے رہے ہیں۔ زمانہ قدیم سے یہ علاقے شیطان اور بدی کی قوتوں کے مرکز بھی قرار دیئے گئے ہیں۔

دجال موجود تو ہے مگر کہاں ہے......؟ اس کے حوالے سے مخبر صادقؐ کے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ اور آپؐ نے اس بارے میں کیا فرمایا......؟ ایک حدیث مبارک کو دیکھتے ہیں۔

اس حدیث کی راوی جنابہ فاطمہ بنت قیسؓ ہیں جو ضحاک بن قیسؓ کی ہمشیرہ اور اولین مہاجرات میں سے تھیں۔ مسلم میں یہ حدیث بہت طویل ہے جس میں دجال کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس سے غیر متعلقہ حصے حذف کر کے وہی حصہ دیا جا رہا ہے جس میں دجال کا ذکر ہے۔ جنابہ فاطمہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں کہ میری عدت ختم ہوگئی تو میں نے رسول اللہؐ کی طرف سے ندا دینے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے۔ پس میں مسجد کی طرف نکلی اور میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس حال میں کہ میں عورتوں کی صف میں تھی جو مردوں کی پشتوں سے ملی ہوئی تھی۔ رسول اللہؐ نے نماز پوری کر لی تو مسکراتے ہوئے منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا ہر شخص اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھا رہے۔ پھر فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا اللہ سے ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری ایک نصرانی آدمی تھے۔ پس وہ آئے انہوں نے اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے اور مجھے ایک بات بتائی جو اس خبر کے موافق ہے جو میں تمہیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ انہوں نے مجھے خبر دی کہ وہ بنولخم اور بنو جذام کے تیس آدمیوں سمیت ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ بحری موجیں انہیں ایک ماہ تک دھکیلتی رہیں۔ وہ پھر سمندر میں ایک جزیرے کی طرف پہنچے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرے کے اندر داخل ہوئے۔ انہیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا اگلا اور پچھلا حصہ وہ نہ پہچان سکے۔ تو انہوں نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا اے قوم! اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو کیونکہ وہ تمہاری اسی خبر کے بارے میں بہت شوق رکھتا ہے۔ پس جب اس نے ہمارا نام لیا تو ہم گھبرا گئے کہ وہ کہیں جن نہ ہو۔ پس ہم جلدی جلدی چلے اور گرجے میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا انسان تھا کہ اس سے پہلے ہم نے اتنا بڑا آدمی، اتنی سختی کے ساتھ بندھا ہوا نہ دیکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھا گیا تھا اور گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے اس سے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تم کون ہو۔ اس نے کہا تم میری خبر معلوم کرنے پر قادر ہو ہی گئے ہو تو تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم دریائی جہاز پر سوار ہوئے تو سمندر کو جوش میں پایا۔ پس موجیں ایک مہینہ تک ہم سے کھیلتی رہیں۔ پھر ہمیں تمہارے اس جزیرے تک پہنچا دیا۔ پس ہم چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہوئے اور جزیرے کے اندر داخل ہو گئے تو ہمیں بہت موٹے گھنے بالوں والا جانور ملا۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا اگلا اور پچھلا حصہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ ہم نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا جساسہ کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا گرجے میں اس آدمی کا قصد

کرو کیونکہ وہ تمہاری خبر کا بہت شوق رکھتا ہے۔ پس ہم اس سے گھبرائے اور جلدی سے تیری طرف چلے۔ ہم اس سے پر امن نہ تھے کہ وہ جن ہی نہ ہو۔ اس نے کہا مجھے بیسان کے باغ کے بارے میں خبر دو۔ ہم نے کہا تم اس کی کس چیز کے بارے میں خبر معلوم کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں اس کی کھجوروں کے پھل کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ہم نے کہا ہاں! (پھل آتا ہے)۔ اس نے کہا عنقریب یہ زمانہ آنے والا ہے کہ وہ درخت پھل نہ دیں گے۔ اس نے کہا مجھے بحیرہ طبریہ کے بارے میں خبر دو۔ ہم نے کہا تم اس کی کس چیز کے بارے میں خبر معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کیا اس میں پانی ہے۔ ہم نے کہا اس میں کثرت کے ساتھ پانی موجود ہے۔ اس نے کہا عنقریب اس کا سارا پانی ختم ہو جائے گا۔ اس نے کہا مجھے زغر کے چشمہ کے بارے میں بتاؤ۔ ہم نے کہا تم اس کی کس چیز کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور کیا لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ہم نے کہا ہاں! یہ کثیر پانی والا ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا مجھے امیوں کے نبی کے بارے میں خبر دو کہ اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکلے اور یثرب (مدینہ) میں اترے ہیں۔ اس نے کہا کیا عرب نے اس کے ساتھ جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں! اس نے کہا انہوں نے اہل عرب کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم نے اسے خبر دی کہ وہ اپنی ملحقہ حدود کے عربوں پر غالب آگئے ہیں اور ان عربوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ اس نے کہا کیا ایسا ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! اس نے کہا ان (عربوں) کے حق میں بہتر ہے کہ وہ ان کے تابعدار ہو جائیں۔ اور میں تمہیں اپنے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ میں مسیح (دجال) ہوں۔ بہت جلد مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ پس میں نکلوں گا تو زمین میں چکر لگاؤں گا۔ میں چالیس راتوں میں ہر ہر بستی پر اتروں گا مکہ اور طیبہ (مدینہ) کے سوا کیونکہ ان دونوں میں داخل ہونا میرے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ جب میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو فرشتہ ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر سامنے آجائے گا اور مجھے اس میں داخل ہونے سے روکے گا۔ اس کی ہر گھاٹی پر فرشتے پہرے دار ہوں گے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے کہا رسول اللہؐ نے اپنی انگلی کو منبر پر چھویا اور فرمایا یہ طیبہ ہے...... یہ طیبہ ہے...... یہ طیبہ ہے (یعنی مدینہ ہے) کیا میں نے تمہیں یہ باتیں پہلے ہی بیان نہ کر دی تھیں۔ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! پھر فرمایا بے شک مجھے تمیم کی اس خبر سے خوشی ہوئی ہے کہ وہ اس حدیث کے مطابق ہے جو میں نے تمہیں دجال اور مکہ و مدینہ کے بارے میں بیان کی تھی۔ آگاہ رہو! دجال شام یا یمن کے سمندر میں نہیں ہے بلکہ مشرق کی طرف ہے...... وہ مشرق کی طرف ہے...... وہ مشرق کی طرف ہے...... آپؐ نے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔ پس میں نے یہ حدیث رسول اللہؐ سے یاد کر لی (اس جانور کو جساسہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ دجال کے لیے جاسوسی کرتا ہے)

کہاں برامودا اور کہاں شام و یمن یا مشرق...... ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ برامودا میں زبردست مقناطیسی لہریں موجود ہیں تو یہ لوگ وہاں تک کیسے پہنچ گئے اور پھر زندہ سلامت کیسے آ گئے؟ یہ یہود اور اہل مغرب کی پھیلائی ہوئی باتیں ہیں جو دجال کو اپنا دوست اور نجات دہندہ سمجھتے ہوئے اس کے خروج کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔



نوٹ: پہلے ایڈیشن کے بعد کتاب میں اگلے تین ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلا باب اپنی جگہ پر آیا ہے آخری دو باب ابتدائی حصہ میں آنے چاہئیں تھے مگر فنی وجوہات کی بنا پر انہیں آخر میں دیا جا رہا ہے۔

مدینہ میں دجال کے لیے محل!

دجال مدینہ میں آئے گا تو ضرور...... یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ وہ شہر نبیؐ میں شورزدہ زمین پر قیام کرے گا۔ یہ شورزدہ زمین وادی جرف کی ہے جو حدود حرم سے باہر ہے۔ دجال کی انتہائی کوشش ہوگی کہ وہ شہر میں داخل ہو جائے مگر وہ ناکام رہے گا لہٰذا وہ وادی جرف کے اطراف میں ہی اپنا خیمہ گاڑے گا۔ اس وادی کی طرف شہر کا پانی جاتا ہے۔ تب مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا اور مدینہ پاک میں موجود کافر، منافق اور فاسق دجال کی طرف چلے جائیں گے۔ اس کا مطلب ہوگا کہ رسول اللہؐ کا شہر ناپاک لوگوں سے مکمل طور پر پاک ہو جائے گا۔

اپنی کوششوں میں ناکامی کے بعد دجال کوہ احد اور وادی جرف کے درمیان ہی گردش کرتا رہے گا، اس وادی کو سرخ ٹیلہ بھی کہا گیا ہے۔ فرمان رسولؐ کے مطابق مدینہ کے سات دروازے ہوں گے جن پر فرشتے پہرہ دے رہے ہوں گے۔ وہ مشرق کی جانب سے مدینے میں داخلے کی کوشش کرے گا۔ روایات ہیں کہ اسے حضرت جبرائیل امینؑ نظر آئیں گے جو تلوار سونتے ہوئے ہوں گے۔ کچھ روایات میں حضرت میکائیلؑ کے نظر آنے کا ذکر بھی ہے۔ اس سے کچھ بن نہ پڑے گا تو وہ جبل احد کے پیچھے چلا جائے گا۔ مدینہ منورہ میں زلزلے کے تین جھٹکے اس وقت لگیں گے جب دجال ناکام ہو کر اپنے خیمے کو ضرب لگائے گا جس کے بعد اس شہر میں کوئی گنہگار نہیں رہے گا۔

مدینہ میں سفید محل کے بارے میں بھی دو روایات ہیں۔ یہ دونوں روایات دجال کے

حوالے سے ہیں۔ ایک روایت تو مسجد نبویؐ کے بارے میں ہے جو حدیث پاک سے ثابت شدہ ہے۔ آج کی سائنس نے بھی اسے درست تسلیم کیا ہے۔ دوسری روایت کا تعلق دجال کے سفید محل میں قیام سے ہے جو اگرچہ معتبر معلوم نہیں ہوتی تاہم اکثر جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ معتبر روایت خیمہ گاڑنے کی ہی ہے۔ اب معلوم نہیں خیمہ کی حیثیت علامتی ہے یا واقعی وہ خیمے میں قیام کرے گا۔ یہ روایت صحیح ہے تو پھر محل تعمیر ہو چکا ہے۔

یہ سفید محل شاہ فہد نے تعمیر کرایا تھا۔ وہ اس میں قیام کرتے تھے اور آج بھی یہ محل موجود ہے۔ جبل الجمعہ پر موجود اس وسیع وعریض محل کو نیچے سے دیکھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چند وسیع عمارتیں ہیں۔ جبل الجمعہ مدینہ کا ایک اہم پہاڑ اور حدود حرم سے باہر ہے۔ اس بلند پہاڑ کی سطح ہموار ہے اور یہ مدینہ پاک کے مغرب میں ہے۔ شاہ فہد کی خواہش تھی کہ وہ مدینہ منورہ کے کسی بلند پہاڑ پر اپنا محل بنائیں تاکہ یہاں قیام کے دوران پورا شہر ان کی نظروں کے سامنے رہے۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے جبل احد تجویز کیا گیا۔ 3533 فٹ بلند یہ پہاڑ مسجد نبویؐ کے شمال جبکہ قبلہ کے جنوب میں ہے۔ یہ مسجد سے قریباً پانچ میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ آج کی صورتحال ہے۔ معلوم نہیں دجال کے خروج کے وقت کیا معاملہ ہو۔ یہ حدیث پاک موجود ہے کہ میری مسجد میں توسیع ہوتی رہے گی۔ فرمان رسولؐ کے مطابق توسیع کا یہ عمل جاری وساری ہے اور مزید منصوبے بن رہے ہیں۔ یہ روایت بھی ہے کہ قرب قیامت مسجد کوہ احد تک وسیع ہو جائے گی۔ دجال کا خروج قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ احد تک نہیں تو یہ مسجد کافی دور تک احاطہ ضرور کرے گی۔

نبی کریمؐ نے کوہ احد کو جنت کا پہاڑ قرار دیا ہے جو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہوگا۔ پہاڑ کے تقدس کی وجہ سے علماء کرام نے یہ تجویز مسترد کر دی کہ جنت کے پہاڑ پر شاہی محل بنانے سے لوگ ناراض ہوں گے لہٰذا یہاں محل نہ بن سکا۔ مشرق میں جبل الضباء ہے مگر یہ حدود حرم میں ہے، شاہ نے سوچا کہ ان سے ملاقات کے لیے غیر مسلم بھی آئیں گے جو

حدود حرم کی وجہ سے ان کی رہائش تک نہیں آسکیں گے پھر جبل عیر مکہ سے مدینہ جائیں تو شہر میں داخل ہوتے ہی اس پر نظر پڑ جاتی ہے۔ سیاہ رنگ کے اس بلند پہاڑ پر محل کی تعمیر کی تجویز اس لیے بروئے کار نہ آسکی کہ نبی کریمؐ نے اسے دشمن پہاڑ قرار دیا ہے جو دوزخ کے ایک دروازے پر ہوگا۔ آخر جبل الجمعہ پر محل تعمیر کر لیا گیا۔ اس پہاڑ کے دامن میں مدینہ یونیورسٹی بھی ہے۔ حدود حرم سے باہر یہ پہاڑ تاریخی اہمیت اور حیثیت کا حامل ہے۔ پہاڑ پر جانے کے لیے ایک ڈھلوان سڑک بھی تعمیر کی گئی۔ شاہ فہد سفید رنگ کے اس محل میں سال میں ایک ماہ قیام کیا کرتے تھے۔ اب بتایا گیا ہے کہ محل خالی پڑا ہے۔ یہ باری تعالیٰ کی قدرت ہے معلوم نہیں اس محل کی تعمیر میں کون سی حکمت پوشیدہ ہوگی۔ اگر روایات درست ہیں تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ دجال کا خروج بہت زیادہ دور کی بات نہیں اور سفید محل بھی موجود ہے۔

سفید محل کے بارے میں ایک اور حدیث ایک گذشتہ باب میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی اس روایت میں کہا گیا ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ نے یوم الخلاص (چھٹکارے کا دن) کا ذکر کیا۔ آپؐ کی زبان مبارک پر بار بار یہ لفظ آرہا تھا جس پر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہؐ! یہ یوم الخلاص کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ جس دن دجال آئے گا۔ وہ کوہ احد پر چڑھ کر دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا تم جانتے ہو یہ سامنے جو ''قصر ابیض'' (سفید محل) نظر آرہا ہے، یہ کیا ہے۔ پھر خود ہی جواب دے گا کہ یہ احمدؐ کی مسجد ہے۔ اس کے بعد اس کی شہر میں داخلے کی کوششوں، تین بار زلزلہ آنے اور ناپاک لوگوں کے مدینہ چھوڑ کر دجال کے ساتھ چلے جانے کی روایت ہے۔ واضح رہے کہ دجال تنہا نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ ستر ہزار یہودیوں کے لشکر کی بھی روایات ہیں۔

اس وقت دجال کوہ احد پر کھڑا ہوگا تو اس کا رخ قبلہ کی جانب ہوگا۔ کوہ احد پر کھڑا ہونے کا مطلب ہے کہ وہ حدود حرم کے اندر تک آجائے گا کیونکہ یہ سارا کا سارا پہاڑ حرم کی حدود میں ہے۔ وہ آج کی مسجد نبویؐ سے بھی صرف پانچ کلومیٹر دور ہوگا۔

مسجد نبویؐ کے بارے میں آپؐ کی پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔ اگر فضا سے دیکھا جائے تو یہ مسجد بالکل سفید محل کی طرح نظر آتی ہے۔ ۲۰۱۷ء میں امریکہ نے ایک خلائی تحقیقی مشن بھیجا تھا۔ اس مشن سے بھیجی گئی تصاویر میں مسجد نبویؐ کی تصویر بھی ہے جو بالکل سفید محل معلوم ہو رہی ہے۔ واضح رہے کہ مسجد نبویؐ کا بیرونی فرش بھی سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے تاہم اس میں سیاہ اور گلابی رنگوں کا ڈیزائن بھی شامل ہے۔

○

یہود کی ذہانت

آخر یہودی اتنے ذہین کیوں ہیں......؟

آج کی دنیا میں ہونے والی ایجادات پر نظر دوڑ ائیں، آپ کو ہر جگہ یہودی ذہن کارفرما نظر آئے گا۔

وہ کون سی ایسی چیز ہے جو یہودیوں نے ایجاد نہیں کی۔ شاید گنتی کی چند اشیاء ہوں گی۔ ورنہ تو البرٹ آئن سٹائن کے نظریہ اضافت سے اوپن ہائمر کے ایٹم بم بنانے تک......سب کچھ یہودیوں کے کھاتے میں گیا ہے۔ یہی نہیں۔

بنیامین روبن نے انجکشن ایجاد کیا۔ پولیو کے قطرے یونس سیلک، خون کے کینسر کی دوا گیرٹ روڈ الیون، گردے کا علاج بیرخ بلومبرگ الزائمر کی دوا پال انخ جبکہ مصنوعی اعضاء کا سکالر ولیم قلو فیکم ہے۔

سگنلز کا موجد چارلس ایڈلر، مائیکروفون اور گراموفون کا موجد ائربیئر لینڈر، وڈیو ریکارڈنگ کا موجود چارلس گینبرگ اور آپٹک فائبر کا موجد پیٹر شولٹس بھی یہودی تھے۔

یہ چیزیں تو ایک طرف کمپیوٹر گیمز کے علاوہ باربی ڈول اور ٹیڈی بیئر یہودیوں کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ ہم جس گوگل پر انحصار کئے بیٹھے ہیں اور جس کا ہماری زندگی میں بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ اس کا بنانے والا بھی یہودی ہے۔ ایک اور ایجاد وٹس ایپ ہے۔ ایک غریب یہودی کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اپنے والدین کو ٹیلی فون کر سکے، اپنی اس محرومی کے

تدارک کے لیے اس نے دن رات کام کیا اور ہم سب کے لیے آسانیاں فراہم کر دیں۔ اس نے وٹس ایپ ایجاد کر لیا۔

یہودیوں کی ذہانت کا اس سے اندازہ لگا لیں کہ یہود کی کل آبادی دو کروڑ بھی نہیں۔ یہ آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ بتائی جاتی ہے مگر اتنی قلیل آبادی کی یہ قوم اب تک 180 نوبل انعام جیت چکی ہے۔ اس حساب سے اسی ہزار میں سے ایک یہودی نوبل انعام یافتہ ہے جو اس قوم کے لیے بہت بڑے اعزاز سے کم نہیں۔ اس کے مقابلے میں قریباً سو گنا زیادہ مسلمان اب تک محض تین انعام حاصل کر پائے ہیں جو کسی المیہ سے کم نہیں۔

دنیا بھر میں میڈیا ہی نہیں، صنعت و تجارت بلکہ ہر میدان میں یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ ہم میڈیا کے حوالے سے سی این این کا بہت ذکر کرتے ہیں مگر اس کا مالک، اس کے علاوہ اے بی سی، واشنگٹن پوسٹ، ٹائم میگزین کا مالک اور نیویارک ٹائمز کا مالک قوم یہود سے تعلق رکھتے ہیں۔

تو یہ ہے صورتحال...... جو ہم سے سو گنا کم ہیں ان کے ہاں تو ۱۸۰ افراد نے نوبل انعام جیت رکھا ہے مگر ہم جو امت محمدیہؐ اور بڑی بھاری تعداد میں ہیں، محض تین نوبل انعامات کے حقدار ٹھہرے۔ ہمارے خیال میں تین نہیں دو مسلمان امت محمدیہؐ سے ہیں کیونکہ ایک مسلمان نہیں بلکہ قادیانی ہے۔ اسے اس وقت نوبل انعام ملا جب قادیانیوں کو ابھی دائرہ اسلام سے باقاعدہ طور پر خارج نہیں کیا گیا تھا۔

لیکن ہمارے اس زوال کی وجہ کیا ہے جبکہ ہمارے پاس وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں۔ دوسری طرف یہود پر باری تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہی رہتا ہے مگر وہ ہمت نہیں ہارتے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ قرآن و سنت سے منہ موڑ لینا جبکہ اپنے وسائل کو تعمیری کی بجائے فضول معاملات یعنی لہو ولعب میں ضائع کر دینا ہے۔

یہاں ایک حدیث مبارک کا ایک حصہ دیتے ہیں۔ کتب احادیث میں یہ طویل حدیث

ہے اور حدیث جبرائیل کہلاتی ہے۔ اس کا صرف آخری حصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ حضرت جبرائیلؑ نے نبی کریمؐ سے پوچھا ''مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے۔

آپؐ نے جواب دیا جس سے (قیامت کے بارے میں) پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ غیب کی ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوال کسی کو نہیں اور پھر رسول اللہؐ نے سورۃ لقمان کی آخری آیت تلاوت کی:۔

> بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے پاس قیامت کا علم ہے (کہ وہ کب آئے گی) اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے اور کسی انسان کو یہ علم نہیں کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور (اسی طرح) کسی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہوگی۔ بے شک اللہ ہی ہر چیز کا علم رکھنے والا (اور) ہر شے سے باخبر ہے۔

اس شخص نے پوچھا کہ مجھے اس (قیامت) کی نشانیاں بتا دیں۔

آپؐ نے فرمایا: (جب تم دیکھو) کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے یعنی پیدا کرے، اور یہ کہ تم دیکھو کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج، بکریاں چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

جبرائیلؑ کے ایک اور سوال کا بھی ذکر ہے کہ یا رسول اللہؐ! بکریاں چرانے والے، برہنہ پا، تنگدست اور بھولے کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا کہ وہ عرب ہوں گے۔

اس حدیث مبارک کے مطابق آپ لوگوں کو یہ امر پوری طرح سمجھ آ گیا ہوگا کہ وسائل سے مالا مال مسلمانوں کے بے وسیلہ ہونے، ذلت و خواری اور مسائل و مصائب میں گھر جانے کی وجہ کیا ہے۔

مگر یہ بنیادی سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ اتنی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود یہود ساری دنیا پر کیوں چھائے ہوئے ہیں...... وہ اتنے ذہین کیوں ہیں کہ ہر کامیابی کا سہرا انہی کے سر پر سجتا ہے۔

ہم قرآن حکیم کو ذرا غور سے دیکھیں تو ہمیں اس کا جواب آسانی سے مل جائے گا۔ یہود نے اگرچہ ہر مقام پر ناشکری کی مگر مولا کریم نے انہیں ہر نعمت سے نوازا جبکہ سرفراز و سربلند بھی کیا مگر مسلسل ناشکری اور ایفائے عہد سے روگردانی پر انہیں ٹھکرا بھی دیا...... قرآن ہمیں یہود کو ملنے والے انعامات کی خبر دیتا ہے تو ہم ان کی ذہانت کی وجہ جان لیتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی واسطے اور وسیلے کے بغیر ملنے والے رزق کی وجہ سے ہے۔ باقی انسانوں نے تو خود محنت اور مشقت کر کے اللہ کا رزق حاصل کیا مگر اس قوم کو ہاتھ ہلائے بغیر خوردونوش ملتا رہا وہ اللہ کریم کی طرف سے براہ راست تھا۔ جس میں یہود یا کسی بھی دوسرے انسان کی محنت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے۔ ہم سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۵۷ کو لیتے ہیں جس میں اس کا ذکر آیا ہے۔ رب رحیم و کریم نے فرمایا:۔

> ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو۔ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

(من وسلویٰ کا ذکر سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۸۰ میں بھی ہے)

پھر البقرہ کی آیت نمبر ۶۰ میں پانی فراہم کرنے کا ذکر ہے:۔

> موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا۔ (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

یہ دونوں آیات ایک گزشتہ باب میں بھی موجود ہیں تاہم نفیس مضمون کے حوالے سے یہاں دوبارہ دی جارہی ہیں ۔ان سے بتانا یہی مقصود ہے کہ یہود یا بنی اسرائیل کے خمیر میں وہ آب ودانہ اوراس کے اثرات موجود ہیں جن کو کسی انسان کے ہاتھ نہیں لگے۔ یہ آب ودانہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا لہٰذا اسے کھانے والوں کے ذہن کیوں نہ کھل جاتے اور وہ ذہانت کی بلندیوں تک کیوں نہ پہنچ جاتے۔

لیکن یہ من وسلویٰ کیا ہے......؟

اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ بیان اسی کتاب کے (صفحہ 111 پر) باب ''عذاب الٰہی کے حقدار'' میں کیا جا چکا ہے۔اس بارے میں قریباً تمام بزرگ متفق ہیں کہ من برف کے اولوں کی طرح کی کوئی چیز تھی۔ جبکہ سلویٰ بٹیر جیسے پرندوں کو قرار دیا گیا ہے مگراس ناشکری اور نافرمان قوم کواللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ یہ غذا پسند نہیں آئی اورانہوں نے انسانی ہاتھوں سے زمین میں اگائی جانے والی غذا کا مطالبہ کردیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں طبی نقطہ نظر سے کچھ اضافہ کیا ہے۔آیت نمبر ۵۷ کی تفسیر میں وہ قرار دیتے ہیں کہ غذائیت کے اعتبار سے من کاربو ہائیڈریٹ کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ سلویٰ گوشت تھا لہٰذا وہ پروٹین کی ضرورت کے لیے کافی ہے۔

اسی طرح آیت نمبر 60 کی تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہر قبیلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ گھاٹ مقرر کرنے کی وجہ ان میں پیدا ہونے والے تنازعات کو روکنا تھا۔ وہ چونکہ قبائلی دور اور قبائلی نظام تھا۔ایک ہی گھاٹ ہوتا تو ان میں پہلے پانی کے حصول یا اپنے گھوڑوں وغیرہ کو پانی پلانے کے حوالے سے تنازعات پیدا ہوسکتے تھے اس لیے باری تعالیٰ نے ہر قبیلہ کے لیے الگ گھاٹ یا چشمہ مقرر فرمادیا جس سے لڑائی جھگڑے کا خطرہ ٹل گیا۔

من وسلویٰ جیسی نعمت کی قدر نہ کرنے اور ناشکری کا رویہ اپنانے کا ذکر آیت نمبر 57 کے بعد کی آیات میں ہے۔آیت نمبر 58 میں فرمایا گیا ہے:۔

اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے کہا تھا کہ داخل ہو جاؤ اس شہر میں اور پھر کھاؤ اس میں سے بافراغت جہاں سے چاہو، جو چاہو۔ لیکن دیکھنا (بستی کے) دروازے میں سے داخل ہونا جھک کر اور کہتے رہنا مغفرت، مغفرت۔ تو ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور محسنین کو ہم مزید فضل وکرم سے نوازیں گے۔

اس سے اگلی آیت 59 میں فرمایا گیا:۔

پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو ان سے کہہ دی گئی تھی۔ پھر ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے ایک بڑا عذاب اتارا، اس نافرمانی کے سبب جو انہوں نے کی تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں کہ بنی اسرایل کے صحرائے سینا میں آنے اور توراۃ عطا کیے جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جہاد اور قتال کا حکم ہوا مگر اس سے پوری قوم نے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر سزا مسلط کر دی کہ وہ چالیس برس تک اس صحرا میں بھٹکتے رہیں گے۔ فرمان ربی کے مطابق یہ جہاد اور قتال کرتے تو اللہ تعالیٰ اس وقت پورا فلسطین ان کے ہاتھوں فتح فرما دیتے۔ یہ ارض فلسطین ہی ان کے لیے ارض موعود تھی جو ان پر چالیس برس تک حرام کر دی گئی۔ ان کی صحرا نوردی کے دوران ہی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا۔

اس عرصہ میں ایک نئی نسل پیدا ہوئی اور جو نسل مصر سے غلامی کا داغ اٹھائے ہوئے آتی تھی، پوری کی پوری ختم ہو گئی۔ غلام قوم کی طرح ان میں بھی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں مگر نئی نسل ان کمزوریوں سے پاک تھی جس نے حضرت یوشع بن نونؑ (توراۃ میں ان کا نام یشوع ہے) کی قیادت میں قتال کیا اور جو پہلا شہر فتح ہوا وہ ''اریحا'' تھا جو آج بھی ''جیریکو'' کے نام سے موجود ہے۔

پرانی نسل نے اللہ تعالیٰ کا ایک اور قول بدل ڈالا۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ ''حطہ'' کہتے ہوئے شہر میں داخل ہو گے مگر انہوں نے ''حنطہ'' کہنا شروع کر دیا۔ جس کا مطلب ہے ہمیں گندم چاہیے کیونکہ من و سلویٰ کھاتے کھاتے ان کی طبیعتیں اچاٹ ہو گئی تھیں۔ اب وہ زمین میں اگی ہوئی اشیاء کا مطالبہ کرر ہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تمسخر اڑانے والوں پر طاعون کی وبا مسلط کر دی گئی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور یہی ان کی نافرمانی کی سزا اور ان پر عذاب تھا۔



یہودی ہو تو ثابت کرو

یہودیوں کی انتہائی کم آبادی میں متعدد عوامل شامل ہیں۔کوئی بھی شخص تبدیلی مذہب کی بنا پر یہودی نہیں بن سکتا۔شادی کی وجہ سے بھی کسی کو یہودیوں کا حصہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔اس حوالے سے ان کے اصول بڑے سخت ہیں جبکہ پوری بنی نوع انسانی کے مقابلے میں یہ واحد قوم یا مذہب ہے جس میں سلسلہ نسب باپ سے نہیں ماں سے چلتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ باپ بھی یہودی ہو۔

مملکت اسرائیل کے قیام کے بعد تو انہوں نے انتہائی سخت قوانین بنا لیے ہیں۔اب کسی شخص کے دعویٰ کی بنا پر اسے یہودی تسلیم نہیں کر لیا جاتا بلکہ اس کی تصدیق اور ثبوت کے لیے سائنسی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں ڈی این اے (DEOXIYRIBO NUCLEIC ACID) بھی شامل ہے۔اس ایسڈ کے ذریعے کسی بھی انسان کی جینیاتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں اور آج کی جدید دنیا میں یہ طریقہ کار عام ہے۔

اسرائیل میں نسلی یا جینیاتی تعلق اور معلومات کے حصول کے لیے کسی کے دعوے کو قبول نہیں کیا جاتا۔اگر کوئی ڈی این اے نہ کرائے تو پھر یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ وہ یہودیوں میں سے نہیں ہے اور اس کو باقاعدہ اقرار نامے کے ذریعے یہ تسلیم بھی کرنا پڑتا ہے۔اگرچہ اس پر لوگوں کو خاصی پریشانی ہے اور کچھ عرصہ قبل تل ابیب میں مظاہرے بھی ہوئے لیکن سب کچھ لاحاصل رہا۔قوانین کو ختم ہونا تھا نہ ہوئے۔برطانوی اخبار گارڈین نے 13 جولائی 2019ء کو

ایک تفصیلی رپورٹ میں اس سارے عمل سے عوام کو آگاہ کیا تھا۔

ڈی این اے یہاں تک بتا دیتا ہے کہ متعلق شخص کون سا یہودی ہے۔ اس کا تعلق چینی، برطانوی، افریقی یا کسی اور نسل کے یہود سے ہے۔ بیالوجی ٹسٹ یہودی خون کے بارے میں کچھ چھپا نہیں رہنے دیتا۔ مذکورہ رپورٹ کی اشاعت تک 26 ملین لوگوں کا ٹسٹ کیا جا چکا تھا۔ ظاہر ہے یہ سارے یہودی نہیں تھے کیونکہ یہود کی آبادی اس سے بہت کم بتائی گئی ہے۔ یہ ان سارے لوگوں کا ٹسٹ نہیں ہے جو خود کو یہودی کہتے ہیں بلکہ بہت سے افراد کا معائنہ ابھی باقی ہے۔ اس کی تکمیل تک یہ تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی، لیکن یہ ٹسٹ صرف نسلی معلومات فراہم نہیں کرتا اس سے بہت سی ایسی خاندانی اور نجی باتیں بھی افشا ہو جاتی ہیں جو لوگوں نے خفیہ رکھی ہوتی ہیں۔ ٹسٹ کرانے والوں کے لیے سب سے بڑی پریشانی کی وجہ بھی یہی ہے۔ تاہم قانون کی ضرورت ہے کہ نسلی حوالے سے خاندانی ڈیٹا یا معلومات اکٹھی کی جائیں۔ دوسری جانب چیف ربی یعنی سب سے بڑی یہودی عالم نے شادی سے پہلے ٹسٹ کو لازمی قرار دے دیا ہے کیونکہ یہودی صرف یہودی سے ہی شادی کر سکتا ہے۔ مسلمان، عیسائی یا کسی بھی دوسرے مذہب کے مرد یا عورت سے شادی کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ شادی سے پہلے ٹسٹ سرٹیفکیٹ پیش کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں یہودی ہیں۔ صرف یہی نہیں دولہا، دلہن کی ماؤں کی پیدائش اور شادی کا سرٹیفکیٹ بھی دیکھا جاتا ہے تاکہ اس امر کی یقین دہانی حاصل کی جا سکے کہ شادی کا متمنی جوڑا خالص یہودی خون کا حامل ہے۔ ربی کو سرٹیفکیٹ پیش نہ کرنے کی صورت میں ڈی این اے کیا جاتا ہے۔ ان میں اکثریت روس سے آنے والے یہودیوں کی ہے جن کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہے۔ یہ لوگ 1990ء کی دہائی میں اس وقت روس کی ریاستوں سے آئے تھے جب روس ٹوٹ گیا اور اس کی متعدد ریاستوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔

ثبوت کے طور پر پیش کی گئی دستاویزات کا مذہبی عدالتیں بھی جائزہ لیتی ہیں۔ ان کو

RABBINIC COURTS یعنی ربیوں کی عدالتیں کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ ربی یہودیوں کا مذہبی رہنما ہوتا ہے۔ ان کے جج DAYANIM کہلاتے ہیں جن کا انتخاب وزیر مذہبی امور کی سربراہی میں ایک کمیٹی کرتی ہے۔ اس وقت اسرائیل میں بارہ مذہبی عدالتیں قائم ہیں۔ ان کے علاوہ تبدیلی مذہب کے معاملات کا جائزہ لینے کے لیے ایک خصوصی عدالت جبکہ اپیل کے لیے ''گریٹ ربی کورٹ'' قائم کی گئی ہے۔ اسرائیلی قانون کے مطابق یہ عدالتیں ملک کے نظام عدل کا حصہ ہیں۔

ڈی این اے ٹسٹ میں قریباً ہر روسی آ جاتا ہے کیونکہ ان کے پاس متعلقہ دستاویزات نہیں ہوتیں۔ ان یہودیوں کے رہنما اکثر اپنے شکوک کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ معلوم نہیں ٹسٹ میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ کسی کے ذاتی اور خاندانی رازوں کو کھول دینا زیادتی ہی نہیں ظلم کے زمرے میں آتا ہے۔ جس شخص نے پندرہ بیس برس قبل یہودی خاندان میں شادی ہو، اب اس سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنی یہودیت کا ثبوت پیش کرے۔ بصورت دیگر اسے ڈی این اے کرانا یا پھر لکھ کر دینا ہوگا کہ وہ یہودی نہیں ہے۔ ڈی این اے کے حوالے سے ایک دلچسپ صورتحال بھی سامنے آتی ہے۔ نتائج میں بتایا جاتا ہے کہ آپ کتنے فی صد یہودی اور کتنے فی صد غیر یہودی ہیں۔ یہودی ہونے کے لیے کم از کم پچاس فی صد نمبر حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر ایک شخص کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ 49 فی صد یہودی اور 51 فیصد غیر یہودی ہے تو اسے مذہب یا نسل سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہی صورتحال الٹ ہو جائے یعنی وہ 51 فی صد یہودی ہو تو وہ کامیاب قرار پائے گا۔

گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کا ٹسٹ انسانی حقوق کی سنگین ترین خلاف ورزی ہے مگر انسانی حقوق کے چیمپئن کہلانے والے ممالک اور تنظیمیں اس پر خاموش ہیں...... اس لیے کہ یہ کسی مسلمان یا غریب ملک کا نہیں اسرائیل کا معاملہ ہے۔

○○○



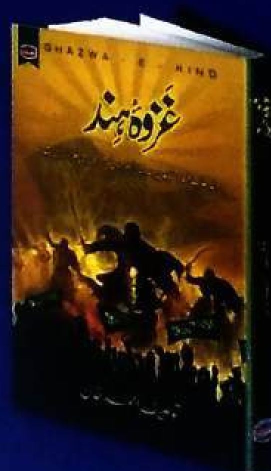
توصیف احمد خان صحافت کے میدان میں نصف صدی سے زیادہ گزار چکے ہیں۔ وہ اہم پوزیشنوں کے حامل رہے۔ ان کا شمار صحافت میں جدید رجحانات کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ بقول نوائے وقت "اس وقت پرنٹ میڈیا کے بیشتر سرکردہ افراد عباس اطہر اور توصیف احمد خان کی زیر نگرانی رموز صحافت سے آگاہی کے بعد اعلیٰ مناصب پر متمکن ہیں"۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی میں ہی صحافت کی ابتدا کر دی تھی۔ لائل پور (فیصل آباد) کے روزنامہ سعادت اور پیغام سے لاہور کے روزنامہ ندائے ملت تک پہنچے جو مجید نظامی مرحوم نے ۱۹۶۹ء میں جاری کیا تھا۔ لائل پور میں انہوں نے اپنے وقت کے معروف اور معتبر روزنامہ حریت (کراچی) کی نمائندگی بھی کی۔

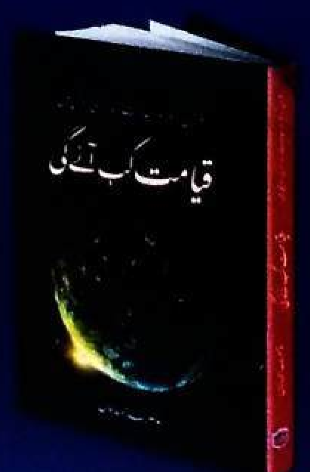
بھٹو دور کے روزنامہ مساوات کے نیوز ایڈیٹر رہے۔ روزنامہ نوائے وقت میں ڈپٹی ایڈیٹر، روزنامہ جنگ لاہور میں چیف نیوز ایڈیٹر، روزنامہ جنگ اور خبریں اسلام آباد کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر جبکہ خبریں گروپ کے ایگزیکٹو ایڈیٹر کے علاوہ روزنامہ جہان پاکستان کے گروپ ایڈیٹر رہے۔ انہیں روزنامہ دن لاہور اور روزنامہ اذکار اسلام آباد کے بانی ایڈیٹر کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

الیکٹرانک میڈیا میں انہوں نے رائل ٹیلی ویژن کے سینئر ڈائریکٹر نیوز جب کہ پنجاب / سٹار ایشیا ٹی وی کے گروپ ایڈیٹر کے طور پر کام کیا اور دونوں چینلوں میں اپنے دور کے مقبول پروگرام پیش کیے۔ ان دنوں ان کی ساری توجہ تصنیف و تالیف پر مرکوز ہے۔ اہم موضوعات پر ان کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں اور کئی ایک زیر طبع ہیں۔













NIGARSHAT
PUBLISHERS

Mian Chambers, 3-Temple Road
Lahore - Pakistan.
+92 321 9414442 +92 42 36303438
nigarshat@yahoo.com nigarshat publishers